سبین

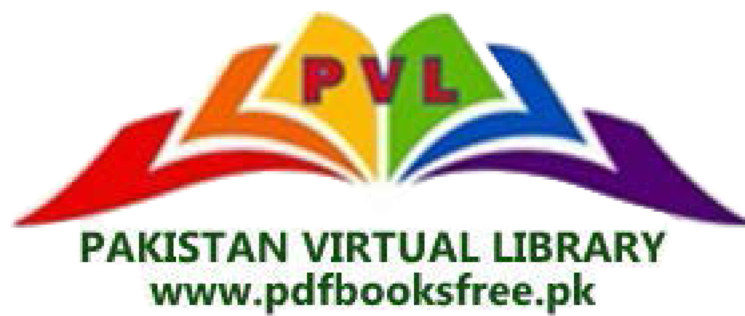
رضیہ بٹ



سبین

حصہ اول

رضیہ بٹ



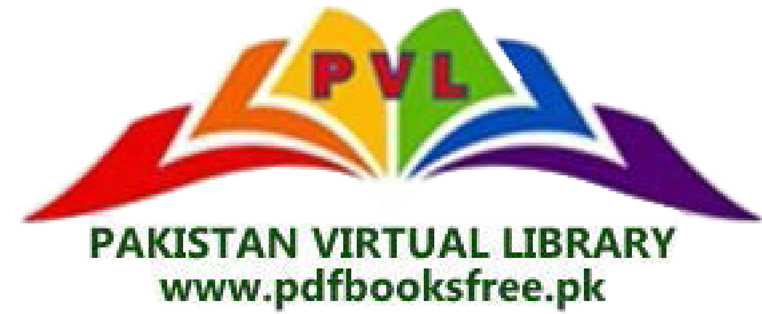
مقبول اکیڈمی

بشرہ اور فاران کے نام

جن کی

کامیاب ازدواجی زندگی کے لئے

میں ہمیشہ دعاگو رہوں گی



میں ڈاکٹر بشرہ کی ممنون احسان ہوں جنہوں نے ہسپتال کے ماحول اور ڈاکٹری اصطلاحات سے میری امداد کی

(رضیہ بٹ)

سرمئی دو رویہ سڑک پر ٹریفک رواں دواں تھی۔ آنے اور جانے والی سڑک کے درمیان فٹ پاتھ کی جگہ خوبصورت سرسبز اور شاداب درختوں گھنی بیلوں اور رنگارنگ پودوں سے بھری کیاریوں نے لے رکھی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف پرانے گھنے اور پھیلے ہوئے درختوں کے آگے کھمبوں پر ٹیوب لائٹس لگی تھیں۔ یہ لائٹیں دودھیا سی روشنی بکھیر رہی تھیں۔ لائٹس تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لگی تھیں۔ جہاں روشنی چاندنی کا غبار بنتا دکھائی دینے کو ہوتی وہاں اگلی لائٹ کا دودھیا نور پھیل جاتا۔ یوں سڑک کا کوئی گوشہ کھدرا ابھی اندھیرا نہ تھا۔ ویسے بھی اس سڑک پر آگے چل کر بڑے بڑے پلازے شو رومز اور ریسٹورنٹ بڑی تمکنت سے استادہ تھے۔ یہاں برقی روشنیاں اس کثرت سے تھیں۔ کہ اندھیروں کو نگل کر شان افتخار سے ماحول کو جھلملا رہی تھیں۔ گاڑیوں کی جلتی بتیاں بھی روشنیوں کے اس سیلاب میں اضافہ کر رہی تھیں۔ رات اتنی اتر چکی تھی۔ چاند کی قاش درخت کی آخری پھننگ میں اٹکی ہوئی تھی آسمان ستاروں سے بھرا تھا۔ لیکن یہ روشنی ان غیر قدرتی روشنیوں کے آگے دب گئی تھی ـــ

ٹریفک کا زور قدرے کم ہو چکا تھا۔ لیکن رات ابھی تک جاگ رہی تھی۔ اسے اونگھ نہیں آئی تھی۔ پلازوں کی دکانوں پر لوگ اب بھی خریداری اور سیرو تفریح کے لئے آجا رہے تھے۔ شوروموں میں سیل مین ابھی تک گاہکوں سے نپٹ رہے تھے۔ لوگ بھرے شاپرز اور ڈبے اٹھائے باہر آرہے تھے۔ اور نئے خریدار اندر جا رہے تھے۔

یہی حال ریسٹورنٹس کا تھا۔ جوں جوں رات ڈھل رہی تھی۔ بعض ریسٹورنٹس پر رش زیادہ ہو رہا تھا۔ جتنے لوگ کھا پی کر باہر نکلتے تھے۔ اس سے زیادہ اندر جانے کے لئے تیار ہوتے۔

ایزی رسٹورانٹ ایک ایسا ہی ریسٹورانٹ تھا۔ اس کے پارکنگ لاٹ میں بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ یہاں جگہ کم ہونے کی وجہ سے سامنے والی سائیڈ لین کے کنارے آگے پیچھے کھڑی گاڑیوں کی قطار دور تک چلی گئی تھی۔ کچھ گاڑیاں خالی تھیں۔ کچھ کے اندر اپنی باری کا انتظار کرنے والے لوگ بیٹھے تھے۔ ریسٹورانٹ کی سرخ بلڈنگ پر رنگ برنگی قمقموں کے ہار لٹک رہے تھے ___ روشنیوں کا سیلاب بہہ رہا تھا۔ دراصل بڑے سے شیشے کے دروازے کے آگے باوردی دربان کھڑا تھا۔ وہ مستعدی سے اپنی ڈیوٹی دے رہا تھا۔ رش چونکہ زیادہ تھا۔ اس لئے اس نے دروازہ بند کر رکھا تھا۔ یہ دروازہ اسی وقت کھلتا۔ جب کوئی فارغ ہونے والی پارٹی یا فرد باہر آنا چاہتا تب دربان اتنے ہی آدمی اندر جانے کی اجازت دیتا۔

کھانا اور سنیکس تو اس ریسٹورانٹ کے مشہور تھے ہی۔ لیکن رش کی اصلی وجہ یہ تھی۔ کہ یہاں ڈسکو بھی ہوتا تھا۔ رات گیارہ بجے کے بعد ڈسکو کا اہتمام ہوتا۔ اس میں حصہ لینے والے لوگ وقت کی قید سے آزاد ہو کر ناچتے بیسمنٹ میں پینے پلانے کا بھی انتظام تھا۔ بڑے خوبصورت بار تھے۔ سرخ رنگ کے قالینوں اور سرخ رنگ کے کاؤنٹروں والی بیسمنٹ بڑی شاندار تھی۔ کانچ کے پیالے اور فرجوں میں پڑی مدہوش کر دینے والی بوتلیں بھری ہوتی تھیں۔ یہاں دکانداری رات گئے تک بجی رہتی تھی ___ یہ لوگ اوپر والے فلور پر کم ہی آتے۔ اس فلور پر ڈسکو ہوتا تھا۔ اور عام طور پر امیر اور فیشن کے دلدادہ نوجوان لڑکے لڑکیاں ہی یہاں آتے تھے۔

اچھا کھانا اور اچھی سروس بھی لوگوں کو ادھر لانے کی بہت بڑی وجہ تھی۔ اس کے لئے سنجیدہ لوگ بھی مع اپنی فیملیز کے یہاں آتے تھے۔ ان کے لئے نہ تو کوئی قید تھی کہ وہ ڈسکو پارٹی میں حصہ لیں۔ نہ ہی یہ لوگ اس وقت تک یہاں ٹھہرتے تھے۔ ہاں کچھ منچلے اور ہلا گلا کے شوقین لوگ ضرور ٹھہر جاتے۔ کبھی چائے منگوا لیتے۔ کبھی کافی یوں نوجوانوں کا تماشا دیکھنے کے لئے یہ لوگ رک جایا کرتے۔

اس دن بھی

ایزی میں بہت رش تھا۔ ویک اینڈ تھا۔ اس لئے کافی لوگ آئے ہوئے تھے۔ ہفتہ بھر کام کرنے کے بعد یہاں تکان اتارنے کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ خوبصورتی سے سجا ہال بھرا ہوا تھا۔ ریپشن پر کھڑا میزبان ہر آنے والے کو ہلکی سی مسکراہٹ سے خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ لوگ میزوں کے اردگرد جگہ لے رہے تھے۔ کچھ پہلے سے بیٹھے کھاپی رہے تھے۔ باتیں ہو رہی تھیں قہقہے لگ رہے تھے۔ بیرے باوردی تھے اجلی اور کلف شدہ وردیوں میں ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ کہیں سے کھانے پینے کا آرڈر لیا جارہا تھا۔ کہیں آرڈر سپلائے کیا جارہا تھا۔

ہال میں رنگا رنگ کھانوں کی اشتہا آمیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

رنگ برنگی ڈسکو لائٹس جل رہی تھیں ___ اور جسموں میں تھرتھراہٹ پیدا کرنے والا تیز میوزک بھی بج رہا تھا۔

یہاں زیادہ تعداد نوجوان لڑکے لڑکیوں کی تھی۔ جو میوزک پر سر دھن رہے تھے۔ پاؤں اور ہاتھوں سے میوزک کا ساتھ دے رہے تھے۔ قہقہے پھوٹ رہے تھے ہنسیوں کی پھوار پڑ رہی تھی۔ لڑکے تو خیر مغربی لباس ہی میں ملبوس تھے۔ اکثر لڑکیوں نے بھی ٹائٹ جینز اور ڈھیلی ڈھالی قمیض پہن رکھی تھیں۔ بال کٹے ہوئے تھے۔ جو ان کے گردنوں سے ہلکی سی جنبش سے ہی ان کے میک اپ زدہ چہروں پر جھول جھول آتے تھے۔ چند لڑکوں کے بال بھی لمبے تھے۔ دو ایک نے تو ان کی کس کر پونیاں بھی بنا رکھی تھیں۔ کلین شیو تھے۔ ایک آدھ نے فرنچ کٹ ڈاڑھی بھی رکھی ہوئی تھی۔

ایزی کے بڑے سے مسحور کن اور جوشیلی فضا والے ہال کے ایک کونے میں بڑی سی ٹیبل پر تین نوجوان لڑکیاں اور تین میچور سے لڑکے بیٹھے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

یہ چھ فرینڈز اردگرد سے بے نیاز اپنی ہی چٹ پٹی باتوں میں کھوئے تھے۔ حالانکہ ہال میں بیٹھے اکثر لوگوں کی نگاہیں ان پر پڑ رہی تھیں۔ خوش مذاق اور خوش ذوق جوڑے انہیں دیکھ رہے تھے۔ زندہ دلان فیملیز والے بھی ان کو وقفوں سے تکے جارہے تھے۔

اور تو اور ویٹر اور بیرے بھی ان کے اردگرد منڈلا رہے تھے۔

خوش شکل اور صحتمند تینوں نوجوانوں نے جینز اور شرٹس پہنی ہوئی تھیں۔ اونچے لانبے قد اور بھرے بھرے جسم والا عمیر بڑا باتونی تھا۔ ذکی دبلا پتلا اور درمیانے قد کا جوان تھا۔ ریحان کھلے گندمی رنگ اور اونچے قد والا دبلا سا نوجوان تھا۔ جو اپنے دوستوں کی باتیں سننے کی بجائے ہال پر طائرانہ سی نظریں ڈال کر لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا ـــــ سمارٹ لڑکا تھا ـــ اس کی آنکھیں بیحد خوبصورت تھیں۔

اسی طرح تینوں لڑکیاں بھی۔ ایک سے ایک بڑھ کر تھی۔ مریم نیازی کے گندمی رنگ میں لالی گھلی تھی ـــ جس سے اس کی رنگت میں ہلکی سی سرخی جھلکتی رہتی تھی۔ جو بڑی مقناطیسی کشش رکھتی تھی۔ نقش واجبی سے تھے ـــــ ہاں بال بہت خوبصورت لمبے اور سیدھے تھے جنہیں اس نے کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ وہ جینز اور کرتا پہنے ہوئے تھی۔ گلے میں باریک سی سنہری زنجیر تھی۔ کانوں میں چھوٹے چھوٹے ٹاپس تھے۔ جن میں لگے سفید زرقون چمک رہے تھے۔ کلائی پر نازک سی گھڑی تھی۔ اس کی خوبصورت مخروطی انگلیاں انگوٹھیوں سے خالی تھیں۔

ماہ نور مریم کے پہلو ہی میں بیٹھی تھی۔ اس کی عمیر سے نوک جھونک ہو رہی تھی۔ اس نے تنگ پاجامے کے ساتھ کھلے گھیر کا کرتا پہن رکھا تھا۔ ساتھ کالی واسکٹ پہنی ہوئی تھی۔ چنا ہوا رسی نما دوپٹہ ایک کندھے پر لٹک رہا تھا۔ ماہ نور گوری چٹی اچھے نقش و نگار والی لڑکی تھی۔ بال کندھوں تک کٹے ہوئے تھے۔ اس کی کلائی پر گھڑی تھی۔ اس کے سوا زیور قسم کی کوئی چیز اس نے نہ پہن رکھی تھی۔ ہلکا سا میک اپ ضرور کر رکھا تھا۔

جبین سرے والی کرسی پر بیٹھی تھی۔ سادہ سی شلوار قمیض اور کھلے عرض کا بڑا سا دوپٹہ کندھوں پر ڈالا ہوا تھا۔ وہ دراز قد اور خوبصورت سمارٹ لڑکی تھی۔ بڑی بڑی سمندروں کی گہرائیاں لئے آنکھیں جن پر لمبی نوکدار جھالریں سی پلکیں تھیں۔ جب وہ پلکیں جھکاتی تو اس کے سنہرے گلابی گالوں پر سایہ سا پڑنے لگتا۔ اس کے بھرے بھرے ہونٹ تازہ دم ہوتے تھے ـــــ بالوں میں ہلکی سی سنہری مائل سیاہ چمک تھی۔ اس نے

میک اپ نہیں کیا ہوا تھا ـــــ اسے شاید اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ قدرت نے تو جیسے اپنے ہاتھوں سے اس کے نقوش سنوارے تھے۔ اور اس کی ملاحت میں کشش بھری تھی۔ وہ ان سب دوستوں کے ساتھ آئی تھی۔

لیکن

انکی باتوں میں دلچسپی کچھ کم ہی لے رہی تھی۔ وہ اپنے لباس اور میک اپ کے بغیر ہونے کیوجہ سے ماحول میں کچھ زیادہ ہی نمایاں لگ رہی تھی۔ اس پر کچھ چپ چپ سی بھی تھی ـــــ اس پر یہ گھمبیر سی چپ کچھ جچ نہیں رہی تھی۔ کیونکہ وہ تھی خاصی باتونی۔ اپنے منفرد انداز میں بولے چلے جانے والی ـــــ وہ کوئی شرمیلی لجیلی حسینہ نہ تھی۔

اس کی نظریں بار بار داخلی گیٹ کی طرف اٹھ رہی تھیں ـــــ

"اے" ماہ نور نے اسے مخاطب کرتے ہوئے لمبی سی "اے" کی

"ہوں" جبین نے اپنی خوبصورت آنکھیں اس کی طرف گھمائیں

"یہ دم سادھے کیوں بیٹھی ہو" ماہ نور نے بھنوئیں اچکائیں

"دم سادھے۔" عمیر جھٹ سے بولا۔ "یوں کہو سانپ کیوں سونگھ گیا ہے"

سب نے اس کی بات پر مشترکہ قہقہہ لگایا۔ اب سارے دوست اپنی باتیں چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"یار میں بھی حیران تھا" ذکی بولا "آج ہماری محفل بے رنگ کیوں ہے۔ اب پتہ چلا۔ کہ محترمہ جبین صاحبہ کی موجودگی میں عدم موجودگی کے سبب ہے"

"واہ وا ـــــ" مریم نیازی نے ہاتھ اونچا کرکے ہوا میں لہرایا "موجودگی میں عدم موجودگی! کیا فقرہ کہا ہے ـــــ ذکی تمہیں تو ڈاکٹر نہیں ادیب یا شاعر ہونا چاہئے تھا ـــ"

"معاف کرنا ـ ڈاکٹری کے ساتھ انسان شاعر اور ادیب بھی ہو سکتا ہے۔ یہ تو اپنے اپنے ذہن رسا کی بات ہے"

"خوب" ریحان بولا "تو آج تم اپنی ادبی حیثیت منوانے پر تل ہی گئے ہو ـ"

"یار تم پوچھ تو جبین کو رہے تھے" عمیر بولا "لگ گئے اپنی ذہانت پہ لیکچر دینے"

"ہاں ہاں" ماہ نور بولی "بات تو میں نے شروع کی تھی۔ بتاؤ جبین منہ میں گھونگھنیاں ڈالے کیوں بیٹھی ہو ___"

"کبھی انسان کو اپنا آپ بھی انجوائے کرنا چاہیے" جبین بولی۔

"واہ وا ___ آج تو ادب ہی کی پھوار پڑ رہی ہے۔ یار میں یہ باتیں نہیں سمجھ سکتی" مریم نے جبین کی طرف دیکھا

"نہیں سمجھ سکتیں۔ تو پتہ کیسے چلتا ہے کہ گفت و گو کے درمیان ادب کو بھی گھسیٹا جارہا ہے" ریحان نے چبھتی آنکھوں سے مریم نیازی کو دیکھا

"تم سب لوگوں کی صحبت کا اثر ہے" مریم نیازی بے نیازی سے بولی

سب ہنسنے لگے۔

"ہاں تو جبین؟" ماہ نور نے پھر کچھ کہنا چاہا تو جبین جھٹ سے بولی "اب قیاس آرائیاں نہ شروع کر دینا ___ میں دراصل عائشہ اور رضوان کے انتظار میں ہوں۔ وہ لوگ ابھی تک آئے نہیں ___"

"اب مت آئے" ذکی بولا "تم کو پتہ ہے کیا ہو رہا ہے"

اس نے گھڑی دیکھی ماہ نور نے بھی اپنی رسٹ واچ پہ نگاہ ڈالی

"اوہ مائی گاڈ سوا گیارہ بجنے کو ہیں" اس نے چیخ نما آواز میں کہا

"تو اور کیا" عمیر نے کہا

"اب تو ہمارا آرڈر سرو ہونے والا ہے۔ ویٹر سے میں نے کہہ دیا ہے کھانا لے آئے مزید انتظار فضول ہے" ریحان نے کہا۔

"واقعی بہت کرلیا انتظار" ماہ نور نے کہا پھر جبین سے بولی "اب ان دونوں کو بھول جاؤ۔ وہ دونوں کہیں اور ہی نکل گئے ہوں گے۔ آنا ہوتا تو اب تک آجاتے"

"بالکل" عمیر نے کہا ___ "سنا ہے دونوں ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ ہیں۔ منگنی کرنے والے ہیں۔ ان کا حق بنتا ہے بھئی ہجوم سے دور دور رہیں ... چلو اچھا ہی ہوا

___ کھانے کا کہہ دیا ___"

جبین نے عمیر کو گھور کر دیکھا اور بولی "تم تو آدھی رات تک کا پروگرام بنا کر آئے تھے ___ جھوٹے گپی ایسے ہی مار رہے تھے کہ یہاں گیارہ بجے کے بعد ڈسکو شروع ہو جاتا ہے۔ سوا گیارہ ہو گئے۔ ابھی تو کھانا ہی چل رہا ہے۔

ذکی جبین کی طرف دیکھ کر بولا "سنا تو یہی تھا ___ میں بھی تو اسی لئے آیا تھا۔ کہتے ہیں گیارہ بجے کے بعد یہ ٹیبل کرسیاں ہٹا دیئے جاتے ہیں ... اور بے ہنگم اچھل کود یعنی ڈسکو شروع ہو جاتا ہے"

"میں بھی یہی دیکھنے آئی تھی" ماہ نور نے اپنے بالوں میں انگلیاں الجھاتے ہوئے کہا "لیکن لگتا ہے ان لونڈوں نے ہمیں بے وقوف بنایا ہے۔" اس نے تینوں لڑکوں پہ نگاہ ڈالی۔

"یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے" عمیر نے ہنستے ہوئے لہرا کر یہ شعر گانے کے انداز میں کہا۔

سب اس کی بات اور مسخرے پن پہ ہنس پڑے۔

"سنا تو یہی تھا کہ یہاں گیارہ بجے کے بعد ڈسکو ہوتا ہے" ریحان نے عمیر کی طرفداری کی "لیکن پتہ نہیں آج کیا ہوا"

"منیجر سے پتہ کرلیں" مریم بولی

"رہنے دو" جبین نے کہا "کھانا کھاؤ اور ... بھاڑو"

"وہ تمہاری عائشہ اور اس کا رضوان" ماہ نور نے کہا "ہمارا تعارف لیے ہوگا انتظار کو لو شاید آہی جائیں ___"

"وہ آ گئے" جبین نے اس کی بات پوری سنے بغیر کہا وہ داخلی دروازے پر ہی نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ عائشہ کو اندر آتے دیکھا تو اچھل کر اٹھ کھڑی ہوئی ___ سب نے اس کے تعاقب میں نظریں دروازے پر مرکوز کر دیں۔ ایک خوش شکل لڑکی خوبصورت لباس میں ملبوس ایک دراز قامت نوجوان کے ساتھ اندر آرہی تھی۔

سبین نے "اے" کہہ کر ہاتھ ہلایا۔ عائشہ نے ادھر دیکھا اور تیز تیز قدم چلتی ادھر آ گئی رضوان اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

"ہیلو ہئے ___" عائشہ اور سبین نے خوشگوار آوازوں میں ایک دوسری کو خوش آمدید کہا۔

"کہاں مر گئی تھی عائشہ کی بچی۔" سبین نے اس کی کمر میں ٹھوکا دیا۔ "ہم سب تم لوگوں کے انتظار میں یہاں پڑے پڑے سوکھ رہے تھے ___"

عائشہ ہنس پڑی ___ بڑی مستانی اور مسکراتی نگاہ سب پر ڈالتے ہوئے بولی "میں عائشہ جمال اور یہ میرے فرینڈ رضوان ___"

تینوں لڑکے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ دونوں کو سیٹیں آفر کرتے ہوئے بولے "تشریف رکھیے"

"پہلے میں تعارف تو کروا دوں" سبین نے کھڑے کھڑے کہا۔

"اے تو کیا مائی بھتاں بن کر آئی ہوئی ہے" عائشہ نے تعارف سے پہلے ہی سبین کے سراپا پر نگاہ ڈالی ___

"یہ ان کے موڈ پر منحصر ہوتا ہے" عمیر جلدی سے بولا۔ "کبھی یہ حلیہ اور کبھی اندرون شہر نہاری کھانے جائیں گی تو جینز اور بلاؤز کس لیں گی۔ ___" سب ہنس پڑے۔ سبین عمیر کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی" عائشہ پہلے ان سب افلاطونوں سے مل تو لو ___"

"ہاں" وہ بولی۔

"یہ ہیں ماہ نور ___ ڈاکٹر ہیں میرے ساتھ ہاؤس جاب کر رہی ہیں ___" ماہ نور نے عائشہ سے ہاتھ ملایا۔ "اور یہ مریم نیازی حال ہی میں انگلینڈ سے کمپیوٹر سائنس میں ایم ایس کر کے آئی ہیں۔ اور یہ ہیں مسٹر ریحان مریم کے اگلے ہفتے پکے پکے بن جانے والے منگیتر ___" سب پھر ہنس پڑے مریم اور ریحان نے عائشہ اور رضوان سے تعارف پر سر جھکا کر تعظیم دی۔

"اور یہ ہیں شہر یار درانی سے عمیر ___ میرے ساتھ ہی ہاؤس جاب کر رہے ہیں ___ ذکی بھی ڈاکٹر ہیں۔ سرجری میں ہاؤس جاب کر رہے ہیں۔"

"آپ جی او آر میں رہتے ہیں" رضوان نے ذکی اور عمیر سے ہاتھ ملاتے ہوئے ذکی سے کہا

"جی ہاں" ذکی نے کہا اور پھر اپنے بیورو کریٹ والد کا نام بتایا۔

"اوہ۔ یہ تو میرے فادر کے دوستوں میں سے ایک ہیں" اس نے بھی اپنے والد کا نام بتایا۔

"چلو ان کی تو رشتہ داری نکل آئی" پیاری سی عائشہ نے اپنا ننھا سا ہاتھ ہلایا۔

"اس لحاظ سے پھر تو میں بھی آپ کی رشتہ دار ہوئی" مریم نے ریحان کے حوالے سے کہا۔ رضوان کے ابو بھی سول سروس کے اعلیٰ عہدیدار تھے ___"

"اور کسی نہ کسی طور میں بھی" سبین نے ہنس کر کہا۔ سب اس کے ساتھ اپنی مسکراہٹوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ "میرے دادا بھی بیورو کریٹ تھے۔ اور تایا بھی ہیں ___"

ایک بار سب نے پھر ایک دوسرے کی طرف پسندیدگی کی مسکراہٹیں اچھالیں۔ سب اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ عائشہ سبین کے دائیں ہاتھ اس کے قریب بیٹھ گئی۔ سب باتیں کرنے لگے۔ اچھے خاندانوں کے یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکے لڑکیاں بڑی بے تکلفی سے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ہنسی مذاق بھی ہو رہا تھا۔ لیکن کوئی سستی اور چھچھوری حرکت کوئی نہیں کر رہا تھا۔ لگ رہا تھا۔ جیسے سبھی ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔

"تم لوگوں نے اتنی دیر کیوں کی۔ کہاں تھے آپ لوگ۔ دس بجے یہاں پہنچنا تھا اور اب پتہ ہے وقت کیا ہے۔" عمیر نے بے تکلفی سے عائشہ اور رضوان سے کہا۔

"سوری" رضوان جلدی سے بولا "عائشہ تو وقت پر تیار تھی۔ مجھے ہی دیر ہو گئی۔ دراصل پاپا نے ایک ضروری کام سونپ دیا تھا۔ ویری سوری آپ لوگوں کو ہمارا اتنی دیر انتظار کرنا پڑا ___"

"یہ سبین صاحبہ تو آپ لوگوں کی اتنی تعریفیں کر رہی تھیں۔ کہ آپ وقت کے بہت پابند ہیں۔" ذکی بولا

عائشہ نے جھٹ سے ذکی کی بات کا جواب دیا "بالکل ہیں۔ کل پھر بلا کر دیکھ لیں۔"

سب ہنس پڑے ذکی ڈھٹائی سے بولا "اوں ہوں۔ ہم اتنی عیاشی کے روز روز متحمل نہیں ہو سکتے ___"

"بالکل" ماہ نور بولی "ہمیں تو آج ذکی اور عمیر نے جھانسا دیا ___"

"ہیں؟" عائشہ نے حیرانگی سے دونوں کی طرف دیکھا "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ" ذکی اپنی شرٹ کا کالر ٹھیک کرتے ہوئے بولا "ہمارا خیال تھا۔ آج یہاں ڈسکو ہو گا"

"خیال نہیں" سبین جھٹ سے بولی "بلکہ تم نے پورے یقین سے کہا تھا"

"چلو کیا ہوا۔ غلطی ہو گئی سرکار ___ ویسے بھی تم نے کونسا ڈسکو میں حصہ لینا تھا۔ بقول عائشہ مائی بھتاں تو بن کر آئی ہوئی ہو ___"

"نہیں بھئی۔ مائی بھتاں اپنی سبین جیسی سویٹ نہیں ہو سکتی ___" عمیر بولا "یہ ہر رنگ میں منفرد ہیں ___"

"شکریہ" سبین قدرے مسکرائی۔ "اب اتنا مکھن نہ لگاؤ۔"

"کیوں بھئی کوئی جھوٹ کہہ رہا ہوں۔" عمیر نے ہاتھ پھیلاتے ہوئے سب کی رائے مانگی

"نہیں۔" سب بولے۔

"بالکل نہیں" مریم نے تعریفی نگاہوں سے سبین کو دیکھا۔ "حسن ملبوسات کا قیدی نہیں ہوتا۔ سبین ماڈرن لباس پہنے یا اپنا ایشیائی ___ اس پر ہر لباس سوٹ کرتا ہے"

"لیکن موقع اور مناسبت بھی تو دیکھنا ہوتی ہے" عمیر پھر چکا ___ "بائے گاڈ اس دن ہمارے ساتھ چکن کھاتے طباق گئیں۔ وہ شہر والا طباق۔ وہاں یہ شاندار جینز اور بلاؤز پہنا ہوا تھا۔ کہ لوگ مڑ مڑ کر دیکھتے تھے ___" عمیر نے کہا۔

"خیر مڑ مڑ کر تو اب بھی محترمہ کو لوگ دیکھ رہے ہیں" ذکی مسکرایا۔

"اوہیں" ماہ نور بولی "ہم کسی گنتی ہی میں نہیں تمہارے خیال میں ___" ماہ نور کی بات پر اک قہقہہ پڑا۔

سبین نے اپنے آپ کو مزید موضوع نہ بننے کے خیال سے جلدی سے ویٹر کو آنے کا اشارہ کیا ___

"کیا لو گے تم لوگ؟" اس نے عائشہ اور رضوان سے پوچھا

"جو تمہاری پسند منگوالو ___" عائشہ بولی

"یہاں کے چکن تکہ بہت لذیذ ہوتے ہیں" رضوان نے کہا۔

"تو حضرت آپ یہاں آتے رہتے ہیں" ریحان نے کہا

"کبھی کبھی ___" وہ بولا۔

"اوپر ہی آتے ہیں یا بیسمنٹ میں بھی تشریف فرما ہوتے ہیں" ذکی نے معنی خیز انداز میں کہا

"نہیں بھئی ___ ایسے ویسے شوق پالنے کی ضرورت ہی کہاں" رضوان نے کہا۔ تو عائشہ نے بڑے اعتماد سے اس کی طرف دیکھا۔

سبین نے ان دونوں کے لئے ویٹر کو آرڈر لکھوایا۔

"یس میڈم ___" ویٹر بولا۔

"باقی سب کا آرڈر دیا جاچکا ہے۔" مریم بولی "دیکھو اب سب کو اکٹھے ہی سرو کرنا"

"بہت بہتر جناب" ویٹر آرڈر لے کر چلا گیا۔

کوئی پونے بارہ سب کو کھانا سرو کیا گیا۔ اب ہال میں پہلے والا رش نہیں تھا۔ کئی میزیں خالی ہو چکی تھیں۔ تاہم ابھی بہت سے لوگ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اور سامنے رکھا کھانا آہستہ آہستہ کھا رہے تھے۔ جیسے وقت گزاری کر رہے ہوں۔ کبھی کبھی ان لوگوں کے بلند بانگ قہقہے فضا میں گونج جاتے۔ جو تیز اور جوشیلی موسیقی میں بھی بھرپور انداز میں سنائی دیتے۔

وہ بھی اپنی اپنی پسندیدہ ڈش پر جھکے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ ساتھ ساتھ باتیں

بھی ہو رہی تھیں۔ رضوان زیادہ تر مریم سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ بھی کمپیوٹر میں ایم ایس کرکے پچھلے سال واپس آیا تھا۔ سبین ماہ نور ذکی اور عمیر عائشہ کو اپنی ہاؤس جاب اور مریضوں اور وارڈون کے قصے سنا رہے تھے۔ عائشہ ان کی باتوں پر کبھی حیران ہوتی۔ کبھی ہنس پڑتی۔

ساڑھے بارہ بجے کھانا ختم ہوگیا۔ سب نے اپنی اپنی کوک کے آخری سپ لئے کلف شدہ نیپکن ٹیبل پر رکھے۔ اور گرم چھوٹے رول کئے ہوئے ٹاولز سے اپنے ہاتھ پونچھنے لگے۔

ریحان نے گھڑی دیکھتے ہوئے مریم کے ساتھ دوسرے ساتھیوں کو بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کیوں؟ کیوں" مریم نے شور مچادیا۔

"بہت لیٹ ہوگئے" ریحان نے انگریزی میں کہا ___ اور مریم کا کندھا تھپتھپایا۔

اٹھنے کا موڈ تو کسی کا بھی نہ تھا۔

لیکن

واقعی

کافی دیر ہو رہی تھی۔

مریم تو مطمئن تھی گھروالوں کو بتا کر آئی تھی۔ ماہ نور نے بھی ہاسٹل ڈراپ ہونا تھا۔

ہاں عائشہ قدرے فکر مند تھی۔

"آج مما خوب ڈانٹیں گے" وہ بولی۔

"تو جلدی آنا تھانا ___ جلدی آتیں جلدی اٹھ جاتے" سبین نے اسے مکہ دکھایا۔

"بس ہوگئی نا دیر" وہ بولی۔

"ابھی تو سب لبرٹی پان کھانے جائیں گے" سبین نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

"نہ بھئی" عائشہ جلدی سے بولی۔ "میں تو نہیں جاؤنگی پان کھانے" وہ سبین کی ہٹ دھرمی سے واقف تھی اس لئے گھبرا گئی۔

سبین ہنس پڑی۔

"تم ہنس سکتی ہو" عائشہ اٹھتے ہوئے کہا "تمہیں گھر کوئی پوچھنے والا نہیں نا"

ماہ نور جلدی سے بولی "لیکن اس کے تایا ___"

"چھوڑو انہیں" سبین بھی اٹھ کھڑی ہوئی "جانا کیسے ہے؟"

"مجھے تو کوئی ڈراپ کرے گا ہوسٹل" ماہ نور بھی اپنا ننھا سا بیگ لے کر اٹھی۔

"ریحان کہاں ہیں؟" مریم نے پوچھا۔

"ادھر گئے تھے۔ وہ۔ وہ آگئے ___" عمیر نے کہا۔

سب اٹھ کر کھڑے ہوگئے ___ ریحان نے کہا "آج کا کھانا میری طرف سے ___ میں پے کر آیا ہوں"

تھینکس تھینکس کی آوازیں آئیں ___ حالانکہ پہلے صلاح یہ ہوئی تھی۔ کہ سب پول کریں گے۔ بچت ہوگئی۔

"جا کیسے رہے ہیں۔ پان کا پروگرام کینسل؟" ذکی بولا ___

"تمہارے پاس گاڑی ہے تم ماہ نور کو ڈراپ کردو" سبین نے کہا۔ "پان وان نہیں کھائیں گے"

"میں ریحان کے ساتھ جاؤں گی" مریم اس کے قریب آگئی۔

"اور عائشہ رضوان کے ساتھ" سبین نے کہا۔

"ٹھیک" عائشہ بولی ___ "تمہارے پاس تو اپنی گاڑی ہے نا ___"

"بالکل ___" سبین نے جواب دیا۔

سب باتیں کرتے اور باری باری ریحان کا شکریہ ادا کرتے باہر نکل آئے۔ سب گاڑیوں کی طرف بڑھے خدا حافظ کے تبادلے ہوئے اور گاڑیاں پارکنگ لاٹ سے آگے پیچھے نکلنے لگیں۔

سبین اپنی ریڈ سوزوکی میں بیٹھ چکی تھی۔ وہ اکیلی تھی۔ لیکن اسے کوئی خاص ڈر خوف نہ تھا ___ قریب ہی تو جانا تھا ___ مریم اور ریحان بھی جی او آر جا رہے تھے۔

اس نے گاڑی ان کے پیچھے لگا دی ___ سڑک پر اب رش نہیں تھا۔ پھر بھی اکا دکا گاڑیاں آجا رہی تھیں ___ جبین کا گھر جی او آر سے پہلے آتا تھا۔

جبین گھر پہنچی تو صرف گیٹ کی بتی جل رہی تھی۔ سارا گھر تاریکی میں ڈوبا تھا۔ ہاں ساتھ والے تایا کے گھر کے ایک کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔ غالباً" تائی یہ دیکھنے کے لئے جاگ رہی تھیں۔ کہ وہ کب گھر واپس لوٹتی ہے۔

"ہونھ" اس نے بے آواز سی ہونھ کی اور گیٹ پر آکر دو تین بار ہارن دیا۔ چوکیدار اٹھ گیا اور آنکھیں ملتے ہوئے گیٹ کھول دیا۔

گاڑی پورچ میں روک کر اس نے بند کی۔ باہر نکلی اور کھلے دروازے سے اندر چلی گئی۔ اس کی آیا اور گھر کی دیرینہ ملازمہ فضیلت لاؤنج ہی میں قالین پر سو رہی تھی۔ دروازے بند کرکے وہ آگے بڑھ گئی۔

وہ اپنے کمرے میں آگئی ___ لباس تبدیل کئے بنا بیڈ پر آڑی لیٹ گئی۔ آج شام کی گیدرنگ سے اس نے بہت ساری خوشیاں کشید تھیں۔

لیکن

اکیلے اور سوتے گھر میں آکر وہ کچھ بجھ سی گئی تھی۔

وہ کچھ دیر ویسے ہی پڑی رہی۔ پھر لباس تبدیل کرنے کی غرض سے اٹھی۔ اور وارڈ روب کے سامنے جاکر کھڑی ہوگئی۔

اس نے اپنا لباس شب خوابی نکالا ___ جو ایک سادہ سی شلوار قمیض پر مشتمل تھا۔ کپڑے لے کر وہ باتھ روم کی طرف جارہی تھی۔ کہ پردے کی ہلکی سے درز سے اسے تائی کے کمرے کی وہ کھڑکی نظر آئی ___ جس میں بتی جل رہی تھی اور روشنی باہر آرہی تھی۔

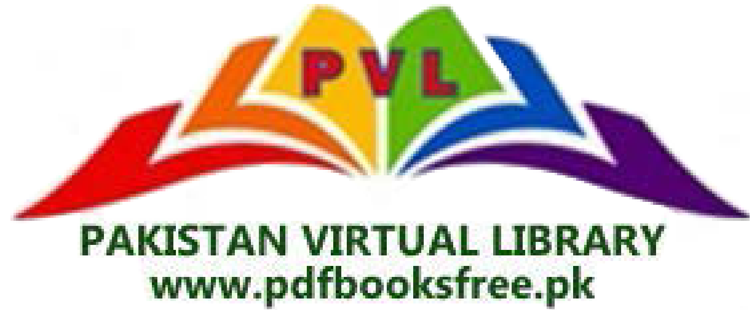
"خوب بک جھک رہی ہونگی ___ " جبین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تیر گئی۔

پھر اس نے تائی کی آواز بناتے ہوئے خود سے کہا "آوارہ ہوگئی ہے یہ لڑکی۔ بھلا یہ وقت ہے اکیلی لڑکی کے گھر آنے کا ___ "

اپنی بات پر وہ تمسخر سے ہنس پڑی ___ "واہ تائی۔ جلو اور خوب جلو۔ اپنا تو یہی معمول رہے گا ___ "

وہ باتھ روم میں گھس گئی۔ اس کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔ اور آنکھیں چمک رہی تھیں ___ تائی کو ذہنی اذیت دے کر وہ بہت خوش تھی۔

○ ○ ○



سورج طلوع ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ اب تو صبح کی ٹھنڈی دھوپ میں کافی تیزی اور تپش آگئی تھی۔ ہوا بھی خنک نہیں رہی تھی۔ دوپہر تو نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس کے ہونے میں کوئی زیادہ وقت بھی نہیں تھا۔

وہ اب تک اپنے بیڈ میں نرم خوبصورت کمبل میں لپٹی پڑی بے خبر سو رہی تھی۔ خوبصورتی سے آراستہ کمرے کی فرانسیسی طرز کی کھڑکیوں کے آگے پردے تنے تھے۔ اس لئے باہر کی فضا کمرے پر اثر انداز نہ تھی اور نہ ہی دھوپ کی تمازت کا پتہ چلتا تھا۔ کمرے میں ابھی بھی ٹھنڈک کا اثر تھا۔

کمرے کی سجاوٹ میں اس کے حسن ذوق کا خاصہ دخل تھا۔ پنک اور میرون رنگ کے کمبی نیشن کی دیدہ زیبی عیاں تھی۔ بیڈ پر پنک چادر تھی۔ پنک تکئے تھے۔ اور پنک موزوں رنگوں والا پھولدار کمبل تھا ـــ سائیڈ ٹیبلز پر نفیس لیمپ تھے۔ ان کے میرون شیڈز پر سنہری دھاریاں تھیں ـــ

بیڈ کے ایک طرف دو صوفہ نما کرسیاں تھیں۔ ان کا پھولدار کپڑا پردوں والا ہی تھا۔ سامنے سنٹر ٹیبل تھی۔ جس پر ایک کرسٹل کے واز میں پھول سجے تھے۔ پھول شاید دو چار دن پہلے رکھے گئے تھے۔ اس لئے کونپلیں کھل گئی تھیں ـــ اور کھلے پھولوں کی پتیاں ایک ایک کرکے گر رہی تھیں۔ یوں پہلے سے کھلے پھول بکھر رہے تھے۔ پتیاں میز کی شیشے کی سطح پر یہاں وہاں گری ہوئی تھیں۔

دوسری دیوار کے ساتھ اس کی ڈائننگ ٹیبل تھی۔ جس کے سامنے اونچی پشت والی گدے دار کرسی پڑی تھی۔ میز کے اوپر دیوار کے ساتھ ریک لگا تھا۔ جس میں اس کی میڈیکل کی موٹی موٹی کتابیں پڑی تھیں ـ کرسی کی پشت پر اس کا اوور آل تھا۔ جسے

فضیلت اٹھانا بھول گئی تھی۔ کیونکہ اس کے کمرے کی صفائی و ترتیب وہی کیا کرتی تھی۔

دو دیواروں پر بڑی خوبصورت اور پرانی پینٹنگز نئے فریموں میں آویزاں تھیں۔ ایک دیوار پر اس کے ماں باپ کی تصویر تھی۔ دادو کی تصویر بھی لگی ہوئی تھی اس کی اپنی دو تصویریں سنہری نازک فریموں میں لگی تھی۔ ایک سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی۔ دوسری رائیٹنگ ٹیبل کے ایک کونے میں ـــ کمرے کے فرش پر موٹا پنک کارپٹ تھا ـــ کمرے کی وسطی دیوار کے ساتھ کانسی کا ایک مجسمہ تھا۔ جس کے سر پر پھولوں کی ٹوکری تھی۔ ایک دو گملے بھی تازہ سرسبز پودوں والے کونوں میں رکھے تھے۔ کمرے کی آرائش و زیبائش سے مکین کے حسن ذوق اور مالی آسودگی کا بھی پتہ چلتا تھا۔

دیوار پر لگی سنہری گھڑی پر سوئیاں بارہ کی طرف کھسک رہی تھیں

لیکن

وہ ابھی تک بے خبر سوئی ہوئی تھی۔ اس نے منہ تکئے میں دے رکھا تھا ـــ اور اس کے خوبصورت ریشمی بال کچھ تکئے پر تھے کچھ پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔

وہ

شاید محو خواب رہتی

لیکن

دروازہ آہستگی سے کھلا اور فضیلت اندر داخل ہوئی۔

دروازہ رات وہ بند کرکے سوتی تھی۔ لیکن علی الصبح جب وہ باتھ روم جانے کے لئے اٹھتی تو لاک کھول دیا کرتی تھی۔ وہ صبح کی نماز پڑھنے کی شروع سے عادی تھی۔ نماز پڑھ کر وہ دن بخیرو خوبی گزرنے کی دعا کبھی نہ بھولتی ـــ اس کے بعد اکثر باقی کی نمازیں گول کر جاتی ـــ صبح کی نماز کی وہ عادی تھی ـــ کبھی آنکھ نہ کھلتی اور نماز قضا ہو جاتی تو اسے بڑا افسوس ہوتا ـــ نماز ہی کے لئے اٹھتی تو دروازے کا لاک کھول دیا کرتی تھی۔ فضیلت نے اندر آنا ہوتا تھا۔ اور اسے بھی ہوسپٹل جانے کی تیاری کے لئے اس کی ضرورت ہوتی تھی۔ چھٹی کے دن فضیلت صبح کے وقت اندر نہیں آتی تھی۔

سیمن

وہ حسب عادت دروازہ کھول کر سو جایا کرتی تھی۔

فضیلت اندر آئی۔ اسے بے خبر سوتے دیکھ کر جی تو چاہا کہ واپس چلی جائے۔ لیکن اتنا دن چڑھ آیا تھا۔ اب تو اسے اٹھ جانا چاہئے تھا۔ بے شک وہ رات بہت دیر سے آئی تھی۔ لیکن اب تک تو نیند پوری طرح نکال ہی لی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ بیڈ کے قریب آئی۔

فضیلت اس گھر کی پرانی نوکرانی تھی۔ شریف اور قابل اعتماد تھی۔ اس کے تینوں بچے اس گھر میں پلے بڑھے تھے بیٹی کا بیاہ بھی یہیں ہوا تھا۔ اور دونوں بیٹے بھی بڑے صاحب نے اپنی زندگی میں کام پر لگا دیے تھے۔ اب ان کی بھی شادیاں ہو چکی تھیں اور وہ اپنے اپنے گھروں میں رہتے تھے۔

فضیلت اور اس کا خاوند بڑے صاحب کی فوتیدگی کے بعد بھی یہیں رہا تھا۔ پچھلے برس اس کا خاوند فوت ہو گیا تھا۔ وہ اب بھی اس خاندان کی خدمت کر رہی تھی۔ اب یہاں رہا ہی کون تھا۔

ایک اکیلی سیمن!

وہ ہمہ وقت اس کی خدمت اسی کے کام اور اسی کی دیکھ بھال میں مصروف رہتی تھی۔ رحمان بابا بھی گھر کا پرانا چوکیدار تھا ___ دونوں سیمن کے خیر خواہ تھے۔

فضیلت اپنی پھولدار وائل کی چادر ٹھیک سے اوڑھتے ہوئے اس پر جھک گئی اور اس کے کندھے پر آہستگی سے ہاتھ رکھتے ہوئے مادرانہ شفقت سے بولی "بیٹا ___ اٹھ بھی چکو۔ اب تو کافی سو لیا ___ بارہ بجنے کو ہیں ___"

سیمن نے کروٹ بدلی نیند میں مدماتی سرخ سرخ آنکھوں سے فضیلت کو دیکھا اور بڑبڑائی "کیوں جگا دیا اماں"

"بیٹے آج جمعہ ہے" وہ سیدھی ہوتے ہوئے بولی

"پتہ ہے" سیمن نے لاپرواہی سے کہا اور کروٹ بدل لی۔ اس نے منہ اپنے تکیے پر

رکھے بازو میں چھپالیا۔

فضیلت چند لمحے کھڑی رہی۔

پھر

اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی "اٹھ جاؤ بیٹا ___ تمہیں پتہ تو ہے آج تائی اماں کے گھر دعوت ہے ___ بہت سی گاڑیاں تو آ بھی چکی ہیں۔ تمہاری پھپھو ریحانہ اور ان کے بچے تو کب کے آ گئے ہیں ___ تم بھی اٹھو ___ ابھی تیار بھی ہونا ہے۔ کچھ تھوڑا ناشتہ بھی کر لو ___ ایک بجے تو ادھر چلی جاؤ ___"

"چلی جاؤں گی" وہ جھلاہٹ سے بولی ___ "جب جی چاہے گا"

"نہ بیٹے ___ ایک بجے تک تو ضرور جانا۔ ورنہ پتہ ہے نا تائی کا۔ کتنی باتیں بنائیں گی انہیں ہمیشہ یہی گلہ ہوتا ہے کہ ہمسائے میں ہو کر تم دیر سے پہنچتی ہو ___"

"گلہ نہیں اماں اعتراض ہوتا ہے" سیمن نے کمبل سینے سے ہٹا کر پرے کر دیا اور بالوں کو انگلیوں سے سلجھاتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

اس نے ایک طویل انگڑائی لی۔ اس کا خوبصورت اور پرکشش جسم پھیلا اور سمٹ گیا کوئی شاعر دیکھتا تو اس انگڑائی کو قیامت جاگ جانے سے تشبیہ دیتا

وہ اٹھنے کو ہوئی۔

تو

فضیلت نے جھک کر اس کے سلیپر اکٹھے کر کے پاؤں تلے رکھ دیے

وہ بالوں کو سلجھاتی سلیپر پہن کر باتھ روم کی طرف بڑھی۔

"ناشتہ کرو گی" فضیلت نے پوچھا

"ہاں"

"کیا لو گی بیٹا ___"

"آں" وہ باتھ روم میں گھسنے سے پہلے رکی۔ سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور بولی۔ "بسکٹ اور ایک کپ کافی ___"

"بہت اچھا۔ تم ڈائننگ روم میں آجانا۔ میں کافی بناتی ہوں"

"بس آجاتی ہوں ___"

وہ باتھ روم میں گھس گئی۔ اور فضیلت کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ فارغ ہو کر کمرے میں آئی۔ الماری کھولی۔ آج کے لئے جو ڈریس نکالنا تھا۔ وہ ہینگر ہٹا ہٹا کر دیکھنے لگی۔

پھر

اس نے الماری بند کر دی "ایسی بھی کیا جلدی ہے"

وہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

فضیلت نے بڑی سی ٹیبل کے ایک کنارے پر ٹیبل میٹ ڈال کر اس پر کافی کا مگ اور بسکٹ رکھے ہوئے تھے۔ ٹشو پیپر کا ڈبہ بھی قریب ہی پڑا تھا۔ لیکن بیبن اکثر کلف شدہ استری کئے ہوئے نیپکن پسند کرتی تھی۔ ٹیبل میٹ کا ہمرنگ نیپکن بھی اس نے ساتھ ہی رکھا ہوا تھا۔

"کون کون آچکا ہے اماں" اس نے مگ اٹھاتے ہوئے فضیلت سے پوچھا۔

"تمہاری پھپھو اور ان کی بیٹیاں تو آئی ہوئی ہیں ___؟"

"اور؟"

"شاید تمہاری تائی کی بہن شبانہ بھی آگئی ہے۔ اس کے چھوٹے بیٹے کو لان میں میر نے دیکھا تھا۔"

"ہوں"

"شاید عامرہ بھی آگئی ہو"

"ہوں" اس نے سر یونہی ہلا دیا اور مزے سے کافی کا گھونٹ حلق کے اندر اتار لی۔

"اب تم بھی جلدی سے تیار ہو جاؤ ___"

"ہو جاؤں گی"

"نہ بیٹا۔ جب جانا ہی ہے تو وقت پر پہنچو ___"

"آں پہنچ جاؤں گی نا۔ کیا سر کھا رہی ہو اماں ___ آج تو اپنا موڈ سارا دن سونے کا تھا ایک تو جگا دیا اس پر اب وہاں جانے کی بھی افراتفری ڈال رہی ہو ___"

"بیٹا" فضیلت پیار سے بولی "میں نہیں چاہتی ___ وہ تمہیں موضوع بنا کر باتیں کریں"

بیبن کھلکھلا کر ہنس پڑی ___ جب ہنسی رکی تو فضیلت کو دیکھ کر بولی" جلدی چلی جاؤں گی تو کیا وہ لوگ باتیں نہیں بنائیں گے ___ واہ ___ اماں ___"

فضیلت چپ ہو گئی۔

بیبن بولی "انہیں دل کی بھڑاس نکال ہی لینے دو ___ دل ہلکے کرلیں تو پھر میں جاؤں گی۔"

وہ کافی پینے لگی۔

فضیلت اس لڑکی کی یہ منطق نہ سمجھ سکی۔ یوں ہی سر ہلاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی اسے بیبن کا بیڈ بھی بنانا تھا اور کمرہ بھی ٹھیک ٹھاک کرنا تھا۔

بیبن آہستہ آہستہ کافی کے سپ لے رہی تھی۔ کبھی بسکٹ کو دانتوں سے کاٹ لیتی۔ اسے ذرہ بھر پروا نہ تھی۔ کہ اسے تائی کے گھر کھانے پر جانا ہے اور اسے وقت پر پہنچنا چاہیے۔

وہ ہمیشہ ہی لیٹ جایا کرتی تھی۔

دراصل اسے ایسی خاندانی تقریبات اور معاملات میں کوئی دلچسپی ہی نہ تھی۔

اس خاندان کا معمول تھا۔ کہ ہر جمعہ کو سب اکٹھے ہوتے تھے۔ کھانا ہوتا تھا اور محفل جمتی تھی۔ کبھی کھانا تائی کے ہاں ہوتا کبھی پھپھو کے ہاں عامرہ۔ عمرانہ اور شبانہ بھی کسی کسی جمعہ کو سب کو مدعو کر لیا کرتی تھیں۔ تائی اور پھپھو تو باقاعدگی سے باری باری جمعہ کی دوپہر یہ محفل جمایا کرتی تھیں۔ پیسے والے لوگ تھے۔ دعوتیں شاندار ہوا کرتی تھیں ___ ہفتہ بھر کی انھی کی ہوئی باتیں ہوتی تھیں ___ بڑے بچوں کے مستقبل کا

سوچتے۔ کوئی رشتے ناطے زیر بحث آتے۔ سب کے بچے بھی آپس میں ملتے تھے۔ کوئی اپنی پڑھائی کے مسائل ڈسکس کرتا۔ کوئی پروفیشن کی باتیں کرتا ___ سب کے بچے تقریباً جوان ہی تھے۔ کسی نے ایم بی اے کر کے نوکری شروع کر دی تھی۔ کوئی انجینئرنگ کر رہا تھا۔ کسی نے بی سی ایس میں داخلہ لے رکھا تھا۔ کوئی ڈاکٹر بن گیا تھا۔ کوئی اس کی تیاری کر رہا تھا۔ پھپھو عاصمہ کی کنال پر بڑی سے کوٹھی تھی۔ پھوپھا گریڈ بائیس کے افسر تھے۔ ویسے بھی خاندانی امیر تھے۔ ان کی بڑی بیٹی سعدیہ کی شادی ہو چکی تھی ___ دو خوبصورت بچیوں کی ماں تھی۔ دوسری بیٹی ثمن تھی۔ جو ثمین سے سال بھر چھوٹی تھی۔ لیکن ثمین سے اس کی مخلصانہ دوستی تھی۔ بے تکلف بھی تھی۔ طیب پھپھو کے بڑے بیٹے تھے۔ اس سے کافی بڑے تھے۔ بنک میں ایریا منیجر تھے۔ چھوٹا اسماعیل ایف ایس سی کر رہا تھا۔

تایا عثمان کے بھی چار ہی بچے تھے۔ ملو بڑے بیٹے تھے۔ باہر سے ایم بی اے کر کے آئے تھے۔ فریحہ ان سے چھوٹی تھی۔ بی اے کر چکی تھی۔ آج کل سہیلیوں سے دوستی نباہ رہی تھی۔ صبیحہ اس سے دو سال چھوٹی تھی تھرڈ ایئر میں پڑھتی تھی۔ نذر نے میٹرک کا امتحان دے رکھا تھا۔

عامرہ عمرانہ ان کی کزن تھیں ___ ملنا ملانا رہتا تھا۔ تائی چونکہ خاندان کی بڑی عورت تھیں۔ اس لئے اپنے سارے مسئلے مسائل وہ ان کو بتاتیں اور مشورے لیا کرتی تھیں ان کے بچے بھی تعلیمی مدارج طے کر رہے تھے۔ شبانہ تائی ریحانہ کی بہن تھی۔ دو چار کوٹھیاں چھوڑ کر اس کی کوٹھی تھی۔ اس لئے اس خاندان میں اس کا دخل و خیل زیادہ ہی تھا۔

ثمین کو دادا ہی نے پالا پوسا تھا۔ اس کے ابو تایا عثمان سے دوسرے نمبر پر تھے ا بہت چھوٹی تھی۔ جب اس کے امی ابو کا ایک کار ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا تھا ___ تب سے اس کی پرورش کا ذمہ دادا نے لے لیا تھا ___ دادا بہت ہی شفیق اور بڑے پیار کرنے والے انسان تھے ___ وہ نہ ہوتے تو اس خاندان میں اسے محبتیں دینے وا

شاید کوئی نہ تھا۔ اس کی پرورش ہو سکتا ہے یتیم خانے ہی میں ہوتی۔ اس کا بڑا بھائی عمر تھا۔ لیکن مدتوں سے وہ امریکہ میں تھا۔ اس کی خبر سالوں بعد کبھی ایک آدھ فون کر کے لے لیا کرتا تھا۔ اس سے زیادہ اس کا اس سے یا خاندان کے کسی اور فرد سے رابطہ نہیں تھا۔ وہ نہ ہونے کے برابر ہی تھا۔

اس خاندان میں اپنی حیثیت کا یقین وہ کبھی نہ کر سکی۔ کوئی بھی اسے اچھی نظر سے نہ دیکھتا تھا۔ تایا بالکل لاپرواہ تھے اس کی ذات سے۔ تائی پیٹھ پیچھے اس کی برائیاں کرنے میں یکتا تھیں۔ پھپھو بھی ان کی ہمنوا تھی۔ پہلے تو اسے کچھ خاص پتہ نہ تھا۔ کہ اس کے متعلق ان کے خیالات کیا ہیں۔ صرف سرد مہری ہی کو محسوس کرتی تھی۔

لیکن

ایک دفعہ جب وہ تائی کے گھر کھانے کے لئے گئی تھی۔ تو لاؤنج کے باہر ہی رک گئی تھی۔ اس کی ذات زیر بحث تھی۔

"پتہ نہیں یہ لڑکی کیا گل کھلائے گی۔ پتہ ہے کل رات اس نے اپنے گھر پانچ چھ لڑکوں کو دعوت پہ بلایا ہوا تھا"

"لڑکوں کو" پھپھو کی آواز حیرت زدہ تھی۔

"امی چار پانچ لڑکیاں بھی تو تھیں ___" صبیحہ نے جلدی سے کہا تھا۔

"اے ہٹ ___ لڑکوں سے اتنا فری ہونا کہاں لکھا ہے ___ لڑکے بھی تو تھے۔ رات بارہ بجے تک یہاں ہی تھے ___"

"اللہ توبہ ___ دراصل ابا جان ہی نے اسے لاڈ و پیار میں خراب کیا"

"اب تو ہاتھ آنے کی نہیں۔ پتہ نہیں کہاں کہاں جاتی آتی ہے۔ آوارہ کہیں کی"

"توبہ اماں"

"تو چپ رہ ___"

ثمین نے کافی کا خالی مگ میز پر رکھ دیا تھا۔ لیکن اس کے ذہن میں یہ اور ایسی ہی

باتیں اُچھال مچا رہی تھیں ___

وہ جانتی تھی۔ آج بھی سب اکٹھے ہیں۔ تو ان کا غیبت سیشن جاری ہوگا۔ اور زیر بحث اس کی ذات ہوگی۔

"بہت بگڑ چکی ہے یہ لڑکی"

"کسی کا ڈر خوف تو ہے ہی نہیں ___"

"لڑکوں سے دوستی ہے اس کی"

"اللہ جانے کیا کچھ کرتی پھرتی ہے"

سب ایسی ایسی باتیں ہی کررہے ہونگے۔ تائی اور پھپھو تو ایک طرف شبانہ آنٹی عمرانہ باجی عامرہ اور دوسری خواتین بھی ان باتوں میں شریک ہوں گی۔

نبین اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنے کمرے میں آکر اس نے آج کے لئے لباس منتخب کرنے کو الماری کھولی۔ جینز اور کڑھائی والے کرتے کی طرف اس کے ہاتھ آپوں آپ بڑھ گئے۔ وہ جانتی تھی۔ اس کا یہ لباس وہاں کسی کو پسند نہیں ہوگا۔

وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کا ذہن سوچوں کی آماجگاہ تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ سب کا اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں ہے ___ کیوں اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ دادا فوت ہوگئے تھے تو پھپھو یا تائی نے کیوں اسے اپنے ساتھ رکھنے پر اصرار نہیں کیا تھا۔ اکیلی لڑکی کو صرف چوکیدار اور اماں فضیلت کی نگرانی میں چھوڑ دیا تھا۔ تائی کو تو اس نے کہتے ہوئے بھی سنا تھا "کونسا دور ہے۔ ایک ہی گھر تو ہے ہمارا اور اس کا درمیانی دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ بس اسی گھر میں سمجھو رہ رہی ہے ___"

وہ ان دنوں میڈیکل کے سیکنڈ ایئر میں تھی۔ عام لڑکیوں کی طرح۔ ڈرپوک بھی اور قدرے بزدل بھی۔ راتوں کو اسے اکیلے میں بہت ڈر لگا کرتا تھا۔ حالانکہ اپنے کمرے میں وہ شروع ہی سے اکیلی رہا کرتی تھی ___ لیکن تایا تائی یا پھپھو نے کبھی نہیں پوچھا تھا۔ کہ اکیلے گھر میں رہتے ہوئے ڈرتی تو نہیں ہو ___

وہ کالج جاتی۔ وقت بے وقت واپس آتا ہوتا۔ ایک دفعہ اسے یاد تھا۔ کہ اس کی بس

مس ہوگئی تھی۔ تو اس نے تایا کو فون کیا تھا "کوئی مجھے لینے آجائے۔"

"بھئی کون فارغ بیٹھا ہے۔ آجاؤ کسی طرح ___" تایا نے جواب دیا تھا۔

وہ مایوس ہوگئی تھی ___ کوئی لڑکی اس کے گھر کی طرف جانے والی نہ تھی۔

اس دن پہلی دفعہ اس نے اپنے ایک کلاس فیلو ہاشم سے لفٹ لی تھی۔ وہ رہتا تو گلبرگ میں تھا۔ لیکن اسے چھوڑنے بطور خاص ادھر آیا تھا ___

تب اس کی جھجک دور ہوگئی تھی۔ جب بھی ضرورت ہوتی وہ اپنے کسی نہ کسی کلاس فیلو اور کبھی کبھی لیکچرز سے بھی لفٹ لے لیا کرتی۔ یوں وہ لڑکوں سے بے تکلف ہوتی گئی۔ کسی نے نہ روکا نہ ٹوکا ___ دھیان ہی نہیں دیا۔ یہاں پیٹھ پیچھے برائیاں ہوتی رہیں۔

وقت کے ساتھ ساتھ اس کا حلقہ احباب پھیلتا گیا ___ اس کی شخصیت اس کے فرینڈز میں بڑی پسندیدہ تھی۔ لڑکے لڑکیوں کے گروپ بنے ہوئے تھے۔ وہ بھی ایک ایسے ہی گروپ میں شامل ہوگئی۔

بعض دوستوں نے ایسے مکس گیدرنگ میں بلایا۔ ہوٹلوں میں دعوتوں کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ وہ ڈرتے ڈرتے شریک ہوئی ___ لیکن گھر پر اس سے کسی نے استفسار نہیں کیا۔ کہ وہ کہاں گئی تھی اور کہاں سے آئی ہے ___ آہستہ آہستہ اس کا یہ ڈر بھی ختم ہوگیا۔ وہ کھلے بندوں اپنے دوست لڑکیوں اور لڑکوں سے ملنے لگی ___ کھانے کے لئے ہوٹلوں ریسٹورانوں میں جانے لگی۔ اس نے اپنے گروپ کو گھر پر بھی بلانا شروع کر دیا ___ لیکن کسی نے پوچھا نہیں روکا نہیں ___ اس لئے وہ بھی نڈر اور بے خوف ہوگئی۔

سب اپنی اپنی جگہ مصروف تھے۔ وہ اکیلی تھی۔

اس لئے وہ اپنی مصروفیات کی خود ہی ذمہ دار تھی۔

خاندان کی نئی نسل قدرے روشن خیال تھی ___ بہت سے کزنز کے ساتھ اس کی بے تکلفی تھی لیکن قربت نہ تھی ___ وہ لوگ بھی نئی تہذیب کے دلدادہ تھے۔ لڑکیاں فیشن ایبل تھیں بیوٹی پارلرز سے بال کٹواتی تھیں ___ میک اپ کرتی تھیں۔ نئی طرز

کے لباس پہنتی تھیں۔ لیکن حد کے اندر تھیں۔ جدید لباسوں میں بوتیکوں کے سلے کپڑے شامل تھے۔ ٹائٹ پینٹس اور جینز ابھی لڑکیوں نے نہ پہنی تھی۔ جدیدیت کے باوجود ان پر ابھی بزرگوں کی تہذیب اور رکھ رکھاؤ کا اثر تھا۔ یہی حال لڑکوں کا بھی تھا۔ گو باہر کسی کسی نے لڑکیوں سے دوستیاں بھی کر رکھی تھیں۔ لیکن اس کی ہوا بھی گھر والوں کو لگنے نہ دیتے تھے۔ بڑوں کا خوف اعصاب پر حاوی تھا۔

ثمین اپنے ان کزنز سے گپ شپ لگا لیا کرتی تھی۔ وہ اسے ناپسند بھی نہیں کرتے تھے۔ اس کی باتیں خوب انجوائے بھی کرتے تھے ـــــ

وہ بے دلی سے اٹھی ـــــ اور تیار ہونے لگی ـــــ جانتی تھی تائی کے گھر اس کی ذات پر تبصرے ہو رہے ہونگے۔ دل کھول کر برائیاں کی جارہی ہونگی ـــــ اسے گندے گندے القابات سے نوازا جاتا ہوگا۔

لیکن

پھر بھی ادھر جانا تو تھا۔ طیب بھائی ثمن اور طلحہ سے گپ شپ لگا کر ذہن کو سکون دیا جاسکتا تھا۔

وہ نہا دھو کر کپڑے بدل کر آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

وہ اس گھر میں اکیلی رہتی تھی۔ کوئی روک ٹوک اور پابندی نہ تھی۔ وہ شتر بے مہار بلاشبہ ہو چکی تھی۔ فرینڈز کے ساتھ دعوتیں اڑانا پکنکیں منانا۔ ڈانس پارٹیز میں شریک ہونا۔ سینما کے لیٹ شوز دیکھنا اس کے لئے بڑی بات تھی نہ بری۔ وہ خوب انجوائے کرتی تھی۔ اسے بے انتہا خوشی ملتی تھی اور اکیلے ہونے کا کبھی احساس نہ ہوتا تھا۔

"ہونہہ" اس نے آئینے میں اپنے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے نفرت سے ہنکارا!

"جب ان لوگوں کو میری پرواہ نہیں اور مجھ پر آوارگی کا لیبل لگا ہی چکے ہیں تو میں ان کی پرواہ کیوں کروں ـــــ"

اس نے اپنی خوبصورت آنکھوں پر کالی پنسل پھیلاتے ہوئے خود سے کہا ـــــ

اس کا میک اپ کرنے کا موڈ بن رہا تھا ـــــ

وہ ذہنی الجھاؤ کے ساتھ ساتھ نفاست کے ساتھ میک اپ کرنے بھی مصروف تھی۔

اسے خاندان والوں کی باتوں سے کوئی غرض نہ تھی۔

اسے غرض تھی

تو

صرف اپنے فرینڈز سے

اچھے ملبوسات سے

اور

اپنے پروفیشن سے

وہ کتنی لاپرواہ سہی کتنی ماڈ سکوڈ سہی۔ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے وہ انتہائی ذمہ دار تھی۔ لگن اور محنت سے کام کرنے والی اپنے اساتذہ کی پسندیدہ اور اپنے مریضوں کی اچھی مسیحا تھی۔ اپنے کولیگز کے ساتھ اس کا رویہ دوستانہ اور مشفق تھا۔ ہر ایک کی مدد کے لئے ہمہ وقت کمربستہ رہتی تھی۔ ہسپتال میں وہ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے خاصی مشہور اور مقبول تھی۔

لیکن

وہ جانتی تھی۔ کہ بہ حیثیت لڑکی یہاں بھی اسے بنظر احسن نہ دیکھا جاتا تھا۔

اس کی اسے ذرہ برابر پرواہ نہ تھی۔

وہ جو تھی ـــــ اپنے آپ کو اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ آج تک کسی غیر اخلاقی اور غیر قانونی حرکت کی مرتکب نہ ہوئی تھی۔ ہاں اپنے آپ کو خوشی و سکون دینے کے لئے اس نے جو راہیں اپنا رکھی تھیں وہ اس کے طبقے میں کسی حد تک اچھی نہ سمجھی جاتی تھیں

لیکن

اسے کسی بات کی پرواہ نہ تھی ـــــ

مادر پدر آزاد تھی

اور

آزادی۔

کو خوب انجوائے کر رہی تھی۔

اس نے خوبصورتی سے میک اپ کیا۔ اس کے حسن کو چار چاند لگ گئے ___

کڑھائی والا ڈھیلا سا کرتا اور جینز پہن کر وہ بیحد سمارٹ لگنے لگی ___

اس نے اپنا پسندیدہ پرفیوم سپرے کیا۔ بالوں کو انگلیوں سے ٹھیک کیا اور تن کر کھڑی

ہو گئی

اب وہ تائی کے گھر جانے کے لئے تیار تھی ___

اماں فضیلت اسے بلانے کے لئے تیسری بار آئی تو وہ تیار کھڑی تھی۔

"کیسی لگ رہی ہوں اماں" وہ فضیلت کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"بیٹی" فضیلت ہچکچائی

"ہوں"

"چنا ہوا دوپٹہ کندھوں پر ڈال لو ___ سب آئے ہوئے ہیں"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی ___ پھر بولی "کہو تو بیڈ کور اوڑھ کر چلی جاؤں"

"تم ہر بات مذاق میں نہ اڑایا کرو بیٹا ___ وہ لوگ ___"

"باتیں بنائیں گے"

"ہاں ___"

"اسی لئے تو میں اس لباس میں جا رہی ہوں ___ باتیں تو انہوں نے ویسے بھی بنا

ہیں۔ بناتے رہیں ___ مجھے پرواہ نہیں ___"

اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ فضیلت چپ ہو گئی۔

ثمین نے جوتے پہنے ایک بار پھر اپنا جائزہ لیا اور تائی کے گھر جانے کے لئے کمرے

سے نکل گئی ___

وہ ذہنی طور پر تیار ہو کر آئی تھی۔ کہ تائی کے گھر اس کی ذات زیر تبصرہ ہوگی وہ چند

لمبے لاؤنج کے باہر ان کی باتیں سننے کے لئے رکی تھی۔

لیکن

آج خلاف توقع اس کی باتیں نہ ہو رہی تھیں۔ بلکہ طیب بھائی کا رشتہ ڈسکس ہو رہا

تھا۔

وہ بے دھڑک اندر داخل ہوئی ___ سب کو سلام کیا کزنز کو ہیلو ہیلو کہتے ہوئے وہ

ثمن کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"کیسی ہو ثمین" سعدیہ نے خوشدلی سے پوچھا

"جی شکریہ" وہ بولی۔ "آپ سنائیں ___ آپ کی وہ ڈولز کہاں ہیں"

ثمین سعدیہ کی بچیوں کو ڈولز ہی کہتی تھی۔

"باہر کھیل رہی ہیں" سعدیہ نے جواب دیا۔

ثمن نے بڑے تپاک سے ثمین کا حال پوچھا اور تعریفی انداز میں بولی "کتنی اچھی لگ

رہی ہو ثمین۔ یہ ڈریس تم پر بہت سجا ہے"

ثمین مسکرا کر ہولے سے بولی "تائی اماں یا پھپھو کے سامنے یہ بات مت کہنا"

"وہ آج ادھر متوجہ نہیں ہونگی"

"کیوں آج کیا بات ہے"

"تمہیں پتہ نہیں" فریحہ جو اس کے دائیں طرف بیٹھی تھی جلدی سے بولی۔

"کیا؟" ثمین نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔

"طیب بھائی کی ہاں ہو گئی" ثمن نے کہا۔

"واقعی؟"۔

"ہاں۔"

"کب۔"

"کل۔"

"وہیں؟ کیا نام تھا اس کا؟"

"ثمرینہ ___"

"بڑی پیاری لڑکی ہے"

جبین یہ بات کہتے ہوئے اٹھی اور پھپھو کے پہلو میں آکر بیٹھتے ہوئے ان کے گلے میں بازو ڈال کر ان کے گال پر جذبات سے عاری بوسہ دیتے ہوئے بولی "مبارک ہو پھپھو"

"جیتی رہو" پھپھو نے بھی واجبی سا پیار کیا۔

"طیب بھائی کہاں ہیں ___؟" وہ بولی۔

دوسرے کمرے میں طلحہ اور اسماعیل کے ساتھ گپ شپ لگا رہا تھا۔

جبین دوسرے کمرے میں نہیں گئی ___ ثمن ہی کے پاس آبیٹھی ___

ثمن بولی "باقاعدہ منگنی ہو رہی ہے ___۔"

"کب؟" جبین نے پوچھا

"اس بدھ کی رات کو ___ بڑا مزہ آئے گا۔ خوب ہلا گلا کریں گے"

جبین کے چہرے پر سوچ پھیل گئی ___ پھر بولی "اس بدھ کو"

"ہاں" سعدیہ نے کہا

"لیکن ___" جبین نے کہا۔

"لیکن کیا؟" تقریباً سبھی لڑکیوں نے پوچھا۔

"بدھ کو تو میں کراچی جا رہی ہوں ___ میری دوست فائزہ کی شادی ہے۔ فائزہ مائیگریٹ کر کے کراچی چلی گئی تھی۔ ثمن تم تو اسے جانتی ہو؟"

"ہاں" ثمن بولی۔

"کیا تم کراچی جاؤ گی؟" صبیحہ نے پوچھا

"ہاں" جبین نے اونچی آواز میں کراچی جانے کا کہا تھا۔ تاکہ خواتین خاص کر تائی اور پھپھو بھی سن لیں۔ سب واقعی اس کی طرف متعجب ہو کر دیکھ رہی تھیں۔

"اکیلی جاؤ گی" ثمن حیرانگی سے بولی

"نہیں۔ ہم چار فرینڈز جا رہی ہیں۔ ریلوے کی بکنگ بھی ہو گئی" جبین نے کہا "مریم ماہ نور اور عائشہ ___"

اس نے اپنی فرینڈز کے نام بتائے۔ انہیں سعدیہ ثمن اور فریحہ صبیحہ جانتی تھیں۔ اس نے اک نگاہ تائی اور پھپھو پر ڈالی۔

وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسری کو معنی خیز اشارے کر رہی تھیں ___

وہ جانتی تھی اس کی بات کا رد عمل بھی ہو گا۔ منہ پر تو اسے کوئی کچھ نہ کہے گا منگنی کے لئے رک جانے پر کوئی اصرار بھی نہیں کرے گا۔

لیکن

بعد میں خوب باتیں بنائیں گے۔

مگر

اسے

حسب عادت

کسی کی

ذرہ بھر بھی پرواہ نہ تھی۔

○ ○ ○

نو بج رہے تھے۔

وہ حسب معمول دیر سے ہوسپٹل پہنچی۔ بھاگم بھاگ اپنے وارڈ کی طرف گئی۔ راؤنڈ شروع ہو چکا تھا۔

پروفیسر قیوم وقت کے بہت پابند تھے۔ اگر نو بجے کا کہہ دیا تو ٹھیک نو بجے وارڈ پہنچ جایا کرتے تھے۔ اور مریضوں کا تفصیلی جائزہ لینا شروع کر دیتے تھے۔ ان کے ساتھ ڈاکٹرز نرسیں اور سنیئر رجسٹرار ہوتیں۔

ہر ہاؤس آفیسر کو مریضوں کے کچھ بسترالاٹ ہوتے تھے۔ ثمین کے حصے میں مردانہ پانچ بیڈ تھے۔ سرقیوم کا راؤنڈ وہیں سے شروع ہوتا تھا۔ چونکہ وہ اکثر ہی دیر سے پہنچتی تھی۔ اس لئے سر اکثر دوسری طرف سے راؤنڈ شروع کر دیا کرتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے۔ کہ اسے بعد میں ڈانٹ پڑ جایا کرتی۔ وہ بہت لگن اور محنت سے کام کرنے والی ڈاکٹر تھی لیکن اسے خود بھی پتہ نہیں چلتا تھا۔ کہ وہ اکثر لیٹ کیوں ہو جاتی ہے ___

کبھی گھر ہی سے لیٹ نکلتی۔

کبھی اشارے بند ہوتے اور اسے رکنا پڑتا۔

آج بھی کسی وجہ سے وہ لیٹ تھی۔ وہ جلدی جلدی سے اپنے مریضوں تک پہنچی۔ نرس ذکیہ کو ساتھ لیا۔ اسے مریضوں کا بی پی اور نبض چیک کرنے کے لئے کہا۔ اور خود ان کی روزانہ کی رپورٹ جلدی جلدی لکھنے لگی۔ ساتھ ساتھ وہ روز مرہ کے سوالات پوچھنے اور نوٹ کرنے لگی۔

سرقیوم اب ان بیڈز کی طرف آنے ہی والے تھے۔

ثمین نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ سارے مریض ہی اپنی عام حالت میں

تھے صرف ایک مریض تھا۔ جو ساری رات 104 ڈگری بخار میں مبتلا رہا تھا۔ ثمین نے تھرما میٹر منگوایا اور اس کا بخار چیک کیا۔ اس وقت بھی بخار 103 کے قریب تھا۔ وہ ڈر گئی۔ اگر آج کچھ اور دیر ہو جاتی۔ یا ڈاکٹر قیوم راؤنڈ ان بیڈز سے شروع کر دیتے تو اس کی شامت ہی آجاتی۔ سر کبھی پسند نہیں کرتے تھے۔ کہ مریض تکلیف میں ہو۔ اور اس کا نگران ہاؤس آفیسر ڈاکٹر اس کے پاس موجود نہ ہو۔

جلدی میں اس نے برف والا پانی منگوایا ___ مریض کے ساتھ جو لواحقین تھے۔ انہیں ہدایت کی۔ کہ مریض کو ٹھنڈے پانی کی پٹیاں لگائیں۔ نرس پٹیاں بھی لے آئی۔ ثمین مریض کے ماتھے پر پٹیاں رکھنے لگی۔ نرس اور مریض کی ماں نے بھی مریض کے ہاتھوں اور پاؤں کو ٹھنڈے پانی کی پٹیوں سے مساج کرنا شروع کر دیا۔ وہ کچھ دیر کام میں مصروف رہی۔ جب سمجھی کہ اب یہ لوگ پٹیاں لگالیں گے تو وہ انہیں ہدایات دیتے ہوئے اٹھی "شاباش اسی طرح پٹیاں لگاتے جائیں ___"

وہ اب ان ڈاکٹرز کی طرف بڑھی جو سر قیوم کے ساتھ راؤنڈ میں ساتھ تھے۔

سرقیوم ایک مریض کا معائنہ بڑے انہماک سے کر رہے تھے۔ اس لئے انہیں پتہ ہی نہ چلا کہ وہ آج بھی لیٹ آئی ہے۔ اس نے شکر کیا۔ لیکن ذکی جو اوور آل پہنے ہاتھ میں چارٹ پکڑے سرقیوم کے پیچھے کھڑا تھا۔ اسے گھور کر دیکھا "آج پھر لیٹ"

ثمین نے اسے گھورا اور آنکھوں سے سرزنشی اشارہ کرتے ہوئے چپ رہنے کا اشارہ کیا ___ اتنے میں ماہ نور بھی اس کے قریب آگئی ___ اور اس کی کمر میں ٹھوکا دیا۔ غنیمت تھا۔ وہ منہ سے کچھ نہ بولی وہ اپنے بیڈز کا معائنہ کروا چکی تھی۔

ثمین نے ذکی ماہ نور اور ڈاکٹر باسمہ کا منہ چڑایا ___ اور پھر خود اپنے اوپر سنجیدگی کی بھرپور تہہ چڑھاتے ہوئے ڈاکٹر قیوم کی وہ ہدایات سننے لگی۔ جو وہ پیشنٹ کے متعلق اس بیڈ کے نگران ڈاکٹر تنویر کو لکھوا رہے تھے۔

اس لمبے چوڑے وارڈ میں بستروں پر مریض پڑے تھے۔ اکثر کے پاس ان کے لواحقین موجود تھے۔ مختلف بیماریوں سے مغلوب کوئی مریض ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔

کسی کے خون کی بوتل لگی تھی۔ کسی کو گلوکوز لگایا گیا تھا۔ کچھ نسبتاً بہتر تھے۔ ان کے چہروں پر قدرے آسودگی تھی۔ باتیں کرتے ہوئے نقاہت کے باوجود وہ مسکرا رہے تھے۔

ڈاکٹر کے راؤنڈ کی وجہ سے وارڈ میں زیادہ شوروغل نہیں تھا۔ ورنہ بے وقت احوال پرسی کو آنے والے لوگ ہسپتال کی ہدایات اور مریضوں کی تکلیف کا احساس کئے بغیر اونچی آواز میں باتیں کیا کرتے تھے۔ ساتھ بچے بھی آجاتے جو شوروغل میں مزید اضافہ کرتے تھے۔ بعض اصولوں کے پابند لوگ بھی ہوتے تھے۔ جو ایسے لوگوں کا کچھ کر تو نہ سکتے۔ لیکن دل ہی دل میں ان کی حماقتوں اور غیرذمہ داریوں سے نالاں ہوتے ___ کبھی کبھی وارڈ کے چارج رکھنے والے سے شکایت بھی کر دیتے۔

بیین ڈاکٹر قیوم کے جلو جلو میں چلتی اگلے بیڈ کے قریب آئی تو سینئر رجسٹرار جو اس کی دیر سے آمد سے آگاہ تھی۔ اسے گھور کر دیکھا۔ بیین نے نظریں چرائیں اور دوبارہ اس کی طرف دیکھا ہی نہیں۔ وہ ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ رہی۔ ڈاکٹر جب اس کے مریضوں کے بیڈ کی طرف آئے تو وہ قدم بڑھا کر ان کے قریب آگئی۔ مریضوں کی پروگریس رپورٹ انہیں دکھائی۔ اب تک بخار والے مریض کا ٹمپریچر بھی کم ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اس مریض کے متعلق ہدایات دے کر دوائی لکھائی۔

اور

وارڈ سے نکل گئے

ان کے جانے کے بعد سب ہاؤس آفیسرز نے اپنے آپ کو خاصہ ریلکس محسوس کیا۔ بیین کے چہرے پر جو ڈر کے سائے تھے وہ دور ہو گئے۔ اس نے دوائی کا نام لکھ کر چٹ مریض کی والدہ کو دی۔ دوا چارٹ پر بھی لکھ دی۔ اور دوائی دینے کے اوقات بھی تحریر کر دیئے۔ تاکہ نرس وقت پر اسے دوائی دے سکے۔

اگلے آدھے گھنٹے تک سب ڈاکٹرز اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو چکے تھے۔

اب ماہ نور فارغ تھی۔ وہ اس کے پاس آئی تو وہ کال ٹو سرجری یونٹ لکھنے میں مصروف تھی۔

"اے" اس نے بیین کے کندھے کو پکڑ کر ہلایا "کام ختم نہیں ہوا ابھی ___"

"ہو گیا بس" اس نے گردن پیچھے موڑ کر ماہ نور کو دیکھا ___ بیڈ نمبر ٹو کے پاؤں کی ڈریسنگ کروانی ہے ___"

"جب دیر سے آؤ گی۔ تو یہی ہو گا نا۔ جلدی سے فارغ تھوڑا ہی ہو سکو گی" ماہ نور نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"تمہاری طرح ہوسٹل میں رہتی ہوتی تو کبھی دیر نہ کیا کرتی" بیین اپنے کاغذوں پر جھکے جھکے بولی۔

"تمہارا ہوسٹل میں بھی یہی حال ہوتا" اس نے کہا پھر ہنس کر چوٹ کی "اب بھی تو ہوسٹل ہی میں رہ رہی ہو ___"

"بس اب چپ رہو" بیین نے جلدی جلدی کام ختم کیا۔ جلدی جلدی سائن کئے وارڈ کا نام لکھا اور وارڈ بوائے کو آواز دینے لگی۔

ماہ نور دروازے کے قریب کھڑی ہو کر اس کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔

فارغ ہو کر وہ ماہ نور کے قریب آ کر بولی "ہاں اب بکو ___"

"بکو نہیں۔ چلو ___" ماہ نور نے قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کینٹین؟" بیین نے سٹیتھو سکوپ گلے میں ڈالی۔ وائٹ اوور آل کے کالر درست کئے۔

اس نے بڑے خوبصورت رنگ اور میٹریل کا سوٹ پہن رکھا تھا ___ ماہ نور نے تعریفی نظروں سے اس کے جوڑے کو دیکھا۔

"بوتیک سے لیا" وہ چلتے ہوئے بولی۔

"نہیں خود سلوایا ہے"

"بہت خوبصورت ہے"

"شکریہ جناب۔ ویسے میں نے کبھی کوئی خراب کپڑا بھی پہنا" وہ ہنسی

"جی ہاں۔ خراب تو ہمارے ہی کپڑے ہوتے ہیں" ماہ نور نے منہ بنایا

"اب بنو نہیں" اس نے ماہ نور کو ہلکا سا دھکہ دیا۔ وہ ہنسنے لگی۔ ماہ نور بھی خاصی خوش پوش تھی۔

دونوں ہنستی باتیں کرتی کنٹین میں پہنچیں تو ان کے گروپ کے دوسرے "تقریباً" سبھی ساتھی یہاں پہنچ چکے تھے۔ عمیر ابھی ڈاکٹر باسمہ کے انتظار میں برآمدے میں کھڑا تھا۔

ذکی نے انہیں دیکھتے ہی نعرہ لگایا۔ "ہیلو فرینڈز ___"

ان دونوں نے بھی جواباً ہیلو کہا ___ اور میز کی طرف بڑھ گئیں۔ وہاں ابھی ان کے لئے کرسیاں خالی تھیں۔

"ہم نے تو اپنے آرڈر دے دیئے۔ آپ کیا نوش فرمائیں گی" ڈاکٹر تنویر بولا۔

"ہم نے جو کچھ کھانا ہے۔ منگوا لیتے ہیں۔ شکریہ" ماہ نور نے کہا اور ویٹر کو آواز دی۔ اس وقت وہ کوک اور چپس اور سبین چائے کے ساتھ چپس کھاتی تھی۔ دونوں نے آرڈر دیئے۔ اور آرڈر سرو ہونے تک سب خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔

عمیر اور باسمہ بھی آ گئے ___ اب کورم پورا ہو گیا تھا۔

پہلے سب ہی سبین کے گرد ہوئے "آج پھر لیٹ۔ تمہیں تکلیف کیا ہے" عمیر نے کہا

سبین نے ماہ نور کی طرف دیکھا اور پھر عمیر کو۔ شوخی سے بولی "یعنی اتنی جلدی ریڈیو پاکستان سے خبر نشر ہو گئی ___"

"ریڈیو پاکستان نہیں ___ بی بی سی کہو ___" ذکی ہنس کر بولا ___ اس نے عمیر کی پشت پر ہاتھ مارا ___ عمیر ہنس دیا۔

کنٹین میں اس وقت زیادہ رش نہیں تھا۔ کچھ لڑکے لڑکیاں دو تین میزوں کے اردگرد بیٹھے اپنے کلاس ٹاپک ڈسکس کر رہے تھے ___

"ہاں تو سبین ___" عمیر نے کہا "سب تمہارے لیٹ آنے کو ڈسکس کر رہے تھے"

"کیا کریں" سبین مصنوعی آہ بھر کر بولی "میرے خلاف آدھی سے زیادہ باتیں بنانے والے تو میرے اپنے دوست ہی ہیں ___"

"اوہ معاف کرو یار ___" ذکی بولا "یوں ہی یہ بات چھڑ گئی۔ ویسے یہ لڑکیاں شادی میں جانے کی تیاریوں میں دن رات ایک کر دیتی ہیں۔ سبین نے شاید اسی لئے دیر کر دی"

"کس کی شادی کونسی شادی" تقریباً سارے ہی لڑکے دلچسپی سے بولے

"ہماری دوست کی" سبین نے جھٹ سے کہا "ویسے آپ لوگ اتنے ایکسائٹیڈ نہ ہوں۔ آپ میں سے کوئی بھی مدعو نہیں ہے"

"کس کی شادی ہے صرف یہی تو پوچھ رہے ہیں مائے ڈیر فرینڈ" عمیر نے منہ بنایا

"فائزہ کی" ماہ نور بولی ___ "ہماری بچپن کی دوست ہے۔ عمیر تمہیں تو یاد ہو گی۔ نارتھ ایریز میں مائیگریٹ کرا کے کراچی چلی گئی تھی۔"

"فائزہ سعید" عمیر بولا۔

"لو کس طرح پورا نام یاد ہے انہیں" باسمہ نے کہا۔

"ہائے ہائے ایک اور کڑی گئی ہاتھ سے" عمیر نے مصنوعی ٹھنڈی آہ بھری۔

"یعنی لسٹ میں سے ایک اور لڑکی خارج" ذکی نے مضحکہ خیز انداز میں سر ادھر ادھر مارتے ہوئے سینے پر ہاتھ مارا ___

"تو گویا لسٹ بنا رکھی ہے جناب نے لڑکیوں کی" ماہ نور نے پوچھا

"بنا تو رکھی ہے۔ لیکن خاطر جمع رکھو اس میں تمہارا نام نہیں" ذکی نے عمیر کو آنکھ ماری

"میرا نام ہوا ___ تو میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی ___" ماہ نور دھڑلے سے بولی۔

سب ہنسنے لگے ___

"ہمیں تو پرواہ ہی نہیں۔ نام ہو یا نہ ہو" باسمہ نے بے نیازی سے کہا

"تو پھر چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں" ذکی ہنسا

"اچھا عمیر بکواس بند کرو۔ ذکی تم بھی" سبین نے کہا۔ "اور ہاں ماہ نور۔ یہ بتاؤ [illegible] بک ہو چکی ہیں نا ___ پکی بات؟"

"ہاں"

"تو تم لوگ واقعی کراچی جارہے ہو" دونوں لڑکے بولے ۔۔۔

"جی ہاں ۔۔۔ کیا تکلیف ہوگئی ۔۔۔ ہم جارہے ہیں جناب" سبین بولی۔

"کس دن" تنویر نے پوچھا۔

"بدھ کی رات کی سیٹیں ملی ہیں" ماہ نور نے کہا "بکنگ شائستہ نے کروادی تمہیں بتایا تو تھا"

"وہ بھی جارہی ہے" عمیر نے پوچھا

"نہیں۔ میں سبین مریم اور عائشہ جارہے ہیں" ماہ نور نے کہا

اب ویٹر آرڈر سرو کرنے لگا تھا۔ سب اپنی اپنی مطلوبہ چیزیں لینے لگے۔ سبین چائے اور چپس اپنے سامنے رکھتے ہوئے ماہ نور سے بولی "تیاری کرلی"

"کرلونگی ابھی تو تین دن ہیں جانے میں" "وہ بولی۔ "تم سناؤ تائی وغیرہ کو اجازت مل گئی۔ مجھے تو امی سے بڑی مشکل سے اجازت ملی۔"

"اپنا کون ہے اجازت دینے والا" سبین نے افسردہ سے لہجے میں کہا۔ پھر مسکرائی اور چہک کر بولی۔ "جمعہ کو تائی کے ہاں سب جمع تھے۔ میں نے جانے کا اعلان کیا تھا۔ پتہ ہے اسی دن میرے کزن طیب کی منگنی کی تقریب بھی ہے"

"اور تم کراچی چلی جاؤگی؟" یاسمہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"بالکل" سبین نے قطعیت سے کہا اور چائے کی پیالی اٹھاکر ہونٹوں سے لگالی۔

ماہ نور نے منہ بناتے ہوئے کندھے اچکائے۔ پھر بولی" سبین تم واقعی بڑی بولڈ ہو

"تو کیا کروں" سبین نے کہا ۔۔۔ "کسی ایک بندے نے بھی اس دن یہ نہ کہا گھر کی تقریب چھوڑ کر پرائے لوگوں کی خوشیوں میں شریک ہونے جارہی ہو۔ کینسل پروگرام۔ مت جاؤ۔ لیکن تمہیں پتہ ہے نا ۔۔۔ گھروالوں نے کبھی ان خطوط پر سوچا نہیں۔ میری ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ تو پھر میں من مانی کیوں نہ کروں انجوائے کیوں نہ کروں زندگی کو "

ماہ نور کو اس پر بڑا ترس آیا

لیکن

اظہار نہ کیا جانتی تھی ترس نامی لفظ سے سبین کو بہت چڑ ہے۔

سب کھاپی چکے تھے۔ اس لئے اپنی اپنی ڈیوٹی پر اٹھ اٹھ کر جانے لگے۔ کسی نے اوور آل بازو پر ڈالا ہوا تھا۔ کوئی پہنے ہوئے تھا۔ سٹیتھو سکوپس سب کے پاس تھیں۔

بدھ کی شام پھپھو کے گھر میں بڑی گہماگہمی تھی۔ آج منگنی تھی۔ سارا خاندان جمع تھا۔ جن دوست احباب کو ساتھ لے جانا تھا وہ بھی جمع ہو رہے تھے۔ سبین کو آج رات کی گاڑی سے کراچی جانا تھا۔

اس کا دل طیب بھائی کی منگنی کی تقریب میں شرکت کو بے شک چاہ رہا تھا۔ لیکن س کے اندر غصہ بل کھارہا تھا۔ لگتا تھا وہ انتقاماً کراچی جارہی ہے۔ لیکن کسی کو کیا۔

دل تو نہ چاہتا تھا۔ پھر بھی شام وہ پھپھو کو مبارکباد دینے اور طیب بھائی کو وش کرنے ام بھاگ کنال ویو پہنچی۔ گھر میں رونق و گہماگہمی تھی۔ لڑکیاں اور خواتین تیاریوں میں ل تھیں۔ کوئی بیوٹی پارلر سے آرہی تھی۔ کوئی جارہی تھی۔ جھلملاتے لباسوں کی جھلک فریب تھی ۔۔۔ رنگارنگ آنچل لہرا رہے تھے۔

مرد حضرات بھی اپنے بہترین لباسوں میں تھے۔ اپنے سے بھی بڑے لوگوں کے گھر نی کرنے جارہے تھے نا۔ اس لئے اہتمام کچھ زیادہ ہی تکلف سے ہو رہا تھا۔

سبین نے پھوپھی پھوپھا کو بمشکل ڈھونڈا انہیں مبارکباد دی۔ پھوپھا نے اس کے سر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے گلہ کیا "طیب سے زیادہ دوست عزیز تھی جو کراچی جارہی اتنی رنگ بھری تقریب چھوڑ کر ۔۔۔ "

"بس انکل ۔۔۔ " ان کے پیار بھرے شکوے سے اس کا دل پسیج گیا ۔۔۔ و نے کوئی بات نہیں کی۔ طیب بھائی دوستوں میں گھرے تھے۔ وہ ان سے مل نہ

واپس آکر اس نے اپنے سامان کا جائزہ لیا۔ چھوٹا سا سمسونائٹ کا سوٹ کیس کالا لدار بیگ اور تکیہ جو ہلکے سے کمبل میں لپٹا ہوا تھا۔ یہاں ان دنوں رات کے وقت

داریوں کی توقع لئے ہوئے تھے۔ جس کسی کی طرف سے ذرہ بھر غفلت ہو جاتی۔ وہ منہ بنالیتا۔ روٹھ کر اٹھ کھڑا ہوتا۔ گو فائزہ کی امی نے دو تین نوکروں کا بندوبست کررکھا تھا۔ پھر بھی کسی نہ کسی کا گلہ موجود اور روٹھنا برقرار تھا۔

ان چاروں لڑکیوں نے چند گھنٹوں ہی میں صورت حال بھانپ لی۔ پھر چاروں نے فائزہ کی امی کے ڈھیر سارے کام اپنے ذمے لے لئے ___ ہر طرف وہ پیش پیش تھیں۔ فائزہ کی امی کے دل سے ان چاروں کے لئے دعائیں نکل رہی تھیں۔

فائزہ کی کزنز وغیرہ کافی تھیں۔ لیکن شادی کے کاموں میں حصہ لینا تو درکنار کسی نے آنٹی سے پوچھا تک نہیں۔ کہ کوئی کام ہے تو بتادیں۔

مہندی کی رسم بڑی رنگارنگ اور دلچسپ تھی۔ لڑکے والے مہندی کے سجے ہوئے تھال لے کر لڈیاں ڈالتے اور ڈانس کرتے ہوئے آئے ___ جواباً ادھر سے بھی گانوں اور ڈانسوں کا مظاہرہ کیا گیا فائزہ کی یہ چاروں سہیلیاں ہربات میں پیش پیش تھیں۔ خوب بجا رہی تھیں۔ سبین کو گانا نہیں آتا تھا۔ لیکن وہ بھی تالیاں بجا بجا کر دوسری لڑکیوں کا خوب ساتھ دے رہی تھی۔ چھم چھم کرتے خوبصورت لباسوں میں یہ چاروں لڑکیاں حسین گڑیاں لگ رہی تھیں۔ اور سچی بات سب میں نمایاں بھی تھیں۔ کچھ پیش پیش بھی تھیں۔ سسرال سے آنے والی خواتین اور لڑکیوں سے بھی گھل مل کر ہنسی مذاق کر رہی تھیں۔ وہ لوگ انہیں فائزہ کی قریبی رشتہ دار سمجھ رہی تھیں۔

یہی حال بارات کے دن بھی تھا۔ کھانے کے بعد دولہا کے اردگرد سلامیاں دینے والی عورتوں نے گھیر ڈالا۔ تو یہ چاروں دولہا کے اردگرد رہیں۔ سالیاں بن کر خوب مذاق کئے۔ دولہا نے ان کے ڈیسنٹ مذاق بہت انجوائے کئے۔ دودھ بھی انہوں نے دولہا کو پلایا ___ اور جوتی چھپائی کی رسم بھی انہوں نے ہی کی۔ اور کزنز بھی تھیں۔ لیکن زیادہ رول ان چاروں کا تھا۔

فائزہ کی امی تو ان چاروں کی بہت ہی ممنون احسان تھی۔ جو اتنی دور سے تقریب میں شمولیت کے لئے آئی تھیں۔ اور ان کا ہاتھ بیٹیوں کی طرح بٹایا تھا۔ کچھ خواتین نے بھی

ان کی تعریف کی۔

لیکن

خاندان کی نک چڑھی عورتیں ان چاروں پر سرجوڑ جوڑ کر تبصرے کررہی تھیں

"کتنی بے باک ہیں ___"

"شرم و حیا تو ہے ہی نہیں"

"کچھ لگتی بھی نہیں ان کی ___ اور ہر کام اس طرح ہاتھ میں لے لیا ہے جیسے یہی سب کچھ ہوں"

"بڑی تیز ہیں ___"

"دولھا کے ساتھ تو دیکھو۔ کس طرح فری ہو رہی ہیں۔ بھلا وہ ان کا کیا لگتا ہے۔ میں نے تو اپنی بیٹی کو سٹیج سے واپس بلا لیا ہے۔ آگے ہوتی رہیں یہ ہی ___"

ایک عورت نے تو آنکھیں مٹکا کر کہا "خوب پیسے بٹور رہی ہیں دولھا سے ___"

پیسے ان چاروں نے دولہا سے خود وصول نہیں کئے۔ ہاں دلائل دے دے کر انہوں نے ہی اسے پیسے دینے کا قائل کیا ___ یہ پیسے فائزہ کی چچازاد حسن آرا نے وصول کئے۔ اور فائزہ کی امی کو دے دیئے تھے۔

عورتوں کے کچھ تبصرے ماہ نور نے بھی سنے اور اپنی ساتھی لڑکیوں کو بتائے۔

"ہنھ" سبین جو ایسی باتیں سننے کی عادی تھی بولی "کیا فرق پڑتا ہے۔ آنٹی کو تو ہم نے مدد دی ___ وہ تو خوش ہیں۔ کررہی ہیں باتیں تو کرتی رہیں۔ ہم نے کونسا پھر ان لوگوں میں آنا ہے"

"بالکل" مریم نے اپنے خوبصورت لمبے بالوں کو پشت سے اکٹھا کرکے کندھے پر ڈالتے ہوئے سینے پر پھیلایا۔

"چلو چپ ہی رہو" عائشہ نے کہا "آنٹی کو پتہ نہ چل جائے۔ کہ ان کے رشتہ داروں کی باتیں ہم لوگوں نے سن لی ہیں"

"اور برا بھی منایا ہے" ماہ نور ہنسی

"بالکل نہیں ہم نے کوئی برا نہیں منایا" سبین نے کہا۔

سب ہنس پڑیں۔

رخصتی کے بعد چاروں واپس گھر آگئیں۔ شادی ہوٹل میں ہوئی تھی۔

ولیمے کے بعد یہاں ٹھہرنے کا جواز نہیں تھا۔ رات کو ولیمہ تھا۔ سارا دن انہیں خالی ملا تھا۔ اس لئے تینوں بازار گھوم پھر آئی تھیں۔ ماہ نور نے بھی سمندر نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے وہ کلفٹن بھی گئیں ___ اور وہاں دو تین گھنٹے گزارے ___

انکی واپسی کی سیٹیں بک تھیں۔ ولیمے کی رات ہی انہیں واپس جانا تھا ___ حالانکہ فائزہ کی امی ابو اور بھائیوں نے انہیں دو دن اور روکنا چاہا تھا ___

لیکن

ایک تو واپسی کی سیٹیں بک تھیں۔ دوسرا سبین اور ماہ نور نے ڈیوٹی پر بھی پہنچنا تھا۔ ویسے بھی اب یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں تھا۔ اس لئے چاروں سب سے مل کر ولیمے کا کھانا کھاتے ہی نکل پڑیں۔ فائزہ اور اس کے شوہر حامد کو لاہور آنے کی دعوت زور و شور سے دی۔

فائزہ کا بھائی انہیں سٹیشن پر چھوڑ گیا۔

وہ

جلد ہی اپنا کمپارٹمنٹ ڈھونڈ کر اس میں آگئیں۔ فائزہ کے بھائی شبیر نے ان کا سامان قلیوں سے اٹھا کر پارلر میں رکھوا دیا ___

"باجی دیکھ لیں چیزیں پوری ہیں نا" اس نے قلیوں کو پیسے دیتے ہوئے کہا۔

سب نے اپنے اپنے مختصر سامان پر نگاہ ڈالی۔ پھر سبین بولی "نہیں بھئی قلیوں کے پیسے ہم خود دیں گے۔ تم مت دو ___ "

"میں نے کب دیئے ہیں" شبیر نے ہنس کر کہا "امی نے دیئے تھے ___ اور اس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر ان کی طرف بڑھایا "یہ بھی آپ کے لئے ہے"

"یہ کیا ہے" مریم نے لفافہ لیتے ہوئے کہا

"یہ ___ " شبیر مسکرایا ___ "دولہا بھائی نے جو دودھ پلائی اور جوتی چھپائی کے پیسے دیئے تھے۔ آپ چاروں کا حصہ امی نے دیا ہے ___ گھر میں اس لئے نہیں دیا تھا ___ کہ کہیں آپ لینے سے انکار نہ کر دیں ___ "

وہ سر جھکا کر بولا "سو یہ آپ چاروں قبول فرمائیں ___ "

"شریر" عائشہ بولی "ہمیں وہاں ہی بتا دیتے"

"تاکہ آپ واپس کر دیتیں" شبیر مسکرایا۔

"کیوں واپس کریں" ماہ نور نے ہنس کر کہا ___ "ہم ہی تو حامد بھائی کی سالیاں ں۔ یہ ہمارا حق ہے ___ "

مریم نے لفافہ کھولا تو بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا "اف اتنے بہت ___ "

لفافے میں ہزار ہزار کے چار نوٹ تھے۔ پیشتر اس کے کہ باقی تینوں ان پیسوں کی ابس کے لئے کچھ کہتیں۔ شبیر انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے پارلر کا دروازہ بند کر کے چلدیا۔ کچھ دیر تینوں آنٹی کے خلوص اور محبت کی باتیں کرتی رہیں۔ مریم نے ایک ایک نوٹ تینوں کی طرف اچھال دیا ___

"زندہ باد" ماہ نور نے نوٹ ہوا میں لہراتے ہوئے نعرہ لگایا۔ "بھئی میرا تو اس ماہ کا خرچہ نکل آیا۔ سارے پیسے خرچ ہو گئے تھے۔ اور امی سے منگواتی تو شامت ہی آنا تھی۔"

سب اس کی بات پر ہنسنے لگیں۔

"چلو اب اپنے اپنے بستر لگاؤ" سبین نے نیچے بیٹھی مریم اور ماہ نور سے کہا۔

"کیوں تمہیں ابھی سے نیند نے آلیا" عائشہ بولی۔

"تھک بہت گئے ہیں یار" مریم نے انگڑائی لی۔

"بستر کرلو۔ پھر باتیں کرلینا" سبین نے کہا "میری تو کمر اکڑ گئی ہے اور ٹانگیں شل ہو رہی ہیں ___ "

"چلو مان لیتے ہیں تمہاری بات"

سب لڑکیاں اپنی چادریں بچھا کر تکیئے جمانے اور کمبل تہہ کر کے پاؤں کی طرف رکھنے لگیں۔ بیگ اور سوٹ کیس انہوں نے سیٹوں کے نیچے رکھ دیئے ___

سب اپنے اپنے بستروں پر براجمان ہو کر باتیں کرنے لگیں۔ کوریڈور سے مسافر لپک جھپک ادھر سے ادھر آجا رہے تھے۔ شاید اپنی اپنی سیٹیں ڈھونڈ رہے تھے۔

جلدی سب کی آنکھوں میں نیند اترنے لگی ___ عائشہ نے اٹھ کر بتی بند کر دی اور بولی "بس اوپر والیو کھسر پھسر بند کرو ___"

"تم سو جاؤ ہمیں کیا کہتی ہو" مریم نے چمک کر کہا "جب ہمیں نیند آئے گی سو جائیں گے"

سبین لیٹے لیٹے بولی "عائشہ دروازہ تو بند کر دیتیں ___"

"اب تم اٹھو میں لیٹ گئی ہوں"

"ہائے اٹھ جاؤ نا" سبین نرمی سے بولی

"کیوں تم صرف حکم جمانے ہی کے لئے ہو ___ میں بھی لیٹ گئی ہوں اٹھو تم"

"ماہ نور تم اتر کر دروازہ تو بند کردو"

"واہ واہ ___ میں اوپر سے چھلانگ لگاؤں اور بیگم صاحب نیچے سے اٹھ کر دروازہ نہیں بند کر سکتیں ___"

ٹرین آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی۔ لیکن ان چاروں میں اب تک دروازہ بند کرنے کی تکرار ہو رہی تھی۔ سب تساہل سے پڑی تھیں۔ کسی کا بھی اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔

اب ٹرین کی رفتار قدرے بڑھ گئی تھی ___

"ہائے کوئی بند بھی کرے دروازہ ___" سبین نے پھر منت کی۔

"اٹھو نا ہمت کرو" مریم نے اوپر کے برتھ سے کروٹ بدل کر نیچے سر لٹکا کر کہا۔

"سبین سے تھکاوٹ کی وجہ سے اٹھانا جارہا تھا" جھلا کر بولی "مجھے کیا کھلا رہے"

ابھی اس نے یہ کہا ہی تھا

کہ

کھٹاک سے دروازہ کھلا

اور

ساتھ ہی کسی نے لائٹ آن کر دی ___

سب نے سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا

اور

چاروں کے منہ سے بے اختیارانہ چیخیں نکل گئیں۔

ٹرین تیز رفتاری سے اڑی جا رہی تھی۔

اور

پارلر کے دروازے سے لمبا چوڑا جوان ہاتھوں میں سوٹ کیس اور بیگ پکڑے اندر داخل ہو چکا تھا ___

ان کی چیخیں سن کر وہ بوکھلا گیا۔

مریم تو بزدل اور ڈرپوک سی تھی۔ آنکھیں بند کر کے کانوں میں انگلیاں دیئے مسلسل چیخے جا رہی تھی "چور چور ___ ڈاکو ___"

دوسری لڑکیاں بھی چیخیں مارے جا رہی تھیں۔ بے طرح پریشان ہو کر وہ پلٹا تو اپنے ہی بیگ سے ٹکرا کر اوندھا ہوتے ہوئے بچا۔ سنبھل کر اس نے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کر دیئے اور ہکلایا "یہ ___ یہ لیڈیز ___ پارلر ___"

لڑکیاں اور زور زور سے چیخنے لگیں

وہ بری طرح بدحواس ہو گیا۔

سبین نے جلدی سے کمبل اپنے اوپر تانا اور خوفزدہ آواز میں چلائی "کون ہو تم۔"

اجنبی نے جو شکل و صورت سے خاصہ معقول اور مہذب لگتا تھا۔ وجیہہ اور سمارٹ

بھی تھا۔ گردن موڑ کر ببین کی طرف دیکھا ___ جس نے لیٹے ہوئے کمبل سے صرف اپنی آنکھیں نہیں چھپائی ہوئی تھیں ___ بولا "معاف کیجئے۔ میں ___ شاید غلط پارلر میں آگیا ہوں ___"

"عائشہ مجھے تو یہ کوئی چور لگتا ہے" ببین نے عائشہ کی طرف دیکھے بغیر ہولے سے کہا

"مریم" عائشہ نے جلدی سے کہا "چین کھینچ دو چین ___ چور گھس آیا ہے"

اس کی بات پوری کرنے سے پہلے ہی ماہ نور چھلانگ لگا کر اوپر والے برتھ سے نیچے کود آئی اور جلدی سے چین کی طرف لپکی۔

ایک جست لگا کر نوجوان نے لپک کر اس کی کلائی پکڑلی۔ ماہ نور نے ایک تیز چیخ ماری۔

"دیکھئے محترمہ" وہ بد حواس سا تھا "چین مت کھینچئے۔ آپ نے زنجیر کھینچی تو گاڑی رک جائے گی۔ پھر گارڈ اور کنڈکٹر آجائیں گے۔ میری گردن پکڑیں گے۔ سوچئے میرا کیا حال ہوگا۔ میں غلطی سے یہاں آگیا ہوں۔ ٹرین چل پڑی تھی۔ میرے سوار ہوتے ہوئے۔ گھبراہٹ میں پتہ نہ چلا ___"

اس نے ماہ نور کی کلائی چھوڑ دی۔ بڑی مشکل سے وہ قدرے ریلیکس ہوا تھا ببین کو یقین تھا۔ کہ وہ اتنا پریشان نہیں ہے۔ جتنا وہ اپنے آپ کو ظاہر کر رہا تھا۔ شاید اسے اپنے آپ پر اعتماد ہو۔ ویسے بھی ایسا سوٹڈ بوٹڈ بولڈ اور ڈیشنگ پرسنلٹی والا آدمی چور یا ڈکیت نہیں ہو سکتا۔ اس کے نفاست سے بنے بال چہرے کی آسودگی قیمتی لباس اس کے کسی رئیس اور باعزت خاندان کا ہونے کا ثبوت تھے۔

مگر

پھر بھی

وہ ان کے کمپارٹمنٹ میں گھس آیا تھا۔ وہ سب اس کی جان چھوڑنے کو تیار نہ تھیں۔ ماہ نور اپنی کلائی سہلاتے ہوئے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ باقی سب کچھ خاموش ہو گئیں۔ تو وہ جلدی سے بولا "میں چور ڈکیت نہیں ہوں۔ کیا چور ایسے

ہوتے ہیں"

اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔ تو ببین بھڑک کر بولی "تم لوگوں نے ایسا ہی روپ دھار رکھا ہوتا ہے۔ دھندہ ہی بنالیا ہے۔ سوٹ بوٹ پہن کر حلیہ شریفوں کا بنا لیتے ہو۔ اور چلتی ٹرینوں میں عورتوں کو لوٹتے ہو۔ تمہاری شکایت ہم ضرور کریں گے"

اب وہ پھر بد حواس نظر آنے لگا۔

ببین زنجیر کی طرف بڑھی لیکن وہ قدم بڑھا کر اس کے سامنے آگیا۔ ببین واپس اپنے برتھ پر آگئی۔ ماہ نور کلائی سہلاتے ہوئے بولی "مت کھینچو زنجیر۔ یہ تو تمہاری کلائی توڑ دے گا کم بخت نے اتنی زور سے میری کلائی پکڑی ___"

"ویسے یہ شکل سے تو چور نہیں لگتا ___" مریم نے اوپر لیٹے لیٹے پلٹ کر نیچے دیکھا

"جی ___ جی ___ یہی تو میں کہہ رہا ہوں" اس کی ہمت بندھی۔ وہ دو قدم بڑھا کر آگے آگیا عائشہ نے اس کے آگے بڑھنے پر بے اختیارانہ چیخ ماری۔

ببین جو کمبل میں دبک گئی تھی جلدی سے چیخی ___ "خدارا کوئی تو چین کھینچئے۔ یہ بدمعاش یہاں سے جانے کا نہیں ___"

"جاتا ہوں جاتا ہوں" وہ ہکلایا ___ اس کا رنگ قدرے فق ہوا۔ "دیکھئے میں ایک عزت دار انسان ہوں۔ آپ لوگ خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ گئیں۔ ذرا سی غلطی پر مجھے اتنی ناروا باتیں سننا پڑیں ___"

وہ شاید بیگ اٹھانے کو جھکا ___ تو چاروں نے پھر چیخیں ماری" یہ اسلحہ نکال رہا ہے" کوئی بولی

"ہینڈز اپ" مریم نے بڑے جرات مندانہ لہجے میں کہا اور اوپر سے کود کر دروازے کے قریب پہنچتے ہوئے بولی "مسٹر ہاتھ اوپر ہی رکھو۔ نہیں تو میں کوریڈور میں چلا چلا کر لوگوں کو اکٹھا کرلونگی ___"

"جی ___ نہیں ___ پلیز ___ فار گاڈ سیک ___" وہ ہاتھ اٹھائے پریشان کھڑا

تھا۔ "دیکھئے ___ یہ بچگانہ حرکت نہ کیجئے۔ یہ سلوک میرے ساتھ نہ کیجئے"

"سلوک تو تمہارے ساتھ پولیس کرے گی" ثمین غرائی

اس نے گھور کر ثمین کو دیکھا ___ ثمین ڈر کے مارے پیلی پڑ گئی۔

تھک کر شاید اس نے ہاتھ نیچے کرنے چاہے۔

"ہاتھ اوپر ___" ماہ نور نے حکم دیا۔ وہ بیچارہ پھر ہاتھ اوپر کر کے کھڑا ہو گیا۔

"بدمعاش ہے بدمعاش ___" ثمین نے چہرہ اونچا کرتے ہوئے کہا پھر سب سے بولی تم لوگ زنجیر کیوں نہیں کھینچتی۔ یہ کوئی واردات کردے گا۔ تب ہی ___"

نوجوان نے پھر ثمین کو گھور کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں اسی پر جمی تھیں۔ وہی اس پر سب سے زیادہ الزام جو لگا رہی تھی۔

اس کے بعد کسی کی ہمت نہ ہوئی کچھ بولنے کی۔ سب سہمی سہمی خاموش تھیں۔

پانچ سات منٹ اسے ہاتھ اٹھائے کھڑے گزر گئے۔ شاید اس کے بازو تھک گئے تھے۔ وہ بڑبڑایا "کیا غلطی ہو گئی۔ کم بخت جان ہی نہیں چھوڑ رہیں ___"

"کیا بد دعائیں دے رہے ہو" ثمین نے سخت لہجے میں ڈانٹا ___

اجنبی نے خشمگیں نگاہوں سے پھر اسے گھورا ___

"ہونہہ" ثمین نے منہ پھیر لیا۔

"ویسے اس پوز میں یہ صاحب لگ اچھے رہے ہیں" عائشہ ہنکاری۔ سب اس کی بات پر زیر لب مسکرانے لگیں

"جاؤ تمہیں معاف کیا۔ سامان اٹھاؤ اور نکلو یہاں سے۔ کسی اور پارلر میں جاکر واردات کرلینا ___"

اجنبی نے پھر اسے خشمناک انداز میں گھورا ہاتھ نیچے کئے۔ بیگ اور اٹیچی کیس اٹھا اور طنز سے بولا "شکریہ۔ میں آپ کا یہ احسان اور مہمان نوازی کبھی نہیں بھولوں گا۔"

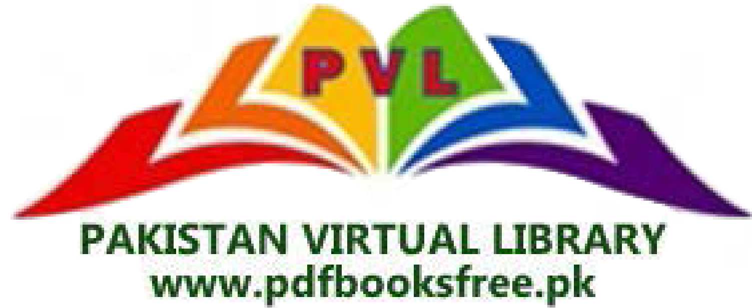
ثمین نے اس کا منہ چڑایا ___ وہ اس طرح کمپارٹمنٹ سے باہر لپکا جیسے خوفناک بلیوں سے پیچھا چھڑا کر بھاگا ہو ___

چاروں لڑکیاں دیر تک جاگتی رہیں ___ دروازہ اچھی طرح سے لاک کیا اور اس اجنبی پر بے لاگ تبصرے کر کر کے قہقہے لگاتی رہیں ___

کوئی اسے شریف و نجیب جوان ثابت کر رہی تھی۔

کوئی بدمعاش چور اور ڈکیت ثابت کرنے کے لئے دلیلیں دے رہی تھی۔

○ ○ ○



کراچی سے آئے انہیں تیسرا دن تھا۔

یہ تین دن سخت مصروفیت کے تھے۔ جن ڈاکٹرز نے ان کی جگہ ڈیوٹیاں دی تھیں۔ ماہ نور اور جبین کو ان کی جگہ ایکسٹرا کام کرنا پڑا۔

تیسرے دن بھی جبین ایک ڈاکٹر فاروق کی جگہ چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی وارڈ میں دے رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک اور ہاؤس آفیسر ڈاکٹر تنویر بھی تھا۔ جبین تھکی ہوئی تو تھی لیکن شکر کر رہی تھی۔ کہ یہ ان کا لاسٹ ڈے تھا۔ یعنی وارڈ میں زیادہ رش نہیں تھا۔ اور نہ ہی کسی قسم کے ہراساں کر دینے والے مریض تھے۔ عام مریض تھے۔ کوئی زیادہ سیریس نہیں تھا۔

ایک بجے کے قریب سب فارغ ڈاکٹرز چلے گئے۔ اس وارڈ میں صرف ڈاکٹر تنویر اور جبین رہ گئے ___ جبین کے ذمہ زنانہ وارڈ کی دیکھ بھال تھی۔ اور تنویر مردانہ وارڈ دیکھ رہا تھا۔

جبین نے جلدی جلدی سے اپنے کام نپٹائے۔

ڈیڑھ بجے تک وہ ڈاکٹرز روم میں ایک صوفے پر بڑی ریلیکس ہو کر بیٹھی تھی کمرے میں اکیلی تھی۔ اس لئے جوتے اتار کر ٹانگیں سامنے والی میز پر اوپر تلے رکھ تھیں۔ اور نرم صوفے میں دھنس کر اپنے تھکے ہوئے جسم کو آرام پہنچانے کی کوشش میں آنکھیں بند کرکے تساہل سے لیٹی تھی۔

اسے ڈاکٹر تنویر کے آنے کا انتظار بھی تھا۔ اس لئے ذرا سے کھٹکے یا آہٹ پر آنکھیں کھول کر دروازے کی طرف دیکھ لیتی۔

یہاں ان ہاؤس آفیسرز کا یہ دستور تھا۔ کہ بریک میں اکٹھے ہو کر کھانا کھاتے تھے

بھوک سے اس کا برا حال تھا۔ پھر بھی وہ صبر کئے بیٹھی تھی۔ گلے سے سٹیتھو سکوپ اتار کر میز کے کنارے پر رکھ دی تھی اور اوور آل کرسی کی پشت پر ڈالا ہوا تھا۔ آج اس نے گیروے رنگ کے خوبصورت رنگ کے خوبصورت تراش کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ جو اس پر بہت اٹھ رہے تھے۔ صبح اس نے کپڑوں کے ہمرنگ لپ اسٹک بھی لگائی ہوئی تھی۔ جو اب تک معدوم ہو چکی تھی۔ اب دوبارہ لپ اسٹک لگانے کو اس کا موڈ قطعی نہیں بن رہا تھا ___

اسے کچھ زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا

ڈاکٹر تنویر حسن نے پینٹ پر سرخ باریک دھاریوں والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اوور آل بھی پہنے ہوئے تھا۔ سٹیتھو سکوپ کندھے پر لٹک رہی تھی۔

اس کے اندر آتے ہی جبین جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ میز سے پیر نیچے گھسیٹ لئے اور تنویر کو دیکھ کر بولی "شکر ہے آپ جلدی آ گئے"

وہ اس کے سامنے والی کرسی کی پشت پکڑ کر کھڑے کھڑے بولا "آپ نے کھانا؟"

"ظاہر ہے نہیں منگوایا" وہ اس کی بات مسکراتے ہوئے کاٹ کر بولی

تنویر معذرت خواہانہ انداز میں اس کی طرف دیکھ کر انگریزی میں بولا "ڈاکٹر۔ آئی وانٹ آ فیور ___ "

"کیا" جبین نے بھی انگریزی ہی میں پوچھا۔

"وہ ___ وہ دراصل ___ " وہ سر کھجاتے ہوئے مسکرایا ___

"کہو نا کیا بات ہے" جبین ٹھیک طرح سے بیٹھ گئی۔

"دراصل آج ہم تین دوستوں کا کھانے اور پکچر کا پروگرام بن گیا ہے۔ پہلے سب شہر والے طباق میں چرغہ اڑائیں گے۔ پھر فینسی شو دیکھیں گے "

"اوہ"

وہ ذرا شرمندہ سا ہو گیا

جبین کے چہرے پر گہری مسکراہٹ آ گئی وہ اسے شوخ سی نظروں سے دیکھتے ہوئے

بولی

"اچھا تو ہماری چھٹیوں کا خوب بدلہ لیا جا رہا ہے"

"بخدا نہیں۔" وہ گھوم کر کرسی کے سامنے آگیا۔ "ایسی بات نہیں۔ ہمارا پروگر
پہلے سے طے تھا۔ ٹکٹ بھی لے لئے گئے تھے۔ یہ جو ڈیوٹیوں میں ادل بدل ہوا ہے ا
کی وجہ سے ___ ایسا ہوا ہے۔ ورنہ ___"

وہ ہولے سے ہنس پڑی۔ اور اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی "ورنہ میں جانتی ہو
کہ تم بہت ذمہ دار ڈاکٹر ہو۔"

"آپ اب شرمندہ کر رہی ہیں" وہ خفت سے مسکرایا۔ پھر سبین کے کچھ کہنے
پہلے ہی بولا۔

"میرا وارڈ بالکل سٹیبل ہے۔ میں نے اپنے سارے کام نپٹا لئے ہیں۔ آپ کو
ایمرجنسی آگئی تو ادھر جانا پڑے گا۔ ایمرجنسی آنے کے بھی پانچ دس فیصد ہی چانز
ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں میں دیکھ لونگی ___ ویسے بھی میری ڈیوٹی رات تک ہے"

"شکریہ"

"تو جائیں۔"

"نہیں" اس نے گھڑی دیکھی ابھی تو پونے دو ہی ہوئے ہیں میں اڑھائی بجے
جاؤں گا۔ اس لئے بہتر ہے آپ آرام سے کھانا کھالیں ___"

سبین نے کچھ سوچا

وقت کا اندازہ کیا

اس کے ذہن میں اپنا ہی ایک پروگرام بن گیا

"ڈاکٹر تنویر" وہ اٹھتے ہوئے بولی

"جی"

"میرا بھی ایک ہلکا پھلکا سا پروگرام بن گیا ہے۔ لیکن اس میں شاید ڈیڑھ گھنٹہ لگ

جائے"

تنویر نے بھی کچھ سوچا

پھر بولا "ٹھیک ہے۔ میں دوستوں کو فون کر دیتا ہوں۔ کہ میں سیدھا طباق ہی پہنچ
جاؤں گا۔ وہ آرڈر وغیرہ دے دیں۔ میں کھانے تک پہنچ جاؤں گا"

"سہولت سے پہنچ سکتے ہیں تو ٹھیک۔ ورنہ میں اپنا پروگرام کل پر اٹھا رکھتی ہوں"

"نہیں پلیز ___" وہ جلدی سے اس کے برابر آگیا۔ "آپ ایسا مت کریں۔ میں
ابھی اپنے دوستوں کو فون کر دیتا ہوں۔ آپ جائیں۔ سوا تین ساڑھے تین تک بھی
آجائیں تو مضائقہ نہیں ___"

"آجاؤں گی" اس نے جلدی سے کہا

"بہت بہت شکریہ"

"سوچ لو ___ تمہارا پروگرام تو متاثر نہیں ہوگا"

"نہیں ڈاکٹر سبین نہیں ہوگا ___ پلیز آپ جائیے۔ جلدی سے نکلئے ___"

سبین نے اوور آل اٹھایا۔ سٹیتھو سکوپ گلے میں ڈالی اور شکریہ کہتے ہوئے کمرے
سے نکل گئی ___

وہ جلدی سے اپنی لال سوزوکی کی طرف آئی ___ گاڑی میں بیٹھی سٹارٹ کی اور
ن سے پارکنگ لاٹ سے نکل گئی۔ چند ہی لمحوں بعد وہ طیب بھائی کے بنک کی بلڈنگ
کے سامنے تھی۔ وہ یہاں بہت بڑی پوسٹ پر تھے۔

اس نے باہر ہی سے سیلو کارڈ سے ان کو فون کیا۔

طیب ہیلو کہنے کے ساتھ ہی اس کی آواز پہچان کر بولے "سبین"

"جی"

"تم"

"السلام علیکم حضور" سبین نے ان کی حیرانگی کے جواب میں خوشدلی سے کہا

"کہاں سے بول رہی ہو" وہ بھی جواباً خوشی سے بولے۔

"اسی زمین پر ہوں طیب بھائی ــــ ابھی اوپر نہیں گئی ــــ"

"اوپر جائیں تمہارے دشمن"

وہ ہنس پڑی۔

"ہاں تو کیسے فون کیا" طیب بھائی نے قدرے وقفے کے بعد پوچھا۔

"طیب بھائی" وہ ہنس کر بولی "چپکے ہی سے ہاں کروالی۔ کوئی مٹھائی وٹھائی کھلائی تک نہیں"

وہ سنجیدگی سے بولے "کھلائی کیوں نہیں تھی۔ تم ہی دوسروں کی مٹھائیاں کھاتی پھر رہیں"

ان کے لہجے میں ہلکی سی طنز کی چبھن تھی۔

ثمین نے قہقہہ لگایا۔ وہ اس کے کراچی شادی میں جانے والے واقعہ پر طنز کر رہے تھے۔

وہ ایکدم سنجیدہ ہو کر بولی "طیب بھائی آپ بھی دوسروں کی طرح طنز کے تیر بر شروع ہو گئے۔"

اس نے بات تو ہلکی پھلکی کی۔ لیکن طیب باآسانی اس کی گہرائی تک پہنچ گئے۔ اس کیوٹ سی کزن کے ساتھ ہمیشہ ہی وہ دل سے ہمدردی محسوس کرتے تھے۔ سارے خاندان کا جو رویہ اس کے ساتھ تھا۔ وہ جانتے ہی تھے۔ بن ماں باپ کی بچی۔ سب کبھی کبھی بے حد نا روا سلوک کرتے تھے۔ جو انہیں گراں گزرتا تھا۔

"کہاں گم ہو گئے حضور ــــ ذرا سی ٹریٹ کی بات کی اور بولتی بند ہو گئی" و اپنے خوشگوار موڈ میں آ گئی۔

طیب سنبھل کر بولے "نہیں بھئی۔ ایسا ہو سکتا ہے بھلا ــــ؟ ہماری پیار کزن ٹریٹ مانگے اور ہم نہ دیں۔ بولو گڑیا کب لوگی ٹریٹ"

"یعنی میری مرضی پر ہے"

"ہاں' ہاں"

"تو پھر ابھی دے دیں"

"بنک میں؟"

"نہیں بھئی یہاں اور تھوڑی جگہیں ہیں۔"

دو بجنے میں کچھ ہی منٹ ہیں۔ کیا چائے پر ٹرخادوں۔"

"جی نہیں۔"

"کھانا۔؟"

"ہاں۔"

"کہاں۔؟"

"کہیں بھی۔"

"تم بتاؤ کہاں چلنا چاہو گی"

"چلئے شیزان۔ آپ کے قریب ہی ہے۔ اور مجھے بھی جلدی ہے واپس ڈیوٹی پر بھی جانا ہے"

"چلو ٹھیک۔"

"تو پھر آیئے۔"

"دو منٹ میں آیا۔"

"میں سڑک پر قریب ہی کھڑی ہوں۔ جلدی سے اٹھئے۔ سیڑھیاں پھلانگئے اور ت تشریف باہر لے آیئے۔"

"ٹھیک"

چند منٹوں ہی میں وہ شیزان پہنچ کر ایک ٹیبل پر بیٹھ چکے تھے۔ وہ نیچے ہی بیٹھ گئے اوپر کافی رش معلوم ہوتا تھا۔ نچلے ہال میں ابھی ابھی دو تین میزیں خالی تھیں۔ باقی پر تھیں کچھ لوگ کھا پی کر دانتوں میں خلال کرتے ہوئے باتوں میں مصروف تھے۔ کچھ کھا رہے تھے۔

اور

کچھ اپنے آرڈر کے سرو ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔

"خود ہی آرڈر کر دو۔ میرے لئے بھی اور اپنے لئے بھی" طیب نے اپنی ٹائی کی گرہ ذرا ڈھیلی کرتے ہوئے ثمین سے کہا۔ جو مینو بک کے صفحات الٹ پلٹ رہی تھی۔

"میری پسند کا کھالیں گے" وہ مسکرائی

"بالکل کھاؤں گا" وہ بڑی خوشدلی سے بولے

"بہت مہنگا آرڈر دوں گی" وہ شوخی سے مینو کے اوپر سے جھانکتے ہوئے بولی

"سب منظور" وہ بڑی فراخدلی سے بولے۔ طیب بہت مسرور نظر آرہے تھے۔ لاشعوری طور پر بھی ایک خوبصورت جوان لڑکی کے ساتھ ہوٹلنگ کرنے کا کچھ اپنا ہی مزہ تھا۔

ثمین نے ویٹر کو بلا کر کھانے کا آرڈر دیا۔ وہ تو طیب بھائی کو چھیڑنے کی خاطر مہنگے آرڈر کی دہائی دے رہی تھی۔ ورنہ اس نے بہت ہلکا پھلکا کھانا منگوایا۔ طیب لاتعلق سے بیٹھے رہے۔

مینو بک آرڈر لکھوانے کے بعد واپس کرتے ہوئے اس نے ویٹر سے کہا "جلدی کھانا لانا ___ اور گرم بھی ہو ___"

"بہتر۔ کوئی کولڈ ڈرنک" ویٹر نے پوچھا

ثمین نے طیب کی طرف دیکھا اور بولی "سیون اپ چلے گی"

"چلے گی" وہ مسکرائے۔

ویٹر کے جانے کے بعد وہ طیب سے منگنی کی تقریب کی باتیں کرنے لگی۔

"بہت خوش ہیں آپ" اس نے طیب سے پوچھا

"ہاں بہت خوش" انہوں نے بھنوئیں اچکائیں۔

"اتنی عمر ہونے پر شادی کی بات چیت ہو۔ تو زیادہ ہی خوشی ہوتی ہے" اس نے ہنس کر طیب کی تینتیس سالہ عمر پر مزاحیہ انداز میں چوٹ کی۔ تو وہ گھائل ہوتے ہوئے بولے

"تم بھی تو پچیس سال کی ہونے والی ہو ___"

"ہاں ہونے والی تو ہوں ___" وہ نیم طنزیہ انداز میں بولی "تو اسکی بھی میں ہی فکر کروں۔ یہ تو شاید بڑوں کا کام ہے ___"

طیب اس کے طنز کو بھانپ گئے ___ خوشگوار لہجے میں بولے "بڑے ہی کریں گے تم تو ٹرین چلائے دے رہی ہو ___"

"بڑوں کو کوئی احساس ہو تب نا ___" وہ کچھ افسردہ ہو گئی

"اوہو بڑی فکر ہے" طیب بھائی نے بات مذاق میں اڑانا چاہی۔

"طیب بھائی بات شادی کی نہیں" وہ گھمبیر سے اداس لہجے میں بولی "اس احساس کی ہے کہ آپ کس کے لئے کتنے اہم ہیں ___ مجھے تو کبھی کسی نے یہ احساس نہیں دلایا۔"

"جھوٹ نہ بولو" طیب کے خوبصورت چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ تھی ___

"جھوٹ" اس نے حسین آنکھیں اوپر اٹھائیں

"تو اور ___" وہ جلدی سے بولے "نانا ابو تمہیں کتنا پیار کرتے تھے۔ اور سب بھی۔"

"سب بھی؟"

"ہاں۔ تایا تائی۔ امی ابو ___ اور پھر سارے کزن۔ خاص کر میں"

وہ بے حد افسردگی سے مسکرائی اور بولی "اس میں شک نہیں۔ کہ دادا ابو مجھے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ لیکن تائی تایا پھپھو ___"

"سب تمہیں پیار کرتے ہیں۔" وہ حقیقت جانتے ہوئے بھی ہنس کر بولے۔

"دیکھئے آپ مجھے کہہ رہے تھے جھوٹ نہ بولو۔ اور اب خود جھوٹ بول رہے ہیں۔" اس نے جھٹ سے کہا۔ وہ طیب سے اکثر اس قسم کے خاندانی رویے کے متعلق گلے شکوے کرلیا کرتی تھی۔ جانے انہیں اپنی اس کزن سے واقعی پیار تھا۔ یا یتیم یسیر ہونے کی وجہ سے صرف ترس کھایا کرتے تھے۔

اس نے دل ہی دل میں سوچا ___ اس کے خاندان کا کوئی فرد بھی اس سے پیار

نہیں کرتا۔ کزن اس سے فری ضرور ہیں۔ لیکن پیار نہیں کرتے۔ شاید ان کی ماؤں نے
ان کی تربیت ہی ایسے کی ہے۔ یا وہ ہی اس قابل نہیں؟
دوسری دلیل کو اس نے خود ہی رد کر دیا۔ وہ جانتی تھی۔ وہ بہت خوبصورت بہت
پرکشش اور جاذب نظر لڑکی ہے۔ لیکن پھر بھی ___ خاندان کے کسی جوان لڑکے نے
اس سے محبت نہ جتائی تھی۔ علاوہ طیب اور کئی دوسرے لڑکے اس کا میچ تھے ___

خیر

اس نے ایک گہری سانس لی۔ ذہن سے ساری الجھنیں جھٹک دیں ___ اس نے
زندہ رہنے اور خوش ہونے کے اپنے ہی اصول وضع کر رکھے تھے ___ اسی لئے تو آج
طیب سے بے دھڑک ٹریٹ مانگ لی تھی۔ وہ بھی کتنی بے تکلفی سے اس کے ساتھ آگئے
تھے۔

ماں باپ سر پر نہیں تھے نا اس وقت

وہ مسکرانے لگی۔

"طیب بھائی" اس نے موضوع بدلا۔

"ہوں"

"اگر ___"

"اگر کیا"

"اگر اس وقت آپ کے سسرال والے مجھے یہاں آپ کے ساتھ بیٹھا دیکھ لیں۔
ان کا کیا رد عمل ہوگا"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ بہت روشن خیال لوگ ہیں ___"

"واقعی"

"ہاں"

"پھر تو میں آرام سے بیٹھوں۔ مجھے سوچ سوچ کر الجھن ہو رہی تھی"

"شریر کہیں کی ___"

وہ ہنس پڑی۔ "اور اگر کوئی آپ کے گھر والا دیکھ لے تو" طیب نے کوئی جواب نہ
دیا۔

ان کا کھانا آگیا تھا ___ چیزیں دو تین ہی تھیں ___ طیب نے دیکھا تو بولے "بس
کی"

"ہاں ٹھیک ہے"

"تم تو لمبا چوڑا آرڈر دینے کا کہہ رہی تھیں"

"مذاق کر رہی تھی"

"گڑیا۔ تم بہت شریر ہو۔ کسی کسی وقت پتہ نہیں سنجیدہ کیسے ہو جاتی ہو"

دونوں نے نیپکن اٹھائے۔ اور اپنے آگے پھیلا لئے ___

"شروع کرو" طیب نے اس سے کہا ___ ثمین نے روسٹ اپنی پلیٹ میں رکھا۔
پھر سلاد لیا ___ اور تھوڑے سے چپس پلیٹ میں ڈالے ___

طیب شاشلک سے چاول اور چکن اپنی پلیٹ میں ڈالنے لگے ___

دونوں کھانے لگے۔

کہ

اچانک ثمین نے دروازے کی طرف دیکھا۔ جدھر طیب کی پشت تھی۔
گھبرائی ہوئی آواز میں اس نے کہا "اوہ پھپھو ___"
چمچ طیب کے ہاتھ سے گر گیا۔ رنگ متغیر ہوا اور جلدی سے انہوں نے پلٹ کر شیشے
کے داخلی دروازے کی طرف دیکھا

دو جوان لڑکے اندر آرہے تھے۔

ثمین کھلکھلا کر ہنس پڑی ___ وہ ہنسے ہی چلی گئی ___ پھپھو یہاں کہاں تھیں
اس نے تو جان بوجھ کر طیب بھائی کی خوشدلی اور فراخدلی آزمانے کو یہ مذاق کیا تھا۔

طیب نے غصے سے گھور کر اسے دیکھا۔

وہ بے اختیار ہنسے گئی ___

"یہ کیا بودا مذاق ہے" وہ غصے سے بولے۔

وہ منہ پر ہاتھ رکھے ہنسے جارہی تھی۔ وہ اتنا ہنسی کہ اسکی آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔

طیب کا غصہ چند لمحے رہا۔ پھر وہ بھی اسے دیکھ کر ہنستے ہوئے سر جھٹک کر بولے "بہت خراب ہو ___"

"طیب بھائی ___" وہ اب بھی بمشکل ہنسی روک رہی تھی۔ "یہ تو آپ نے دکھائی دیا۔ کہ آپ کے گھر والے مجھے آپ کے ساتھ ہوٹلنگ کرتے دیکھ لیں تو کیا کریں گے"

"مار ڈالیں گے" وہ خفت چھپاتے ہوئے بولے "اور کیا کریں گے"

ثمین سنجیدہ ہوگئی۔ سوچنے لگی۔ واقعی مار ڈالیں گے جو وہ اپنے شریف اور نیک نام بیٹے کو بدنام بھتیجی کے ساتھ یوں بیٹھے ہوٹلنگ کرتے دیکھ لیں۔

اس خاندان کے لڑکے لڑکیاں قدامت پسند نہیں تھے۔ زمانے کے ساتھ چل رہے تھے۔ دوستوں کے ساتھ ہوٹلنگ کرنا۔ میوزیکل کنسرٹ میں جانا۔ سٹیج ڈرامے دیکھنا۔ سینما کے شوز میں جانا سبھی کچھ کرتے تھے۔ لیکن ماں باپ کے سامنے پارسائی کے لبادے اوڑھ کر بے ضرر اور معصوم بن جایا کرتے تھے۔ لڑکیاں بھی زیادہ نہ سہی کبھی کبھار تو سہیلیوں کے ساتھ ایسے شغل کرہی لیا کرتی تھیں۔ لیکن ماں باپ یہی سمجھتے تھے کہ ان کی بچیوں کو باہر کی ہوا تک نہیں لگی ___

بدنام تو ثمین ہی تھی۔

صرف اس لئے کہ وہ منافق نہ تھی۔ جو کچھ کرتی تھی برملا سب کو بتادیتی تھی۔

○○○

وہ تیس بلکہ بتیس گھنٹے کی ڈیوٹی دے کر بے حد تھکی ہوئی تھی ___ گو رات وہ پانچ ساڑھے پانچ گھنٹے نیند نکال چکی تھی۔ تاہم اپنے بیڈ پر سونے سے جو سکون ملتا تھا۔ وہ ڈاکٹرز روم میں آڑے ترچھے پڑ کر سونے میں کہاں۔

رات شاید وہ بے خبری ہی کے عالم میں سوئی رہتی۔

کہ چار ساڑھے چار کے قریب دروازے پر کسی نے عجلت میں دستک دی۔

"کون" وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور آنکھیں ملتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا

"ڈاکٹر ثمین صاحبہ" یہ مسز راشدہ کی آواز تھی۔ "جلدی سے مردانہ وارڈ میں آجایئے"

"وہ دوپٹہ سرہانے سے اٹھاتے ہوئے بولی "مردانہ وارڈ میں"

"جی۔ ڈاکٹر تنویر آپ کو جلدی بلا رہے ہیں۔ ایک مریض کی حالت خراب ہو رہی ہے"

وہ جلدی سے اٹھی

پاؤں میں جوتے پہنے

دوپٹہ گلے میں ڈالا ___ سٹیتھو سکوپ لی پن اور بک پکڑی اور جلدی سے دروازہ کھول کر مردانہ وارڈ کی طرف تقریباً دوڑتے ہوئے گئی۔

وہ ڈاکٹر تنویر کی طرف بڑھی

جو ایک بیڈ پر مریض کے اوپر جھکا زور زور سے اس کا سینہ دبا رہا تھا۔ اس مریض کے رشتہ دار بھی بیڈ کے قریب جمع تھے۔ کچھ اور مریض بھی اپنے بستروں سے اتر کر ادھر آگئے تھے۔ کچھ مریض بستروں میں اٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔

وہ جلدی سے مریض کے بیڈ کی طرف آئی۔

اس نے سٹاف کے ہاتھ سے آکسیجن ماسک جلدی سے جھپٹا اور تلخی سے وارڈ بوائے سے بولی "یہ کیا رش ہے۔ سکرین لگاؤ۔ رشتہ داروں کو باہر نکالو ___ اور سب مریض اپنے اپنے بیڈز پر چلے جائیں ___"

وہ مریض کی طرف متوجہ ہوگئی ___ اور مریض کے منہ سے آکسیجن ماسک لگاتے ہوئے پمپ کرنے لگی۔

اس کے خاموش ہوتے ہی تنویر نرس سے بولا "سٹاف جلدی سے ای۔سی۔جی مشین لے آئیں۔"

"یس سر" نرس جلدی سے بے آواز قدموں سے بھاگی۔

تنویر نے ثمین سے کہا "یہ ہارٹ پیشنٹ ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس کے رشتہ داروں نے مجھے اٹھایا۔ کہ مریض کی سانس ٹھیک نہیں آرہی"۔ "وہ سیدھا ہوتے ہوئے پریشانی سے بولا "انفارکشن ہوتی تھی۔ ویسے رات یہ سٹیبل تھا۔ اب میں نے آکر دیکھا تو بی پی کم اور نبض معدوم تھی۔

ثمین نے سرہلایا۔ اب وہ دونوں باتوں کے ساتھ ساتھ دل کا مساج بھی کر رہے تھے۔

"کیا کیا دیا ہے اسے" ثمین نے تمیں پینتس سالہ سانولے رنگ کے اچھے نقش ونگار والے مریض کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

تنویر جواب زور زور سے مساج کرنے سے ہانپ رہا تھا سیدھا ہوتے ہوئے بولا

"انجکشن ایڈرینالین (Adrenaline) لگا چکا ہوں۔ نیکا تھامائیڈ (Nikenelnide) بھی دیا ہے۔

ثمین نے ہاتھ روک کر مریض کے دل کی دھڑکن سنی۔ دل ساکت تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ تھوڑا سا سفید پردہ سرکا ہوا تھا۔ اور ثمین نے مریض کے جن رشتہ داروں کو بیڈ سے ہٹایا تھا وہ اب کھڑکی سے چپکے کھڑے تھے۔

وہ شاید

اس کی ماں تھی۔

جو زاروقطار روتے ہوئے سینے پر ہاتھ مار رہی تھی۔

ثمین کو اس بیچاری پر ترس آیا۔

لیکن

مریض کی حالت کے پیش نظر وہ اسے اندر نہیں بلا سکتی تھی۔

ثمین نے تنویر کی طرف دیکھا اور نیم سوالیہ انداز میں بولی "اب تو ہارٹ کے اندر انجکشن ایڈرینالین لگانا پڑے گا ___"

تنویر نے سرہلا دیا۔

"سٹاف انجکشن تیار کرو ___" ثمین نے نرس کو ہدایات دیں۔

جب تک بڑی سی سرنج میں انجکشن تیار ہوتا۔ نرس ای سی جی مشین لے آئی تھی۔

تنویر نے جلدی جلدی تاریں مریض کے ساتھ جوڑ دیں۔

ریڈنگ لینے پر ای سی جی مشین کے کاغذ پر سیدھی لکیر ہی آئی۔ نرس انجکشن لا رہی تھی۔ ثمین نے تیزی سے کہا "جلدی سٹاف ___"

اس نے بڑھ کر نرس سے انجکشن لے لیا ___ اور مریض کے سینے پر جگہ متعین کرکے انٹرا کارڈیک انجکشن لگایا۔

انجکشن لگتے ہی تنویر نے تیزی سے کہا "ہٹو تم ___"

ساتھ ہی

اس نے

ایک بھرپور مکہ مریض کے سینے پر مارا۔ اور زور زور سے ہاتھ کی ہتھیلی سے اس کا سینہ دبانے لگا۔

ثمین نے ایک اور انجکشن شریان میں لگانے کے لئے سسٹر کو تیار کرنے کیلئے کہا اور

دوبارہ آکسیجن ماسک مریض کے نیلے ہوئے چہرے پر لگا دیا۔

تقریباً پانچ منٹ تک وہ دونوں C.P.R کرتے رہے۔

اس کے بعد سبین کو لگا جیسے مریض نے خود سانس کھینچی ہے۔

"ٹھہرو" سبین تقریباً چلائی

تنویر رک گیا۔

سبین کا اشارہ سمجھتے ہوئے اس نے دوبارہ ای۔ سی۔ جی پر ریڈنگ لی۔

اس بار لائن سیدھی نہ تھی۔

بلکہ

زندگی کی نشاندہی کرنے والی لائنیں ٹیڑھی میڑھی آ رہی تھیں۔

دونوں کے چہرے پر مسرت کے آثار لہرائے۔

سبین نے نرس سے کہا "سٹاف بی پی چیک کریں"

نرس نے بی پی والا آلہ لگایا اور بی پی چیک کرنے لگی۔ دو تین بار اس نے اوپر جا اور نیچے آنے والے مرکری پر نگاہ ڈالی۔

پھر بولی "ڈاکٹر اوپر والا تیس ڈگری ہے۔ نیچے والا ریکارڈ نہیں ہو رہا۔"

تنویر نے جلدی سے مریض کی نبض دیکھی

"اس کو ڈوپاسین انفوزین دیں" تنویر نے جلدی سے کہا

"ہاں 6 قطرے ہر منٹ" سبین نے جلدی ہی میں جواب دیا۔

اب دونوں پر امید ہی تھے۔

سبین نے نرس سے کہا تھا "ہر پانچ منٹ پر بی پی لیتی رہیں ___"

"نہیں۔ یہ آلہ یہیں ہے۔ میں خود بی پی چیک کرتا رہوں گا۔"

اگر سبین زنانہ وارڈ میں ایسا ہی کیس کر رہی ہوتی تو وہ بھی یہی کرتی۔ مریض کے ساتھ ہی رہتی۔ یہی تو ان کا فرض تھا۔ کہ آخری وقت تک مریض کو چھوڑنا نہیں۔

اب سبین جاگ تو چکی تھی۔

اس لئے سوچا۔ کہ وہ اپنے وارڈ کا چکر بھی لگا ہی لے۔

اپنے وارڈ کی طرف آئی تو تقریباً سارے مریض سکون ہی سے تھے۔ صرف ایک مریضہ کراہ رہی تھی۔ جسے تیز بخار تھا۔ اور رات سبین کے ہدایات دینے کے باوجود مریضہ کو وہ دوائی نہیں دی گئی تھی۔ جو دینا چاہئے تھی۔

سبین نے نرس کو بلایا۔ کوتاہی کرنے والی نرس کی ڈیوٹی رات ختم ہو چکی تھی اب اس نے وارڈ میں موجود نرس کو دوائی لانے کے لئے کہا۔ پھر خود اپنے سامنے مریضہ کو دوائی کھلائی۔ اس مریضہ کو ٹھنڈے پانی کی پٹیاں بھی لگانا تھیں۔ اس نے نرس کو بتا دیا۔

باقی سب مریض تقریباً اچھے ہی تھے۔ کچھ خواتین سو رہی تھیں۔ جو جاگ رہی تھیں انہوں نے سبین کو سلام کیا ___ سبین نے شفقت سے ان کی احوال پرسی کی۔

وارڈ کا راؤنڈ لے کر وہ باہر نکلی

اور

تنویر کے وارڈ میں دوبارہ آگئی

تنویر ہر پانچ منٹ بعد مریض کا بی پی چیک کر رہا تھا۔ وہ بیڈ کے پاس گئی تو تنویر نے مسکرا کر کہا "بی پی 100 / 70 ہے مریض کافی Stable ہے"

"گڈ" مریض کی پروگرس اطمینان بخش تھی۔

"اب یہ انفیوژن بند نہ کر دیں" تنویر نے مشورہ لیا۔

"ہاں" سبین ریلیکس ہو کر بولی "صحیح ہے"

"تو چلو ٹھیک ہے" تنویر نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔

شاف کو انفیوژن بند کرنے کا کہہ کر دونوں نرسنگ سٹیشن پر آکر بیٹھ گئے

سٹیتھو سکوپ ہاتھ میں پکڑے پکڑے تنویر نے ایک طویل انگڑائی لی ___ اور تھکے ہوئے انداز میں بولا "آج تو رات بھر ایک منٹ بھی سونا نصیب نہیں ہوا"

"کیوں" سبین نے پوچھا۔ "کیا کرتے رہے"

"بس" تنویر نے ہاتھ تساہل سے گراتے ہوئے کہا "پہلے تو وہ بیڈ نمبر چھ والا مریض

تنگ کرتا رہا۔ اس کے پیٹ میں درد تھا۔ پھر وہ نو نمبر ____ شوگر کا مریض ہے اس کی کل انسولین کی ڈوز متعین کرنی ہے۔ ڈاکٹر ہاشم کہہ گئے تھے۔ کہ آدھے گھنٹے بعد اس کی شوگر ٹسٹ کرنی ہے ____"

"اوہ"

"بس وہی ٹسٹ کرتا رہا"

"اور پھر اس ہارٹ پیشنٹ کی وجہ سے جاگنا پڑا۔"

"ہاں ____" تنویر بولا "لیکن مجھے خوشی ہے کہ ہماری تگ ودو کام آئی اور یہ مریض بچ گیا۔ جوان ہے بالکل۔ شاید دو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ____"

کچھ دیر اس سے گپ شپ لگانے کے بعد ثمین ڈاکٹرز روم میں واپس آگئی ____ اس نے سوچا تھا اب سوئے گی نہیں۔ ذرا کمر سیدھی کرلے گی۔

لیکن

اسے آئے ابھی آدھا گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا۔ کہ نرس پھر بلانے آگئی۔

"اوہو۔ اب کیا ہے" وہ بولی۔

"جلدی سے آجائیں۔ ڈاکٹر تنویر بلا رہے ہیں۔ اس مریض کی حالت پھر بگڑ گئی ہے"

نرس پیغام دے کر واپس لپکی۔

ثمین بھی اس کے پیچھے تیز تیز قدموں سے چلتی وارڈ میں آگئی۔ تنویر اس مریض کے ساتھ لگا تھا ___

"اوہو ____ نو ____ اگین" اس کے منہ سے انگریزی کے الفاظ نکلے۔

"پیشنٹ بی پی لس اور پلس لیس ہوگیا ہے" تنویر نے بھی انگریزی میں جواب دیا۔

"اچھا بھلا چھوڑ کر گئی تھی میں" ثمین نے پریشانی سے کہا۔

دونوں اس پر جھکے تھے

لیکن

اس بار ان کی بھرپور کوششوں سے بھی نبض دوبارہ ہاتھ نہ آئی۔

ساری کوششیں رائیگاں گئیں۔

مریض خاموشی سے چل بسا۔

تنویر اور ثمین بے دم سے ہوگئے۔ مریض کے لواحقین کو پتہ چلا۔ تو وہ رونے پیٹنے لگے ____ مریض کی ماں اور بیوی کی حالت تو دیکھی نہ جاتی تھی۔ ثمین وہاں سے ہٹ گئی ____ اس کی آنکھوں سے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔ وہ بہت ڈسٹرب ہوگئی تھی ڈاکٹرز کے سامنے مریضوں کا دم توڑ جانا کوئی نئی بات نہ تھی۔ لیکن اس مریض کے لئے اس کا بہت دل دکھا تھا۔ جو زندگی کی طرف لوٹ کر پھر موت سے ہمکنار ہوگیا تھا۔

وہ وارڈ سے چلی گئی۔

تنویر نے مریض کے تین ڈ-تھ سرٹیفکیٹ بنائے اور ان کے لواحقین سے دستخط کرانے کے بعد وارڈ بوائے سے ڈیڈ باڈی ان کے حوالے کرنے کا کہہ کر وارڈ سے باہر چلا گیا۔

دکھ اسے بھی بہت ہوا تھا۔ وہ باہر نکلا تو ثمین وارڈ کے باہر کھڑی دوپٹے کے آنچل سے اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔

"بس خدا کی قدرت ____" وہ بولا "رات بھر جس کے لئے اتنے جتن کئے۔ وہ کتنی آسانی سے مر گیا ____"

وہ ثمین کو تسلی دیتے ہوئے ڈاکٹرز روم میں چلا گیا۔

صبح ماہ نور اور دوسرے ڈاکٹرز کی وجہ سے ثمین کچھ بہل گئی ____ پھر بھی ذہنی اور جسمانی تھکان کی وجہ سے وہ جلدی گھر آگئی

رحمان بابا نے گیٹ کھولا اور اسے ہاتھ اونچا کرکے سلام کیا۔ "کیسے ہو بابا" ثمین نے گاڑی سے اتر کر لاک کرتے ہوئے چوکیدار سے پوچھا۔ کھچڑی بالوں گھرے سانولے رنگ کا دبلا پتلا رحمان بابا اس کے دادا کا پرانا چوکیدار تھا۔ گھر والوں کی عزت احترام دل سے کرتا تھا۔ اب حیدر زمان زندہ نہیں تھے۔ لیکن ان کی آل اولاد تو تھی۔ سب کی بہت عزت کرتا تھا۔

سبین اندر آئی تو اماں فضیلت نے بلائیں لیں "ہائے میری بچی اتنی سخت ڈیوٹی
موئی ڈاکٹری کیوں کی تھی بیٹا ___"

سبین نے اماں کے کندھے پکڑ کر پیار سے جھنجھوڑے اور بولی۔ "کھانا تیار ہے۔"

"ہاں بیٹا۔ ابھی پھلکا ڈال دیتی ہوں۔" وہ کچن کی طرف بڑھی۔ سبین بھی اس
پیچھے آئی "کیا پکایا ہے۔"

سبین نے ککر کا ڈھکنا اٹھایا۔ پھر ساتھ پڑی دوسری دیگچی میں جھانکا۔ اماں مسکرا
سبین کی پرانی عادت تھی۔

دال ماش اسے بہت پسند تھی۔ اماں ساتھ دوسرے لوازمات بھی تیار کرتی تھی۔
بھی دال ماش پکی تھی۔ دیگچی میں چکن ابلا ہوا تھا۔ تلنا باقی تھا۔ اماں نے اسکی پسند
دفیفے ٹماٹر اور سبز مرچ کی چٹنی بھی بنائی ہوئی تھی۔

"واہ ___ " سبین نے بنا کچھ چکھے ہی چٹخارہ لیا۔ پھر مڑتے ہوئے بولی" اماں ج
سے کھانا لگا دو ___ میں آج بہت تھکی ہوئی ہوں۔ کھانا کھا کر لمبی تان کر سوؤں گی ۔

"نہیں بیٹا۔ کھانا کھا کر تائی کے ہاں جانا ہے"

"کیوں"

"تمہاری پھپھو اور ثمن بھی آئی ہوئی ہیں۔ طیب صاحب بھی شاید آچکے ہوں"

"خیریت؟"

"ان کی منگنی کی مووی آئی ہے۔ سب مل کر دیکھیں گے۔ تائی صاحبہ تو دو دفعہ پ
بھجوا چکی ہیں۔ کہ سبین آتے ہی ادھر آجائے ___"

"میں نہیں جاؤں گی۔ میں سوؤں گی"

"نہ بچی ___ چلی جانا تھوڑی دیر کیلئے۔ نہ گئی تو سب باتیں بنائیں ___"

"پہلے کونسی نہیں بناتے ___"

"پھر بھی۔ وہ خاص طور پر تمہیں بلا رہے ہیں۔ مووی دیکھنے کے لئے بھی تم

انتظار ہو رہا ہے ___"

"واہ ___ وا ___ میرا انتظار"

"ہاں ___ تائی تو کہہ رہی تھیں۔ فنکشن میں تو شرکت نہیں کی۔ سہیلی کی شادی پر
جانا ضروری تھا۔ اب مووی تو دیکھ لے ___"

"کیا ضروری ہے" سبین نے جرح کی

"بیٹی ___ تم اپنی طرف سے انہیں باتیں بنانے کا موقعہ نہ دیا کرو۔ تھوڑی دیر بیٹھ
کر چلی آنا پھر رات تک پڑی سوتی رہنا ___ اور ہاں پھپھو نے تم سب لڑکیوں کو جوڑے
بھی دیئے ہیں۔ وہ بھی ادھر ہی لائی ہوئی ہیں ___"

"جوڑے کس خوشی میں"

"اے ہے۔ خاندان کے بڑے بیٹے کی منگنی ہوئی ہے۔ اسی خوشی میں جوڑے دیئے
ہیں پیسے کی کونسی کمی ہے۔ خوشی کی بات ہے نا ___"

سبین نے کندھے اچکائے منہ بنایا ___ اور بولی "تم کھانا رکھو۔ میں ہاتھ روم سے
ہو کر آتی ہوں ___"

"اچھا ___ لیکن سونے سے پہلے ادھر ضرور جانا ___"

"اچھا بھئی چلی جاؤں گی ___ سر نہ کھاؤ۔ ایک تو تم ان لوگوں کے رعب میں پتہ
نہیں کیوں آجاتی ہو ___"

اماں نے کیا جواب دیا

اس نے سنا نہیں

وہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

کھانے کے بعد وہ بے دلی سے تائی کی طرف چلدی ___ خیال تھا تھوڑی دیر بیٹھ کر
آجائے گی۔

لیکن

وہاں تو بہت سارے لوگ جمع تھے۔ تقریباً ساری ہی کزن لڑکیاں اور سارے کزن

لڑکے آئے ہوئے تھے۔ تائی پھپھو اور سعدیہ بھی تھیں۔ طلحہ اور طیب ایک صو۔
بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے۔ ٹی وی پر کوئی پروگرام چل رہا تھا۔ منگنی کی فلم وی سی
میں ڈال دی گئی تھی ___

اس نے سب کو سلام کیا۔ ثمن اور صبیحہ وغیرہ اٹھ کر تپاک سے گلے ملیں۔ ط
اور طلحہ نے بھی اس کے سلام کا جواب خوشگوار انداز میں دیا ___ عمرانہ اور عامرہ
مسکرائیں۔ پھپھو نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا "شکر ہے مووی دیکھنے تو آ گئی"

تائی بولیں "میں نے فضیلت کو دو تین بار پیغام بھیجا تھا۔ کہ اسے آتے ہی یہاں
دے"

"رات تم گھر پر نہیں تھیں" ثمن نے کہا "میں نے دو بار فون کیا تھا ___"

سبین اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی "پورے بتیس گھنٹوں کی ڈیوٹی دے کر
ہوں"

تائی نے معنی خیز نظر مند کی طرف اچھالی ___ وہ اس ڈیوٹی کو بہانہ سمجھ رہی تھیں
وہ اکثر کہتیں "اللہ جانے کہاں رہتی ہے ___"
شک کا اظہار ان کے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی۔

وہ
بھی
اس کی عادی ہو چکی تھی۔ تائی کی معنی خیز نظر بھانپ تو لی۔ لیکن چپ ہی رہی _
سب گپ شپ میں مصروف تھے۔ ثمن نے اسے بتایا کہ مووی بڑی زبردست
ہے۔

"تقریب بھی زبردست ہی ہوگی" وہ بولی
"تم ہوتیں نا تو دیکھتیں" ثمن نے کہا "خیر اب مووی دیکھو گی تو پتہ چل جائے گا"
مووی واقعی زبردست تھی ___ خوب ہلا گلا تھی ___ لڑکے لڑکیاں ناچ ناچ

پاگل ہو رہے تھے۔ تیز میوزک سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔
دلہن نے بڑا خوبصورت اور بڑا ہی ڈیسنٹ کام سے بھرا جوڑا پہنا تھا۔ وہ بہت پیاری
بھی لگ رہی تھی۔

"جوڑا بہت شاندار ہے" سبین نے پھپھو کی طرف دیکھا

"پورے تیس ہزار کا بنا ہے" پھپھو اترائیں۔

"ہوں" سبین نے آنکھیں مٹکائیں۔ پھر طیب بھائی کو اتنی خوبصورت دلہن ملنے پر
مبارکباد دی۔

"خالی خالی مبارک نہ دو سبین" صبیحہ جلدی سے بولی۔

"تو" سبین نے کہا

"طیب بھائی سے پہلے ٹریٹ لیں گے" فریحہ نے کہا

"بالکل" ثمن اور دوسری لڑکیوں نے تائید کی۔

سبین نے مسکرا کر بڑے تفاخر سے طیب بھائی کو دیکھا۔ وہ کہنے ہی کو تھی۔ کہ اس
معاملے بھی جیت چکی ہے۔

لیکن
طیب نے گھبرا کر ماں کو دیکھا

اور
آنکھوں کے اشارے سے اسے کچھ کہنے سے منع کیا۔
وہ کھکھلا کر ہنس پڑی۔ سب کے لئے اس کی یہ ہنسی بے تکی بے محل تھی۔
لیکن
طیب اور وہ اصل معاملے جانتے تھے۔ وہ ہنسے گئی ___ تیکھی نظروں سے طیب کو
دیکھے گئی۔
طیب آنکھوں کے اشارے سے اسے منع کئے گئے۔

"واہ بزدل بہادر صاحب" سبین نے دل ہی دل میں کہا ___ اس کی آنکھیں اور

لب دیر تک مسکراتے رہے۔

محفل جمی رہی۔ مووی کے دوران نوکرانیاں پھل وغیرہ رکھ گئیں۔ شیر چائے کا بھی اہتمام تھا۔ کھاتے پیتے سب باتوں میں مصروف تھے۔ مووی پر خوشگوار سے تبصرے بھی ہو رہے تھے۔ نئے سمدھیوں کی تعریفوں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ اور دلہن کے حسن کے چرچے بھی ہو رہے تھے۔

مووی ختم ہوئی

تو

سب نے خوب خوب تعریفیں کیں۔

پھر ثمین اٹھ کر جانے لگی تو ___

پھپھو بولیں "اپنا جوڑا تو لیتی جاؤ"

"جوڑا" ثمین نے حیرت سے پھپھو کو دیکھا

"ہاں بھئی" فریحہ جلدی سے بولی "پھپھو نے طیب بھائی کی منگنی کی خوشی میں خاندان کی سب لڑکیوں کو جوڑے دیئے ہیں۔ اس نے میز پر رکھا اپنے جوڑے والا لفافہ اٹھا کر جوڑا ثمین کو دکھایا۔ "یہ دیکھو میرا جوڑا ___"

ثمین نے دیکھا چائنیز سلک کا وہ خوبصورت جوڑا تھا۔

"میں نے تو بوتیک سے شیشے کے کام والا پسند کیا تھا۔ صبیحہ بولی۔ "پھپھو نے وہی لے دیا۔" بہت ہی خوبصورت نئے فیشن کا جوڑا تھا۔ سب لڑکیوں کے جوڑے وہیں رکھے تھے۔ وہ ثمین کو دکھانے لگیں۔ جوڑے واقعی خوبصورت اور قیمتی تھے ثمین نے سب کی تعریف کی۔

"ثمن ثمین کا جوڑا بھی تو اسے دو"

ثمن ماں کے کہنے پر کونے والا میز پر رکھا لفافہ اٹھا لائی "یہ لو ___"

"شکریہ" ثمین نے لفافہ پکڑتے ہوئے کہا

پھر

لفافے میں سے کپڑا نکالا۔

تیز شوخ اور رنگ برنگے پھولوں والا کپڑا دیکھتے ہی اس کے چہرے پر ناپسندیدگی کے واضح آثار نمودار ہوگئے۔ دوسری سب لڑکیوں کے جوڑے بہت خوبصورت اور ڈیسنٹ تھے۔

لیکن

اس کے لئے

یہ جوڑا؟

کیا دانستہ ایسا خریدا گیا تھا؟

یا سب لڑکیوں نے اس کے آنے سے پہلے اپنی اپنی پسند کے جوڑے اٹھا لئے تھے اور یہ جوڑا بچ گیا تھا۔ جو اس کے لئے رکھ دیا گیا تھا۔

سب لڑکیاں اس کی ناپسندیدگی بھانپ گئیں۔ انہیں پتہ تھا۔ ثمین کی پسند بہت اچھی اور اعلےٰ ہے۔ ثمن کو تو برا بھی لگا کہ اس کے لئے یہ جوڑا کیوں رکھا گیا۔

پھپھو اور تائی نے ثمین کی ناپسندیدگی بھانپ لی۔ ناک منہ چڑایا آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے کئے۔

پھپھو برا مانتے ہوئے بولی "ثمین شکریہ تو کہہ دیتیں۔ لگتا ہے جوڑا پسند نہیں آیا ___ ویسے میں نے تو سوچا تھا۔ جیسی شوخ و شنگ تم ہو۔ ویسا تمہارے لئے جوڑا بھی چاہئے ___"

"شوخ رنگ تتریوں کی طرح لگتا ہے" تائی نے تمسخرانہ انداز میں کہا

"امی اگر ثمین کو یہ رنگ پسند نہیں تو پھپھو کوئی اس کی پسند کا جوڑا دلوادیں" طلحہ جانے کیوں بول اٹھا

"اے تو چپ رہ ___ عورتوں کی باتوں میں کیوں بول رہے ہو" تائی نے اسے ڈانٹا۔

ثمین نے موضوع بنتے دیکھ کر تھوک نگلا اور کوشش کے باوجود جوڑے کی تعریف نہ

کرسکی پھر بھی بولی "چلئے ٹھیک ہی ہے۔ شکریہ پھپھو"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ لفافہ ہاتھ میں لئے وہ سب کو ناگواری سے سلام کرتے ہوئے نکل گئی ___

گھر آکر اس نے جوڑے والا لفافہ اماں فضیلت کی طرف اچھال دیا "یہ دیکھو میر لیے جوڑا آیا ہے"

اماں کی بھلا کیا پسند؟ بولی "خدا مبارک کرے"

ببین بولی "مجھے نہیں ___ تمہاری کسی بیٹی کو"

"کیا مطلب؟"

"جب تمہاری کوئی بیٹی تم سے ملنے آئے۔ تو میری طرف سے اسے دے دینا۔ چھو بیٹی کو دینا۔ گاؤں میں پہنے گی تو اس کی بڑی شو ہوگی"

"ہائے بیٹا ___"

"بس کہہ دیا نا۔ میری طرف سے اس کے لئے"

"نہیں جی۔ یہ آپ لوگوں کے خاندان کے شگن کا جوڑا ہے۔ یہ ___"

"جانے دو اماں۔ کوئی شگن وگن نہیں۔ رکھ لو۔ میں نے کہہ دیا ہے نا ___"

وہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

لیکن

بستر پر پڑے رہنے کے باوجود اسے نیند نہ آئی ___ وہ ان سب لوگوں کے روی کے متعلق ہی سوچ رہی تھی ___

خاندان کے لوگ خاص کر بڑے اس کے ساتھ ایسا تحقیر آمیز سلوک کیوں کر تھے۔ کیا اس لئے کہ اس کے ماں باپ نہیں تھے؟ یتیم سے تو ان لوگوں کو ہمدردی ہو چاہئے تھی۔

لیکن معاملہ الٹ تھا۔

وہ سوچ رہی تھی۔ ہو سکتا ہے اس کے والدین کا سلوک ان لوگوں سے اچھا نہ ر

ہو۔ جس کا بدلہ یوں اس سے لیا جارہا تھا۔

لیکن

دادا ابا جب تک زندہ تھے۔ تب تک تو بظاہر سب اس کے ساتھ اچھے ہی تھے۔ اس لئے کہ دادا ابا اسے بہت چاہتے تھے۔ اس کے امی ابو کے حصہ کی جائیداد اور روپیہ پیسہ بھی اس کے نام کر دیا تھا ___

اچانک ہی اسے خیال آیا۔ کہ شاید اس جائیداد کے حصے کی وجہ ہی سے لوگ اس سے یوں جلتے اور اسے اچھا نہ سمجھتے تھے۔ چاہتے ہونگے کہ مرنے والوں کا حصہ انہیں ہی مل جائے ___

پتہ نہیں؟؟

اس نے سر دو تین بار ادھر ادھر جھٹکا ___ اسے کچھ سمجھ نہ آئی۔ تو اس نے اپنے خیالوں پر نفرین بھیجی۔ خود سے کہنے لگی "وہ اسے کچھ نہیں سمجھتے۔ تو یہ انہیں کونسا لفٹ دیتی ہے ___ نہ ان کی بات مانتی ہے نہ ان کے کہے پر عمل کرتی ہے۔ بلکہ انہیں چڑا چڑا کر ایسے کام کرتی ہے۔ جو شاید اسے نہیں کرنے چاہئیں ___ خیر ___ وہ اپنی دنیا آباد کر چکی تھی اور اس میں بہت خوش تھی ___ اس کے اپنے پروگرام تھے اپنے دوست تھے اور اپنی خوشیاں تھیں ___"

وہ کروٹ بدل کر سارے دکھ اور اذیت دینے والے خیالات ذہن سے جھٹک کر کل کے پروگرام کا سوچنے لگی۔ ایک ڈانس پارٹی میں وہ سب فرینڈز جارہے تھے۔

کتنا مزہ آئے گا

پھر اس نے سوچا

رات کے ایک دو تو بج جائیں گے ___ اور ___ تائی؟ یہ دیکھنے کے لئے وہ کب واپس آئی ہے آدھی رات تک جاگتی رہے گی۔

اس نے کھلے دل سے قہقہہ لگایا۔

اور

کروٹ بدل لی۔

وہ بڑی تندہی سے اپنے مریض کا پیٹ دبادبا کر چیک کر رہی تھی۔ یہ پیشنٹ آج ہی آوٹ ڈور سے وارڈ میں شفٹ ہوئی تھی۔ سبین نے اس کی ہسٹری لے لی تھی۔ اور پوائنٹس چارٹ پر بھی لکھائے تھے۔ اب مریضہ کا معائنہ کرنا تھا۔ اس کو محسوس ہو رہا تھا۔ کہ مریضہ کا جگر بڑھا ہوا ہے۔ اور اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے وہ یہی کنفرم کر رہی تھی۔

وہ

اپنے کام میں اتنی مصروف تھی۔

کہ

اسے

ماہ نور کے آنے کی خبر ہی نہ ہوئی۔

وہ بیڈ سے ذرا ہٹ کر اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ اور اس کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔

جب

ماہ نور نے دیکھا کہ اس کا کام لمبا ہوتا جا رہا ہے

تو اس نے اس کی پشت پر آتے ہوئے اسے آواز دی "سبین ___"

سبین نے جھکے جھکے پلٹ کر اسے دیکھا اور پوچھا "کیوں؟"

"ذرا میری بات پہلے سن لو" ماہ نور جو گلابی جوڑے پر اوور آل پہنے گلے میں سٹیتھو سکوپ ڈالے کھڑی تھی بولی۔

سبین چونک کر سیدھی ہوتے ہوئے بولی "خیریت؟"

"سنو" اس نے اس کا بازو پکڑا

"کیا؟ جلدی کہو۔ دیکھ نہیں رہی ہو۔ کہ میں پیشنٹ کا معائنہ کر رہی ہوں" وہ جھلا کر بولی

تو

ماہ نور نے جلدی سے کہا "ایک تو تمہارے بھلے کی بات کر رہی ہوں۔ اس پر جھلا کیوں رہی ہو ___"

"اچھا بکو" سبین نے تیوری چڑھائے ہوئے کہا۔

"محترمہ بکتی ہوں۔"

"ہوں"

"وہ جو میڈیکل یونٹ سے کل تم نیبولائزر (Nebulizer) لے کر آئی تھیں"

"کل نہیں پرسوں ___"

"ہاں ہاں پرسوں۔ یعنی اور بھی پرانی بات ہے۔ تو وہ نیبولائزر تم نے واپس کیوں نہیں کیا۔"

سبین سوچ میں پڑ گئی۔ گلے میں پڑے سٹیتھو سکوپ کو یونہی پکڑ پکڑ کر چھوڑتے ہوئے پریشانی سے بولی "وہ ___ وہ اس وقت وارڈ بوائے کہیں گیا ہوا تھا۔ اور ___ اور"

وہ پریشان نظر آنے لگی۔

"اور ___ اور کیا" ماہ نور اس کی پریشانی سے حظ اٹھاتے ہوئے مسکرائی

"اور ___ بعد میں میں بھول گئی ___" وہ ہکلا سی گئی۔

"بس تو اب بھگتو" ماہ نور نے کہا

سبین گھبرا گئی ___ اس نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔

ماہ نور بولی "ڈاکٹر قیوم نے کہا ہے۔ کہ ان کے پاس دوسرے وارڈ سے شکایت آئی ہے۔ ان کا اتنا سیریس مریض ہے ___ اور دو دن سے نیبولائزر غائب تھا۔ اب تمہیں بلوایا ہے۔ نیبولائزر کے ساتھ ___"

سبین نے پریشانی سے اپنی خوبصورت آنکھیں جھپکا جھپکا کر دیکھا اور وہیں بیڈ کے ساتھ رکھے چھوٹے سے بنچ پر بیٹھ گئی۔

اس کی پریشانی دیکھ کر ماہ نور کا دل پسیج گیا۔ وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے بولی "اچھا اب اتنا پریشان نہ ہو۔ میں مذاق کر رہی ہوں۔ کوئی سیریس مریض نہیں تھا ان کا وہاں دوسرے وارڈ والوں نے اس سلسلے میں یہ شکایت سر سے ضرور کی ہے۔ کہ یہ ڈاکٹر کی لاپرواہی ہے۔ جس پر سر کچھ ناراض ضرور ہوئے ہیں۔ تمہیں پتہ تو ہے سر قیوم اصولوں کے کتنے سخت ہیں ــــ"

ماہ نور نے سبین کو کافی تسلی دی۔

لیکن

سبین پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ بیحد پریشان تھی۔

"اب ہل بھی چکو" ماہ نور نے اس کا کندھا ہلایا۔

سبین رونی صورت بنا کر بولی۔ "کیا فائدہ ــــ وہ نیبولائزر تو میں نے تنویر کے لاکر میں رکھوا دیا تھا۔ تاکہ ادھر ادھر نہ ہو جائے"

"اور ــــ ڈاکٹر تنویر آج چھٹی پر ہے۔" ماہ نور نے اب خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھا

"ہاں" وہ انتہائی بے چارگی سے بولی۔

"یا خدا ــــ یہ کیسی لڑکی ہے۔ میری سمجھ میں تو تمہاری باتیں نہیں آتیں"

"ماہ نور نے غصے سے کہا اور وہاں سے ہٹ گئی ــــ

سبین کو اس کی بات پر غصہ تو آیا لیکن پی گئی۔ ہاں سخت لہجے میں بولی "دفع ہو جاؤ میں خود سنبھال لوں گی ــــ"

ماہ نور نے پلٹ کر اسے دیکھا غصے سے اس کے گال تمتما اٹھے تھے۔ پریشانی اور غصے میں وہ اور بھی کیوٹ لگ رہی تھی۔ ماہ نور کو اس پر ترس آگیا۔ آخر وہ اس کی بہت اچھی اور بڑی مخلص دوست تھی۔

وہ جلدی سے اس کے قریب آئی اور گلے میں پڑے سٹیتھو سکوپ سے کھیلتے ہوئے بولی "اچھا بابا۔ اب ناراض نہ ہو۔ یوں کرو۔ ابھی سینئر رجسٹرار ڈاکٹر فرزانہ کے پاس چلی جاؤ۔ سنا ہے وہ بہت اچھی ہیں۔ ان سے ساری بات کہہ دینا ــــ کہہ دینا کہ کل لادوں گی۔ سوری دوری کر لینا۔"

"ہوں" سبین سوچ میں پڑ گئی۔

ماہ نور نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا اور بولی "بلکہ سر قیوم کے پاس جانا ہی نہیں سیدھی ڈاکٹر فرزانہ ہی کے پاس چلی جاؤ ــــ"

سبین خوش ہو گئی "ٹھیک ــــ"

اور

پھر چٹکی بجا کر بولی "بالکل ٹھیک۔ سر قیوم نے پوچھا بھی تو میں کہہ دوں گی۔ کہ سر میں تو رجسٹرار صاحبہ سے کہہ آئی تھی۔ انہیں آپ کو بتانا یاد نہ رہا ہوگا۔"

"چلو ایسے ہی کرنا ــــ اب ہل بھی چکو ــــ"

"ابھی چلتی ہوں"

ماہ نور نے قدم اٹھائے۔ وہ وارڈ کے بیڈز پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالتے ہوئے چلنے لگی۔

سبین نے مریضہ کی رشتہ دار کو کچھ ضروری ہدایات دیں اور لپک کر ماہ نور کے پیچھے چلدی۔

"ماہ نور۔ میرے ساتھ چلوگی" سبین نے کہا

"نہیں بھئی۔ میں نے تو اپنے وارڈ میں جانا ہے فارغ نہیں ہوں بمشکل وقت نکال کر تمہیں بتانے آگئی تھی۔ خود ہی چلی جاؤ نا۔ ڈاکٹر فرزانہ کھا تو نہ جائے گی تمہیں۔"

ماہ نور اپنے وارڈ میں چلی گئی ــــ

سبین برآمدوں میں سے تیز تیز قدموں سے چلتی آگے بڑھ گئی۔

"السلام علیکم ڈاکٹر صاحب" ایک وارڈ کے باہر وارڈ بوائے نے اسے پہچان کر سلام کیا

"وعلیکم السلام" اس نے کہا پھر بولی "تمہارا نام ___"

"کالے کہتے ہیں جی سب" وہ اپنے پیلے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے بولا۔

"اوہ اچھا یاد آگیا ___ تمہاری ڈیوٹی ڈاکٹر فتح کے وارڈ میں لگی تھی نا چند ماہ پہلے"

"جی جی۔" وہ جلدی سے بولا

"ٹھیک ٹھاک ہو" اس نے مروت کا اظہار کیا

"جی بالکل" وہ بولا۔

سبین آگے بڑھ گئی۔ کافی دور جانے کے بعد بھی اسے ڈاکٹر فرزانہ کے آفس کا پتہ نہ چلا تو مڑ کر وہ کالے کے پاس آئی

"کالے" اس نے کہا

"جی ڈاکٹر صاحب" وہ بولا

"ڈاکٹر فرزانہ کا آفس کدھر ہے"

"جی ڈاکٹر فرزانہ؟"

"ہاں"

"انکی تو کافی دن ہوئے ادھر سے پوسٹنگ ہوگئی تھی۔"

"اوہ" وہ کچھ پریشان ہوئی۔ پھر سر کو ہلکا سا جھٹکا دے کر آگے کو جھک آنے والے ریشمی بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے بولی "اب ادھر رجسٹرار کون ہیں"

"میڈم ڈاکٹر راشد صاحب ہیں ___"

"وہ تو جونیئر رجسٹرار ہیں سینئر کون ہے"

"جی وہ کوئی نئے ڈاکٹر صاحب آئے ہیں"

"نئے"

"جی ہاں بڑے رعب والے ہیں۔ سخت قسم کے ہیں۔ بڑا غصے ہوتے ہیں۔ کوئی غلط بات ہو جائے تو"

"سبین کو پریشانی نے آلیا۔ لیکن کالے پر ظاہر نہ ہونے دی۔ جھلا کر بولی "نام کیا ہے

ان کا"

"جی مصطفی پتہ نہیں آگے کیا ہے۔ شاید خان ہے یا ملک ___"

"اس وقت کہاں ہونگے؟ کچھ پتہ ہے"

"آفس ہی میں ہونگے۔ تھوڑی دیر ہوئی اندر گئے تھے۔ وہ سامنے ہی ہے ان کا آفس"

کالے نے لان کے باہر والے برآمدے کی طرف اشارہ کیا برآمدے کے پیچھے کمرے ہی تھے۔ کالے پتہ نہیں اور کیا کچھ کہہ رہا تھا وہ سنے بغیر آفس کی طرف جانے کو قدم اٹھا چکی تھی۔

دفتر کے قریب پہنچ کر اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور آگے بڑھ کر دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

"کم ان" اندر سے بھاری مردانہ آواز آئی۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اس کی نظر بڑی سی میز کے دوسری طرف کرسی پر بیٹھے ہوئے ڈاکٹر پر پڑی۔ تو بے اختیارانہ تقریباً چیخنے کے انداز میں اس کے منہ سے نکلا "تم ___ یہاں"

لیکن دوسرے ہی لمحے اسے احساس ہوا کہ وہ سینئر رجسٹرار کے سامنے کھڑی ہے۔ اس لئے جلدی سے لیکن ہکلاتے ہوئے بولی "آ ___ آپ ___ آپ ___"

اس کے سامنے وہی

ٹرین والا بندہ کھڑا تھا۔

حالانکہ

وہ بیٹھا ہوا تھا۔

لیکن

اسے دیکھتے ہی جیسے وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا تھا۔

"آپ یہاں بھی مجھے ڈھونڈتے ہوئے آپہنچیں۔ اپنی بدتمیزی کا مزید مظاہرہ کرنے

کے لئے مگر آپ دیکھ سکتی ہیں۔ کہ میں یہاں کا سینئر ڈاکٹر ہوں" اس نے اپنا تعارف
اور غصیلے لہجے میں کرایا۔

بین کی رنگت فق ہوگئی تھی۔ اس نے تھوک نگلا۔ ٹرین میں اس کے ساتھ کی
بدتمیزی کے پیش نظر وہ اور بھی پریشان ہوگئی۔ کہ ڈاکٹر کو پتہ چل جائے کہ وہ کس ۔
آئی ہے۔ تو اور ہی بگڑ جائے گا۔ اور بدلہ لینے کو شامت لے آئے گا۔ خدا جانے ا
ہتک اور بے عزتی کا کس طور پر انتقام لے۔

وہ چپ دم سادھے کھڑی رہی

تو وہ اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے قدرے ٹھنڈے لہجے میں بولا "آپ بتائیں گی۔ ک
یہاں کس لئے آئی ہیں ___"

بین اور شرمندہ ہوگئی۔ نگاہیں کبھی اٹھاتی کبھی جھکاتی وہ چند ثانئے چپ چاپ کھڑی
رہی۔ اب کیا بتاتی کہ وہ نیبولائزر کے سلسلے میں اسے بتانے آئی ہے۔ سوری کہنے آ
ہے۔ معذرت کرنے آئی ہے۔

اس نے سوچا اگر اس نے ڈاکٹر کے سامنے اپنی یہ کمزوری ظاہر کردی۔ تو وہ اور
بگڑے گا کبھی معاف نہ کرے گا۔ کالے نے بھی تو اس کے متعلق بتایا تھا۔ کہ بڑا رعب
والا اور غصے ور آدمی ہے۔ الٹا اس نے بے عزتی کردی تو۔

پھر

ایک دم ہی اس کے ذہن میں تیزی سے اک خیال آیا۔

وہ جلدی سے بولی "وہ ___ وہ دراصل میں اتنی دیر آپ کا پتہ کرتی رہی۔ آپ کے
بارے میں معلومات حاصل کرتی رہی۔ تب یہاں تک آئی ہوں"

ڈاکٹر کی کشادہ اور خوبصورت پیشانی پر قدرے بل پڑگئے۔ جلدی سے بولے "وہ
کیوں؟؟"

بین نے عجلت سے کہا "آپ سے معافی جو مانگنا تھی۔ اپنی بدتمیزیوں کی۔"
اس نے معصومیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سر جھکالیا۔

ڈاکٹر مصطفیٰ نے پہلے حیرت سے اپنی خوبصورت آنکھیں پھیلائیں۔ پھر قدرے
محظوظ ہوکر اس کی طرف دیکھا۔ ان کی مونچھوں تلے ان کے ہونٹ کچھ مسکرا رہے تھے۔
ظاہر تھا۔ کہ وہ ان سے معافی مانگنے نہیں آئی تھی۔ کیونکہ کمرے میں آتے ہی انہیں دیکھ
کر جس طرح حیرت اور خوفزدگی کا اس نے مظاہرہ کیا تھا۔ وہ یقیناً ان کے کمرے میں
ہونے سے بے خبر تھی۔

لیکن

اب

وہ ایسا کیوں کر رہی تھی۔ وہ اس بات کو انجوئے کرنے لگے۔

وہ بدستور معصومیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی "ہماری غلط فہمی کی وجہ سے جو
بدتمیزی ہم سب سے ہوئی تھی۔ امید ہے آپ معاف کردیں گے"

"بدتمیزی اور توہین آمیز سلوک کرنے میں آپ سب سے پیش پیش تھیں" انہوں
نے بھی مصنوعی غصے سے کھنکارتے ہوئے کہا

"تو مجھے ہی معاف کردیں" وہ رونی آواز بناتے ہوئے بولی۔

"چلیں ٹھیک ہے" وہ اسی لہجے میں بولے

"سچ" بین چہکی اس کے چہرے پر مسرتوں کے رنگ لہرا گئے۔ پلکوں سے بوجھل
پپوٹے اٹھا کر اس نے ممنونانہ انداز میں ڈاکٹر کو دیکھا۔ "آپ تو بہت گریٹ ہیں سر ___
بہت اچھے ___"

پھر

ڈاکٹر کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ان کے چہرے پر نرمی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے آثار
دیکھ کر وہ جرات کرتے ہوئے بولی "سر ایک اور بات کی بھی معافی دے دیں"

"اور بات؟" وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔

"جی" وہ پھر چہرے پر معصومیت پھیلاتے ہوئے ہولے سے بولی۔

"کیا بات ہے" انہوں نے پوچھا

"سر ___" وہ بولی

"ہاں ہاں بتائیں" وہ قدرے نرمی سے بولے

جین نے ہمت مجتمع کی اور نیبولائزر کا سارا مسئلہ بتا دیا۔ چونکہ وہ سر جھکائے ک
تھی۔ اس لئے ڈاکٹر کے چہرے کے بدلتے تاثرات نہ دیکھ پائی۔

وہ چپ ہوئی

تو

ڈاکٹر مصطفیٰ غصے سے پھنکارے "اچھا تو یہ بات تھی۔ اب سمجھا ___ کہ اتنی د
اور معصوم کیوں بن رہی تھیں ___"

جین نے گھبرا کر انہیں دیکھا۔

وہ تو دیکھتے دیکھتے ہی بدل گئے تھے۔

اس نے مری مری آواز میں کہا "سر آپ نے پہلے ___ تو معافی دے دی تھی"

جین کی بات پر ڈاکٹر کو ہنسی تو آئی۔ لیکن ہنسی دباتے ہوئے وہ بدستور سخت لہجے
بولے "دیکھیں بی بی ___ یہ ہوسپٹل کا معاملہ ہے۔ اگر آج کوئی مریض سریس ہو گیا تو
ذمہ دار ہو گی۔"

"جی ___ جی ___ اگر کوئی مریض سریس نہ ہوا تو پھر ___" وہ جیسے بحث ک
جانتی تھی۔

"شٹ اپ ___ میں ایک ذمہ دار ڈاکٹر ہوں۔ ایسا رسک نہیں لے سکتا"
انگریزی میں بولے۔

پھر اٹھ کر اس کے قریب آکر سختی سے بولے "میں تو اس کی شکایت ذاتی طور پر آپ
کے پروفیسر سے کروں گا۔"

وہ خوفزدہ ہو گئی۔ رونی سی صورت بناتے ہوئے بولی "سر اس کی شکائت تو پہلے ہی ہ
چکی ہے ___"

"ہو چکی ہے" وہ سختی سے بولے

"جی ___" وہ جیسے رو دینے کو تھی "اسی لئے تو میں یہاں آئی تھی۔ تاکہ آپ کو
بتا کر معذرت کر لوں۔ اب ڈبل شکائت۔"

"ہاں ___ اب میں خود جا کر شکائت کروں گا" وہ تلخ لہجے میں کہتے ہوئے دروازے
کی طرف بڑھے۔

تو

جین جو اب تک تھوڑی تھوڑی ڈری اور تھوڑی تھوڑی خوفزدگی کی اداکاری کر
رہی تھی سچ مچ ہی ڈر گئی۔

لپک کر بڑھی اور ڈاکٹر کے کوٹ کی آستین پکڑتے ہوئے گھگھیائی "دیکھئے سر آپ یہ
تو نہ کیجئے۔ پلیز ___ یہ تو بڑی زیادتی ہو گی۔"

ایک سینئر ڈاکٹر کا دوسرے سینئر ڈاکٹر سے ذاتی طور پر یوں شکائت کرنا بہت بڑی بات
تھی۔ اسے شدید ڈانٹ پڑتا تھی۔

"کیوں نہ کروں" ڈاکٹر نے جھٹکے سے آستین چھڑا کر غراتے ہوئے کہا "آپ لوگوں
نے میرا لحاظ کیا تھا۔ جو میں کروں"

وہ رک گئے تھے۔ لیکن مڑے بغیر یہ بات کہی

جین جان گئی۔ کہ وہ اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے پر تل گئے ہیں۔ اسی لئے انتہائی نرمی
سے بولی "اس کے لئے میں آپ سے معافی تو مانگ چکی ہوں ___ پلیز ___ آپ ہی
فراخدلی کا مظاہرہ کیجئے۔"

"آپ نے کیا تھا۔ کیا کیا نہیں کہا تھا۔ میں چور ہوں۔" وہ پھنکارے وہ بے چارگی
اور افسوس سے انگریزی میں بولی "مجھے بہت افسوس ہے سر"

"اور میں لٹیرا ہوں" وہ اس کی معذرت کو نظر انداز کرتے ہوئے اس لہجے میں
بولے

"سوری سر ___" وہ واقعی بہت شرمندہ تھی۔

"مجھے پولیس سے جوتیاں پڑیں گی" وہ پھر پھنکارے

"مجھے بیحد ندامت ہو رہی ہے سر" وہ ہکلائی۔

"اور میں بدمعاش ہوں" وہ بولے جا رہے تھے۔

"یہ ___ میں نے کب کہا تھا" اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں

"کہا تھا اور آپ ہی نے کہا تھا" وہ پھر پھنکارے

"سوری" اس نے سر جھکا لیا اور آنسو آنکھوں ہی میں پینے کی کوشش کرنے لگی۔

"اس طرح سوری کرنے سے تو کبھی نہیں بخشوں گا ___ " انہوں نے گھور کرا
دیکھا "اتنی آسانی سے تو معاف نہیں کروں گا ___ "

اب

سبین کو بھی غصہ آ گیا الٹی ہتھیلی سے آنکھیں پونچھتے ہوئے انہیں گھور کر دیکھا
پٹ سے بولی "تو کیا اب مرغا بنوں"

کوشش کے باوجود ان کے لبوں کے گوشے مسکرانے سے باز نہ رہ سکے۔ لیکن انہ
نے چہرے پر تناؤ پیدا کرتے ہوئے کہا "مرغا بننے کے لئے تو نہیں کہوں گا

ہاں آپ اپنی ان تمام سہیلیوں کو لے کر آئیں گی اور ان کے سامنے معافی مانگ
گی"

سبین نے جیسے سکھ کا سانس لیا۔ یہ کوئی بڑی بات نہ تھی۔ سب اس کی بے تکلف
سہیلیاں تھیں۔

لیکن

اسے خیال آیا۔ عائشہ اور مریم تو یہاں نہیں تھیں۔ صرف ماہ نور ہی تھی۔

وہ ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے بیچارگی سے بولی "لیکن میری دو سہیلیاں تو یہاں نہ
ہیں۔ صرف ایک ہے ڈاکٹر ماہ نور ___ "

"ڈاکٹر" وہ بولے

"ماہ نور" سبین نے کہا

ڈاکٹر نے غور سے سبین کو دیکھا اور بولے "آپ بھی ڈاکٹر ہیں؟"

"جی" وہ سر جھکائے جھکائے بولی۔

"جی جی نہ کریں۔ جائیں اور ماہ نور ہی کو لے کر آئیں اور ان کے سامنے مجھ سے
معافی مانگیں" وہ روکھے لہجے میں بولے۔

"اوکے سر" وہ خوش ہو کر دروازے کی طرف بڑھی۔

"دیکھیں" مصطفیٰ نے اسے روکا

"جی" وہ گردن موڑ کر بولی۔

"جب تک آپ ڈاکٹر ماہ نور کے ساتھ آکر سوری نہیں کہیں گی۔ میں چھوڑوں گا
نہیں۔ بھاگنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ آپ ایک بجے سے پہلے نہ آئیں۔ تو میں آپ کے
پروفیسر سے شکایت کروں گا ___ " وہ اتنے درشت اور روکھے لہجے میں بولے کہ سبین
نے ایک لمحہ بھی ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا ___

وہ تیزی سے کمرے سے نکلتے ہوئے بولی "دس منٹ میں آجاؤں گی سر صرف دس
منٹ میں ___ "

اس کے جانے کے بعد مصطفیٰ کرسی میں تساہل سے پڑ گئے۔ گدے دار کرسی کی پشت
پر سر ٹکا کر چند لمحوں کے لئے انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ آنے والے لمحوں کا خوشگوار
اثر وہ ابھی سے اپنے دل میں محسوس کر رہے تھے۔ ٹھیک ٹھاک مزا چکھانے کا ارادہ رکھتے
تھے وہ دونوں کو ___

○ ○ ○

ماہ نور اپنے وارڈ سے باہر نکل رہی تھی۔

اور

ثمین تیز تیز قدم اٹھاتی اسی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

برآمدے میں نرسیں آجا رہی تھیں۔ وہ مریضوں کو دوائی دینے اور ٹمپریچر لینے کے لئے برآمدوں سے ہوتی وارڈوں میں جا رہی تھیں۔ کچھ یہ ڈیوٹی دے چکی تھیں اور ٹرے اٹھائے وارڈوں سے باہر آرہی تھیں۔ کچھ مریض جو تقریباً ٹھیک ہو چکے تھے۔ برآمدوں میں نکل کر باہر کی فضا میں سکون کا سانس لے رہے تھے۔ ایک دوسرے کی احوال پرسی بھی کر رہے تھے۔ اور سیریس مریضوں کے متعلق بھی باتیں کر رہے تھے۔ مریضوں کے کچھ لواحقین بھی ادھر ادھر گھوم رہے تھے ___ کچھ درمیانی لان میں بیٹھے تھے مریضوں کو دیکھنے کے خاص اوقات مقرر تھے۔ لیکن وقت بے وقت اپنے بیمار رشتہ داروں کو دیکھنے آجانا لوگوں کا معمول تھا ___

ماہ نور کسی نرس کو کچھ ہدایت دے ہی رہی تھی

کہ

ثمین نے لپک کر اس کے گلے میں بانہیں ڈالدیں اور اسے تقریباً گھما ڈالا۔

نرس مسکرانے لگی

اور

ماہ نور نے اس کا ہاتھ گلے سے نکالتے ہوئے جلدی سے کہا "کیا ہوگیا ثمین۔ خیر تو ہے"

ثمین خاصی جذباتی ہو رہی تھی۔ خوشی سے گال تمتما رہے تھے آنکھیں خیرہ کن

چمک لئے تھیں۔

"مل گئی معافی" ماہ نور کو یاد آیا۔ کہ وہ ڈاکٹر فرزانہ سے معذرت کرنے گئی تھی نرس ان دونوں کو اتنے بے تکلفانہ انداز میں باتیں کرتے دیکھ کر وارڈ کی طرف چلدی

ماہ نور سے وہ ہدایات لے چکی تھی۔

"ماہ نور ___ ماہ ___ نور" ثمین نے پھر اسی انداز اور اسی لہجے میں کہا

تو

ماہ نور نے اسے دونوں کندھوں سے پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا "کیا ہوگیا۔ بہت خوش ہو۔ لگتا ہے ڈاکٹر فرزانہ ___"

"اے نہیں" ثمین نے اس کی بات کاٹی

"تو ___"

"وہ ___ وہ ___ وہ جو گاڑی والا نوجوان تھا نا"

ایک لمحہ کو ماہ نور کو سوچنا پڑا ___ شاید وہ گاڑی والا واقعہ اس وقت بھول چکی تھی۔

"اے یاد نہیں آرہا۔ وہ جو ہمارے پارلر میں گھس ___"

"اوہ ہاں" ماہ نور نے لمبی سی ہاں کی۔ پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے مستفسرانہ بولی "کیوں کیا ہوا اسے۔ تمہیں کہاں سے یاد آگیا ___"

"ماہ نور وہ ڈاکٹر ہے ___"

"کیا؟"

"وہ یہاں کا سینئر رجسٹرار ہے"

"نہیں ___" ماہ نور نے بے یقینی سے سرہلایا آنکھیں پھیلا دیں اور منہ حیرت سے کھل گیا۔

"یقین کرو ___" ثمین نے اس کا کندھا جھنجھوڑا۔ وہ اب بھی بہت ایکسائیٹڈ تھی۔

"اچھا ___؟"

"ہاں"

"کہاں ملا تمہیں"

"بھئی میں ابھی ابھی ڈاکٹر فرزانہ کے پاس نہیں گئی تھی؟"

"تو ___"

"ڈاکٹر فرزانہ کی تو ٹرانسفر ہو چکی ہے۔ ان کی جگہ کراچی سے یہ نیا رجسٹرار آیا اف اللہ تم میری حالت کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔ جب میں سینئر رجسٹرار کے آفس داخل ہوئی۔ تو میز کے دوسری طرف کرسی پر اسے براجمان پایا ___"

"پھر؟"

"پھر وہ بھی حیرت سے اچھل کر کھڑا ہو گیا ___"

"ہوں"

سبین نے جلدی جلدی ساری کتھا اسے سنادی اور معافی دینے کی جو شرط اس رکھی تھی وہ بتاتے ہوئے بولی "چلو گی نا میرے ساتھ۔ کہیں وہ سچ مچ ہی ڈاکٹر قیوم میری شکایت نہ کردے"

ماہ نور ہنس پڑی۔

پھر

بولی "اچھا بدلہ لے رہا ہے وہ ہیرو ___"

"ہیرو" سبین نے اسے گھورا۔

"ہیرو تو لگتا ہی ہے۔ اتنا سمارٹ اتنا ہینڈ سم یہ اونچا لمبا چوڑا چکلا" ماہ نور نے شو سے کہا

"ہائے ہائے" سبین نے اسے گھورا

"چلو سبین اسے ملنے چلتے ہیں میں فارغ ہی ہوں"

"ملنے نہیں۔ معافی مانگنے ___" سبین منہ بناتے ہوئے بولی۔

"تو کیا ہوا ___ اسی بہانے دیدار تو ہو جائیں گے" ماہ نور نے کندھے اچکائے

آنکھیں نچائیں ___

سبین نے بھی اس خیال سے مسرت سی محسوس کی۔ وہ حقیقتاً اس سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ وہ تھا ہی ایسا۔ مسحور کن شخصیت تھی اس کی ___

معافی مانگنے سے کہیں زیادہ سبین کو بھی اس سے دوبارہ ملنے کا شوق پیدا ہوا۔

"تو چلو" ماہ نور بولی

"چلو ___" سبین نے اس کے سنگ قدم اٹھایا۔ دونوں ساتھ ساتھ چلدیں۔ باتیں بھی کر رہی تھیں ___ اور کچھ کچھ جذباتی بھی ہو رہی تھیں۔

لمبے برآمدے طے کر کے

وہ

پہلے گھماؤ پر مڑ گئیں۔ وارڈوں کے سامنے سے ہوتے ہوئے وہ ڈاکٹر مصطفیٰ کے آفس کے سامنے آگئیں۔

"تم ہی دستک دو" ماہ نور نے سبین سے کہا

سبین کا دل جانے کیوں دھڑک اٹھا ___ گالوں پر سرخی لہرا گئی ___ پھر اس نے ہولے سے دستک دی۔

"کم ان" اندر سے آواز آئی

دونوں دروازہ کھول کر اندر گھس گئیں۔

لیکن

وہاں ڈاکٹر مصطفیٰ کی جگہ ڈاکٹر پراچہ اور ڈاکٹر فاروق بیٹھے تھے۔ دونوں نے مستفسرانہ ان کی طرف دیکھا۔

"ایکسکیوزمی ___" سبین جلدی سے بولی "ڈاکٹر مصطفیٰ صاحب سے ملنا تھا۔ وہ کہاں ہیں ___"

"وہ تو تھوڑی ہی دیر ہوئی آؤٹ ڈور میں کسی کام کے لئے گئے ہیں"

ماہ نور اور سبین نے ایک دوسرے کو دیکھا

"وہیں ہونگے۔ چند منٹ ہی ہوئے وہ یہاں سے گئے ہیں" ڈاکٹر فاروق نے دون
سے کہا

"تھینک یو" ثمین نے کہا اور دونوں دروازے سے باہر آگئیں۔

"آؤٹ ڈور" ثمین بولی

"چلتے ہیں" ماہ نور نے کہا۔

"خاصہ چلنا پڑے گا"

"وہ تو ظاہر ہے۔ محترمہ یہاں گاڑی تو نہیں آسکتی ــــ"

"چلیے"

دونوں باتیں کرتیں آؤٹ ڈور مریضوں کو دیکھنے والے حصے کی طرف چلدیں

وہاں بھی انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا ــــ

ڈاکٹر فواد اور ڈاکٹر زینب وہاں مریضوں کو دیکھنے میں مصروف تھے باہر مریضوں ا
ان کے ساتھ آنے والوں کا کافی رش تھا۔

ثمین اندر گئی ــــ اور زینب سے ڈاکٹر مصطفیٰ کا پوچھا

"ابھی آئے تو تھے" زینب نے گردن اٹھا کر ثمین سے کہا ــــ وہ اسے جانتی تھ
اس لئے حال احوال پوچھنے لگی۔

ثمین جواب دیتے ہوئے جلدی سے بولی "کچھ پتہ ہے ڈاکٹر مصطفیٰ اب کہاں گ
ہیں۔"

"شاید ایمرجنسی ــــ"

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ــــ دونوں کے چہروں پر تھکن تھی۔ اب
اتنی دور اور چل کر جانا پڑے گا ــــ ایمرجنسی کے لئے انہیں کم از کم دو کلو میٹر چل ک
جانا تھا ــــ

ثمین کی اونچی ایڑھی کے جوتے نے تو ابھی سے اس کے پاؤں تھکا دیئے تھے۔ ماہ نو
کا موڈ بھی اب مزید چلنے کا نہیں تھا۔

لیکن

ثمین نے تو ضروری جانا تھا۔

اور

ثمین کا ساتھ اس نے بھی دینا ہی تھا۔

دونوں اپنے آپ کو گھسیٹتی ایمرجنسی میں پہنچیں تو پتہ چلا۔ وہ ابھی یہاں سے
رولوجی وارڈ میں گئے ہیں۔

یورولوجی وارڈ قریب ہی تھا۔ اس لئے بادل نخواستہ دونوں ادھر چلدیں۔

لیکن

انہیں پانے میں وہ ناکام رہیں۔

پتہ چلا کہ وہ ابھی ابھی وارڈ واپس گئے ہیں۔

جھلا کر ماہ نور بولی "کہا بھی تھا وارڈ میں ٹھہر جاتے ہیں۔ وہ ادھر ہی آئیں گے لیکن
نہیں تو ان سے ملنے کی لگن نے پاگل کر دیا ہے"

ثمین غصے سے بولی۔

"تو وہیں دھرنا مار کر بیٹھ جانا تھا نا؟ ملنے کی دھن تو تمہارے سر پر بھی سوار ہے"

ایک دوسرے کو کوستی اور غصہ نکالتیں دونوں تھکی تھکی وارڈ پہنچیں۔ تو یہاں بھی وہ
ملے۔

اب

دونوں

کچھ مشکوک ہوگئیں۔

"ڈیئر فرینڈ" ماہ نور رک کر بولی "یہ ہمارے ساتھ کوئی چکر تو نہیں ہو رہا ــــ"

ثمین پر خیال انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی "لگتا تو کچھ ایسا ہی ہے"

اسی وقت اس وارڈ کا ایک ہاؤس جاب ان کے پاس آیا۔ دونوں کو سلام کیا۔

"خیریت" ماہ نور نے ڈاکٹر سدیر سے پوچھا

"مس سبین کے لئے ڈاکٹر مصطفیٰ ایک پیغام چھوڑ گئے ہیں ___ " وہ بولا۔

"کیا" ماہ نور اور سبین دونوں نے جلدی سے پوچھا ___

"وہ کار میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں گھر جانے والے تھے۔ غالباً" ڈاکٹر نے ان سے کچھ ___ "

"اچھا اچھا" سبین جلدی سے بولی ___ غصہ بھی آیا کہ مصطفیٰ نے معافی کے متع اس کے کولیگ ڈاکٹر سدیر کو بھی شاید بتا دیا ہے۔

ماہ نور نے اس کا کندھا پکڑ کر کہا "چلو آخری تیر یہ بھی سہہ لیتے ہیں"

"چلو" سبین نے دانت پیستے ہوئی غصیلی آواز میں کہا۔

"اس ہیرو کے دیدار کے لئے یہ بھی گوارہ ہے۔" ماہ نور مسکراتے ہوئے شوخی سے بولی۔

کار پارک کافی دور تھا۔

چلتے چلتے دونوں کا برا حال ہو گیا۔ سبین پر تو اب خاصی جھلاہٹ سوار تھی۔ لیکن مرتی کیا نہ کرتی۔ جی تو چاہ رہا تھا۔ ڈاکٹر مل جائیں تو ان کا وہی حشر کرے جو گاڑی میں تھا ___

لیکن

مجبوری تھی۔ شامت اس کی آنا تھی۔ جس سے بچنے کے لئے وہ یہ تردد کرنے مجبور تھی

پروفیسر ڈاکٹرز کی گاڑیوں کا کار پارک چھوٹا ہی تھا ___

"لیکن" سبین چلتے چلتے رک کر بولی۔

"کیا؟"

"یہاں تو ___ " اس نے کار پارک پر نگاہ ڈالی "یہاں تو ان کے کوئی آثار نہیں ہیں"

"اب یہیں رک کر انتظار کرتے ہیں ___ "

"پتہ کیسے چلے گا۔ کہ ان کی کونسی گاڑی ہے۔ دوسری طرف بھی تو کچھ گاڑیاں کھڑی ہوتی ہیں ___ انتظار کہاں رک کر کریں ___ "

"اس چوکیدار سے پوچھتے ہیں اسے شاید پتہ ہو"

"ہاں"

دونوں چوکیدار کے پاس پہنچیں ___ چوکیدار نے سلور گرے سیڈان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ڈاکٹر مصطفیٰ صاحب کی یہ گاڑی ہے"

"اچھا"

دونوں ادھر چل دیں

"اب گاڑی کے پاس جاکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہیں رک کر انتظار کرتے ہیں"

"ٹھیک"

دونوں گاڑی کے پاس آکر رک گئیں۔ سبین کے پیروں سے اب جان نکلی جا رہی تھی۔

معاً ماہ نور کی نگاہ وائپر پر پڑی۔

اس میں ایک کاغذ اڑسا ہوا تھا۔

اس نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر کاغذ نکالا۔

"کیا ہے یہ" سبین نے جلدی سے کاغذ پر جھکتے ہوئے پوچھا۔ جو ماہ نور کھول کر پڑھنے لگی تھی۔

لکھا تھا ___

"بہت ہو گئی آپکی سزا ___ اب کل یاد سے نیبولائزر لے کر آفس میں پہنچا دیجئے گا"

سبین کے منہ

سے

ایک گہری

لیکن

اطمینان بھری سانس نکل گئی ___

اور ماہ نور

مسکراتے ہوئے معنی خیز اور شوخ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

○ ○ ○

وہ اپنے آفس میں بیٹھے تھے۔ کچھ کاغذات میز پر پڑے تھے۔ جنہیں وہ دیکھ رہے تھے۔ لیکن کاغذوں سے زیادہ ان کا دھیان دروازے کی طرف تھا۔ نگاہیں بار بار ادھر اٹھ جاتی تھیں۔ وہ لاشعوری نہیں شعوری طور پر انتظار کی کیفیت سے دوچار تھے۔

کل انہوں نے سبین اور ماہ نور کو ادھر سے ادھر دوڑا دوڑا کر خوب سزا دی تھی۔ وہ یہ بات سوچ کر کبھی کبھی مسکرا بھی دیتے تھے ___ اور کبھی اپنے اوپر حیرت بھی ہوتی تھی۔ ایسی شرارتیں انہوں نے کبھی کب کی تھیں۔ وہ تو انتہائی سوبر تھے۔ پیشے اور عمر کا تقاضا بھی یہی تھا۔ اب بتیس تینتس سال کا سینئر ڈاکٹر ایسی حرکت کرے تو یہ بات کہاں جچتی تھی۔ ایسی حرکتیں تو ان کا چھوٹا بھائی مجتبیٰ کیا کرتا تھا۔ وہ تو صرف اس کی حرکتوں پر مسکرانے پر ہی اکتفا کیا کرتے تھے۔

لیکن

کل؟

انہیں ایسی بات کیوں سوجھی تھی؟

وہ بار بار سوچ رہے تھے

اور

اب

وہ انتظار میں بیٹھے تھے۔ کہ کب وہ کیوٹ سی ڈاکٹر نیبولائزر لے کر ان کے آفس میں آئے۔ ان کے کل کے رویے کی شکائت کرے

تو

تو

وہ اس کو کیا جواب دیں گے۔ مسکرا کر بات درگزر کر دیں گے یا کوئی اور نیا شوشہ
چھوڑیں گے۔

بہر حال

انہیں انتظار تھا

اور

انتظار کی کیفیت گراں بھی نہیں گزر رہی تھی۔

بلکہ

وہ بڑی حد تک ان لمحات سے حظ بھی اٹھا رہے تھے۔ ان کے ہونٹ کبھی کبھی
مسکرا بھی اٹھتے تھے۔ اور آنکھوں کی چمک خیرہ کن بھی ہو جاتی تھی۔

دروازہ پر کسی نے ناک کیا تو انہوں نے جلدی سے سر اٹھاتے ہوئے کہا "یس
ان"

دروازے کھلنے پر انہیں مایوسی ہوئی سسٹر راشدہ ایک رجسٹر لئے اندر داخل ہوئی
___ اس نے انہیں سلام کیا اور مودبانہ انداز میں رجسٹر ان کے سامنے کھول کر رکھدیا۔
ڈاکٹر نے جلدی جلدی دونوں صفحات پر نگاہ ڈالی پھر قلم اٹھایا اور مطلوبہ جگہوں
دستخط کرکے رجسٹر واپس راشدہ کو دیتے ہوئے بولے "سٹاف یہ رجسٹر ابھی ڈاکٹر فاروق
پہنچا دیں"

"یس سر" راشدہ نے آگے بڑھ کر رجسٹر اٹھایا اور کمرے سے نکل گئی۔

وہ پھر کاغذات پر جھک گئے۔

کافی دیر کوئی آہٹ ہوئی نہ کسی نے دستک دی۔ انہیں ڈاکٹر سیمین جس کا نام وہ نہیں
جانتے تھے پر غصہ آنے لگا ___ اتنے ضروری کام میں اتنی تاخیر ہو رہی تھی۔ نیولائزر
یہاں اب تک آجانا چاہئے تھا۔

وہ پھر کام میں لگ گئے ___ مصروفیت کچھ زیادہ ہی اپنے اوپر طاری کرلی۔ تب
دروازے پر کسی نے دستک دی۔

"آجاؤ" انہوں نے بغیر سر اٹھائے کہا ___ ان کا خیال تھا۔ اب وہ ڈاکٹر ہی آئی
ہے۔ اس لئے بے نیازی کا اظہار کرنے کے لئے انہوں نے سر بھی نہیں اٹھایا۔

"سر ___" مردانہ آواز پر انہوں نے جھٹ سے سر اٹھایا۔ دروازہ کھول کر وارڈ
بوائے کالے اندر داخل ہو رہا تھا۔

اس کے ہاتھ میں نیبولائزر تھا۔

"یہ ___" ڈاکٹر کو بیحد مایوسی ہوئی "تم لائے ہو"

"جی" کالے نے آگے بڑھتے ہوئے کہا "ڈاکٹر صاحبہ نے دیا ہے کہ آپ کے آفس
میں رکھ دوں"

"یہ انہوں نے تمہیں دیا ہے"

"جی سر"

ڈاکٹر مصطفیٰ کچھ متذبذب ہوئے چاہا پوچھیں کہ وہ خود دینے کیوں نہیں آئیں لیکن
یہ پوچھنا مناسب نہ لگا۔

"رکھ دو۔" انہوں نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

کالے نے آلہ میز کے ایک طرف رکھ دیا۔ اور ہاتھ کنپٹی تک لے جاتے ہوئے
انہیں سلام کرتے ہوئے واپس جانے کو مڑا ___

"کالے" ڈاکٹر نہ رہ سکے

"جی"

"وہ کچھ کہہ تو نہیں رہی تھیں"

"سر صرف یہی کہا تھا۔ کہ آلہ آفس میں رکھدو" کالے اپنے میلے میلے ناخنوں سے
الجھے بال سلجھاتے ہوئے بولا۔

"ساتھ کوئی تھا؟" انہوں نے پوچھا۔ لیکن اس سوال پر خود ہی خجل سے ہوگئے

"تھا نہیں ___ تھی سر ___" کالے نے پیلے پیلے دانت نکالتے ہوئے مذاق سے
کہا

تو

ڈاکٹر مصطفیٰ ایکدم سنجیدہ ہوگئے ___ چہرے پر غصے کی لالی آگئی ___ اب یہ وا
بوائے بھی ان سے مذاق کی جرات کرنے لگا تھا۔ انہیں بہت برا لگا۔

ان کے چہرے کے تاثرات بھانپ کر کالے نے عافیت اسی میں سمجھی۔ کہ ڈانٹ
کھانے سے پہلے ہی یہاں سے کھسک لے۔ جاتے جاتے بولا "سرجی آپ ان سے خود
بات کرلیں۔ باہر ہی تو کھڑی ہیں ___ "

وہ جلدی سے باہر نکل گیا ___

ڈاکٹر اس کے الفاظ پر غور کر ہی رہے تھے۔ کہ وہ دروازہ کھول کر اندر آگئی۔ یوں
جیسے کمرہ صبح کی تازہ دم روشنی سے ایکا ایکی بھر گیا ہو۔

اس نے بڑے مودبانہ طریق سے ڈاکٹر کو سلام کیا۔

مصطفیٰ نے جواب دیتے ہوئے اس کے سراپا پر ایک گہری تنقیدی نگاہ ڈالی۔ وہ اس
وقت بڑے خوبصورت لباس پر سفید اوور آل پہنے ہوئے تھی۔ سٹیتھو سکوپ ہاتھ میں
تھی۔ اس کے چہرے پر بڑی دلآویز مسکراہٹ تھی۔

"آپ باہر کیوں کھڑی تھیں ___ " ڈاکٹر نے کاغذات ایک طرف کرتے ہوئے
بظاہر لاتعلقی سے کہا۔

لیکن بعض اوقات لاتعلقی بھی ہزاروں تعلقوں کا تعلق ہوتی ہے۔ زیرک سی ڈاکٹر یہ
بات بھانپ گئی۔ اس لئے چہرہ سنجیدہ بنا کر بولی "اندازہ لگا رہی تھی۔ کہ آپ کا موڈ کیسا
ہے۔"

"اوہ ___ آپ اندازے لگا سکتی ہیں" ڈاکٹر نے مصنوعی تعجب کا اظہار کیا۔ لیکن
ان کی مسکراہٹ چھپی نہ تھی۔

ثمین شہہ پاکر بولی "تو پھر امن کی فاختہ"

اس نے اپنا خوبصورت ہاتھ بھی اٹھایا ___ اور اثباتی انداز میں ہلانے لگی۔

"بالکل ___ ڈاکٹر! ___ " وہ خوشدلی سے کہتے ہوئے بولے۔

"ثمین ___ " اس نے ڈاکٹر کے ساتھ اپنا نام لگاتے ہوئے انہیں دیکھا

"ثمین"

"جی ثمین زمان"

ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور میز کے دوسری طرف پڑی کرسی پر اسے
بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولے "بیٹھئے ڈاکٹر ثمین ___ "

"شکریہ" وہ بلا جھجک ان کے عین سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ سٹیتھو سکوپ اس نے میز
کے کنارے پر رکھدی۔

چند لمحے دونوں چپ رہے۔ یہ چپ دوسری بات ہے۔ کہ بے تکلفی سے بول رہی
تھی

"چائے؟" انہوں نے پوچھا۔ حالانکہ وہ خود تذبذب کا شکار تھے۔ کہ آفس میں ایک
جونیئر کے ساتھ چائے پینا اچھا نہ لگتا تھا۔

"چلئے گی ___ لیکن" وہ مسکرا کر بولی "میرا خیال ہے آفس میں چائے پینا کچھ اچھا
نہیں لگتا"

مصطفیٰ نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کافی محتاط لڑکی معلوم ہوتی تھی اور یہ اچھی بات
تھی

لیکن

دوسرے لمحے وہ حیران سے رہ گئے "باہر چلنے کے متعلق کیا خیال ہے" وہ ان کی
نظریں اپنے چہرے پر محسوس کرکے بھولی سی مسکراہٹ سے بولی "میرا مطلب ہے کسی
ریسٹورانٹ یا ___ "

مصطفیٰ بھوچکے رہ گئے۔

وہ کسی طور پر متوقع نہیں تھے۔ کہ یہ لڑکی اتنی جرات مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے
باہر چلنے کی آفر دے گی۔ دوسری ملاقات ہی تو تھی ان کی اور وہ اس سے اتنے فری بھی نہ
تھے۔ بلکہ ٹھیک طرح سے اسے جانتے بھی نہ تھے۔ اس کا نام بھی انہیں آج ہی پتہ چلا

تھا۔

حالانکہ

یہ بات ان کے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ وہ سات سال تک امریکہ میں رہے تھے۔ وہیں سپیشلائز کیا تھا۔ پھر جاب کرتے رہے تھے۔ ویسے بھی وہ بچپن سے باہر آتے جاتے رہے تھے کئی مغربی ممالک دیکھ چکے تھے ___ وہاں لڑکیوں کا اس طرح بے تکلف ہونا اچھنبے کی بات نہ تھی اکثر لڑکیوں سے ان کے مراسم بھی رہے تھے۔ یہاں بھی اب رواج چل نکلا تھا۔ کہ جوان لڑکیاں اپنے کزنوں اور دوستوں کے ساتھ گھومتی پھرتی تھیں۔

لیکن

پہلی یا دوسری ملاقات میں ایک جوان لڑکی کی اتنی بے باکی سے ریسٹورانٹ یا ہوٹل جاکر کھانے پینے کی آفر انہیں حیرت زدہ ضرور کرگئی تھی ___

وہ چند لمحے سوچوں سے نبرد آزما رہے تو ببین پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی "چلیں جانے دیں ___"

"نہیں نہیں" انہوں نے شستہ انگریزی میں کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا "جیسا آپ چاہیں" وہ بچوں کی طرح خوش ہوکر اٹھی۔ اس کی بھولی ادا ڈاکٹر کو بھلی لگی۔ وہ زیر لب مسکرانے لگے۔

وہ بھی اٹھی تو ڈاکٹر نے پوچھا "لیکن چلیں گے کہاں؟"

"لاہور میں بڑی جگہیں ہیں کھانے پینے کی" وہ سرہلاتے ہوئے مسکرائی

"جائیں گے کیسے؟" ڈاکٹر نے جلدی سے پوچھا

"میرے پاس گاڑی ہے" وہ ان کے ساتھ ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ___" مصطفیٰ نے ایک نظر اس پر ڈالی

وہ جلدی سے بولی "آواری جانا پسند کریں گے۔ یہاں سے قریب بھی ہے"

"چلئے" وہ سراثبات میں ہلاتے ہوئے بولے۔

"چلیں" وہ چھپی چھپی مسکراہٹ سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

وہ دروازے کی طرف بڑھی

اور

رک گئی۔

"کیا ہوا؟" مصطفیٰ نے پوچھا

"سر۔ آپ پر یہ ___ بوجھ تو نہیں ہوگا" وہ اٹک اٹک کر بولی۔ مسکرائے اب بھی جارہی تھی۔

وہ دھیمے سے لہجے میں بولے "اب اس کی فکر آپ کو لاحق کیوں ہوگئی ___"

"میرا مطلب ہے" وہ شوخ لہجے میں بولی "میرا مطلب ہے میں نے آواری کا انتخاب کرلیا"

"کوئی بات نہیں ___ وہاں بھی انسان ہی جاتے ہیں" وہ مسکرائے۔

"ٹھیک ہے۔ تھینک یو سر" وہ خوش ہوگئی۔

ڈاکٹر مصطفیٰ نے دروازہ کھولا ___ ببین کے باہر نکلنے سے پہلے ہی ان کی نظر دروازے کے باہر قطار میں کھڑی تین جوان لڑکیوں پر پڑی۔ ماہ نور تو اوور آل میں تھی۔ دوسری دونوں لڑکیوں نے دیدہ زیب لباس پہن رکھے تھے ___

ماہ نور کے ساتھ وہ دو لڑکیاں ٹرین والی لڑکیاں ہی تھیں ___ وہ انہیں پہچان گئے۔

تینوں نے انہیں سر کہہ کر سلام کیا۔

مصطفیٰ ہچکچاتے ہوئے جواب دے رہے تھے۔ کہ ببین باہر نکل کر بولی "بڑی اچھی خبر ہے دوستو ___ ڈاکٹر مصطفیٰ بہت عظیم ہیں۔ انہوں نے نہ صرف ہمیں ٹرین کے حادثے کی معافی دے دی بلکہ آواری میں چائے بھی دے رہے ہیں ___"

"مصطفیٰ دی گریٹ" مریم نے بڑے خوشگوار لہجے میں کہا

مصطفیٰ سوائے مسکرانے کے کر بھی کیا سکتے تھے۔ ببین کی شرارت سمجھ گئے تھے۔

اس نے اپنی سہیلیوں کے ساتھ ڈاکٹر مصطفیٰ کو گھیر لیا تھا۔ خاصے بیوقوف بنے تھے

لیکن
بعض اوقات
دانستہ بے وقوف بننے میں بھی مزہ آتا ہے۔
"چلیں" سیمن نے سب سے کہا۔
"پہلے تعارف تو کروا دو ___" عائشہ چہک کر بولی
سیمن بولی "وہاں جاکر تعارف ہو جائے گا۔ جلدی سے نکل لو ___ کہیں سر کا مو
ڈ ہی نہ بدل جائے ___"
"ٹھیک ہے" مریم اور ماہ نور نے ہولے سے کہا۔
"آپ ان سب کو اپنی گاڑی میں لے چلیں میں اپنی گاڑی میں آتا ہوں۔" ڈاکٹر
مصطفیٰ نے قدم اٹھایا
وہ چاروں بھی تیزی سے قدم اٹھانے لگیں ___ عائشہ خوشدلی سے بولی "ان پر نظ
ر رکھو کہیں چکمہ دے کر فرار ہی نہ ہو جائیں ___"
ڈاکٹر مصطفیٰ نے یہ بات سن لی۔ اس لئے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور انگریز
ی میں بولے "حوصلہ رکھئے ایسا نہیں ہوگا"
سب ہنس پڑیں۔
"ویسے سر۔" ماہ نور نے تھوڑی دور چلنے کے بعد کہا۔
"جی فرمایئے"
"آپ۔ اگر اپنے کسی دوست کو ساتھ لے جانا چاہیں تو ہمیں اعتراض نہ ہوگا"
"بلکہ الٹا اس پر احسان ہوگا" عائشہ نے ماہ نور کی طرف شوخی سے دیکھا۔
"احسان تو تم پر ہوگا" عائشہ نے چہک کر ماہ نور سے کہا۔
"کیوں بھلا۔ میرا رضوان سلامت رہے" وہ چہک کر بولی۔ "اور مریم کا ریحان۔"
چاروں ہنسنے لگیں۔
سیمن نے ہولے سے کہا "رضوان یا ریحان نے تم دونوں کو اس طرح سر کے سا

آواری جاتے دیکھ لیا تو ___"
"تو کیا ___" وہ بڑے روشن خیال ہیں۔ تنگ نظر نہیں ___ ہمارے منگیتر"
ڈاکٹر مصطفیٰ ان سے آگے آگے چلتے چھیڑ چھاڑ بھی سن رہے تھے۔ انہیں پتہ چل گیا
کہ وہ نو وارد لڑکیاں کسی رضوان اور ریحان سے منسوب ہو چکی ہیں۔ ماہ نور اور سیمن
ابھی ابھی کسی سے منسوب ہوئی تھیں یا نہیں انہیں اندازہ نہ ہوا ___
ڈاکٹر مصطفیٰ اپنی کار میں اور وہ چاروں لال سوزوکی میں آگے پیچھے آواری پہنچیں۔
وہاں وہ سب ریسپشن میں جمع ہوگئے۔
چاروں لڑکیاں دائرہ بناکر آپس میں کھسر پھسر کرنے لگیں۔ سیمن کی جرات اور دیدہ
دلیری کی داد بھی دے رہی تھیں ___ اس طرح ایک نوجوان اجنبی کے ساتھ یہاں آنا
کچھ ٹھیک بھی نہیں لگ رہا تھا ___
یہ بات نہیں تھی۔ کہ وہ ایسی جگہوں پر کبھی آئی نہیں تھیں۔ کئی بار آئی تھیں۔
لیکن اپنے ہی دوستوں کے ساتھ ___ اپنے ہی گروپ کے ہمراہ ___ آج یہ نیا تجربہ تھا
اور اسی پر وہ کھسر پھسر کر رہی تھیں۔
"ایٹی کیٹس لیڈیز ___" مصطفیٰ جو ذرا پرے کھڑے تھے ان کو سرگوشیوں میں
باتیں کرتے دیکھ کر بولے۔
ان کی کھسر پھسر بند ہوگئی۔ عائشہ نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا "دراصل
ڈاکٹر صاحب ___"
"اب چپ رہو" مریم نے اس کے کان میں کہا اور ماہ نور نے بھی اس کے بازو میں
چٹکی کاٹی۔
سیمن نے بھی گھور کر عائشہ کو دیکھا۔
مصطفیٰ ان کو ان کے حال پر چھوڑ کر ایک طرف کو چلے گئے ___
نظروں سے اوجھل ہوئے تو ماہ نور نے چوٹ کی "بٹوہ تو نہیں دیکھنے گئے"
"اویں ای ___ ان کی تنخواہ بہت ہوتی ہے" عائشہ نے کہا

"پھر بھی یار ___ " ماہ نور بولی۔ تم لوگ تو کھا پیٹ کر چلی جاؤ گی۔ ہمارا سو دفعہ
سے سامنا ہو گا ___ "

"ہاں واقعی" سبین اب مکاسف نظر آرہی تھی

"تو نہ جانا نا اکی گلی میں بار بار ___ " عائشہ نے سبین کی طرف دیکھ کر شوخی
آنکھیں نچائیں ___ "

"نہیں بھئی ___ پھر بھی ہسپتال تو ایک ہی ہے نا آمنا سامنا ہو ہی جائے گا" ماہ
بھی اب یہاں آکر پچھتا رہی تھی۔

"تو کیا ہوا ___ وہ اپنی خوشی سے تو لائے ہیں" مریم نے مسکراہٹ اچھالی

"شرارت تو میری ہے نا" سبین اب جھلاہٹ محسوس کرنے لگی تھی۔

"جو بھی ہے۔ وہ تو بہت خوش نظر آرہے ہیں۔ چار اتنی خوبصورت لڑکیوں
ساتھ آنے میں تفاخر محسوس کر رہے ہیں۔" مریم شوخ ہوئی جا رہی تھی۔

"چلو ___ ٹھیک ہے اب آہی گئے ہیں۔ تو کیا ہو سکتا ہے" سبین نے گہری س
لی۔

"او ___ آتو گئے ہیں۔ لیکن وہ کہیں روپوش ہو چکے ہیں" ماہ نور نے ادھر ادھر
دوڑائی

"واقعی" عائشہ بولی۔

"ٹرین والے واقعے کا اب مجھ سے اور عائشہ سے تو بدلہ نہیں لے رہے" مریم
رونی صورت بنا کر کہا۔

لیکن
اس سلسلے میں وہ مزید قیاس آرائیاں کرتی۔ وہ ایک طرف سے نمودار ہو گئے۔
کی طرف آتے ہوئے بولے ___ "خواتین ___ دراصل یہ چائے کا وقت نہیں۔
کھانے کا ٹائم ہو رہا ہے ___ اس لئے چائے نہیں کھانا چلے گا ___ "

سب نے ایک دوسری کی طرف دیکھا

سبین گھبرا کر بولی" نہیں سر ___ چائے ہی ٹھیک ہے۔ کھانا بہت مہنگا ___ "

مصطفیٰ زیر لب مسکرائے اور سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولے " چلئے ڈائننگ ہال میں"

وہ متذبذب کھڑی رہیں۔

"بری بات ہے۔ یہاں آکر واپس جانا خلاف آداب ہے ___ چلئے"

وہ چاروں ان کے ساتھ ساتھ چلتیں ہال میں آگئیں۔ خوبصورتی سے آراستہ سرخی
مائل غباروں میں ڈوبا ہال مسحور کن تھا ___ ابھی ہال میں زیادہ لوگ نہیں تھے کچھ ٹیبلز
پر ہی لوگ بیٹھے کھاپی رہے تھے۔ کچھ کھانے کے سٹینڈوں پر جاکر اپنی اپنی پسند کا کھانا
پلیٹوں میں ڈال رہے تھے۔ ہلکا ہلکا میوزک فضا میں رس گھول رہا تھا۔

مصطفیٰ پہلے آکر ایک ٹیبل بک کروا گئے تھے۔ اس لئے چاروں کو لے کر ادھر آگئے
سب نے کرسیاں سنبھالیں۔ میزبان کے فرائض مصطفیٰ کے ذمہ تھے۔

"کھانے کی جلدی تو نہیں "مصطفیٰ نے سب کی طرف دیکھا۔ وہ ان سے باتیں کرنے
کا موڈ بنا رہے تھے۔

"نہیں سر۔" ماہ نور نے جلدی سے کہا۔ "ابھی تو ایک ہی بجا ہے"

"ہوں ___ " مصطفیٰ نے کہا۔ پھر بولے "ڈاکٹر سبین اور ماہ نور صاحبہ سے تو
تعارف ہے ___ آپ کا اسم شریف؟"

انہوں نے سلونی سے لمبے بالوں والی مریم سے پوچھا۔

"سبین" مریم نے مسکرا کر کہا "ہم دونوں کا تعارف کرواؤ ڈاکٹر صاحب سے"

سبین بولی "تم سے تمہارا نام پوچھا ہے سر نے۔ بتاؤ"

مریم کندھے اچکاتے بولی "ہم تمہارے مہمان ہیں۔ تعارف کا ذمہ تمہارا ہے"

ڈاکٹر مسکراتے رہے

سبین نے ان کی طرف دیکھا اور بولی "سر یہ ٹیڑھے مغز کی لڑکیاں ہیں"

وہ ہنس دیئے

"ویسے اس کا نام مریم ہے۔ اس کے فادر بیورو کریٹ ہیں۔ یہ لنڈن سے کمپیوٹر

انجینئرنگ میں ایم ایس کر کے آئی ہے۔ ہماری پرانی دوست ہے۔"

"گڈ" اس دبلی پتلی نازک سی لڑکی کی کوالیفیکیشن سن کر ڈاکٹر نے سر ہلایا۔

"اور یہ ہیں عائشہ جمال" سبین نے عائشہ کی طرف اشارہ کیا "ان پڑھ سی ہے صرف بی اے کر کے ہی شادی کی تیاریوں میں لگ گئی ہے۔ اس کے منگیتر ہیں ریحان ا مریم کے منگیتر کا نام ہے رضوان ___ ان کی باقاعدہ منگنی کی تقریبات اگلے ماہ کے شرو میں ہو رہی ہیں ___"

"اور" وہ ماہ نور کی طرف دیکھ کر مسکرائی "اسے اور مجھے تو آپ جانتے ہی ہیں۔ دونوں نے ایم بی بی ایس اسی سال کیا ہے اور اب ہاؤس جاب کر رہی ہیں ___"

مصطفیٰ نے سر ہلایا

"اب آپ بھی اپنا مکمل تعارف کروایئے" عائشہ نے بے تکلفی سے کہا

"بالکل۔ بالکل" سب بولیں

مصطفیٰ نے کرسی پر پہلو بدلا اور بولے "میں نے سات آٹھ سال پہلے میڈیکل کیا؛ پھر امریکہ چلا گیا۔ چار سال ریذیڈنسی اس کے بعد جاب کی ___ میرا گھر کراچی میں ہے۔ ہم چار بہن بھائی ہیں۔ ایک بہن شادی شدہ ہیں۔ یہیں لاہور میں رہتی ہیں۔ دوسری ـ اسی سال ایم بی اے کیا ہے۔ چھوٹا بھائی بھی میڈیکل کے فرسٹ ایئر میں ہے۔ گھر میر میری امی ہیں اور ابو ہیں"

وہ کچھ دیر آپس میں باتیں کرتے رہے۔ مصطفیٰ کے دادا کمشنر رہ چکے تھے۔ اتفاق ک بات کہ سبین کے مرحوم دادا بھی کمشنر ریٹائرڈ تھے ___ باتیں تکلفانہ شروع ہوئیں۔ او جب سب اپنا اپنا کھانا پلیٹوں میں ڈال کر میز پر بیٹھے کھا رہے تھے۔ تو بے تکلفی کی فض از خود پیدا ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر مصطفیٰ یہاں شادمان میں ایک بڑی سی کوٹھی کی انیکسی کرائے پر لے کر رہ رہے تھے۔ ان کی باتوں سے پتہ چلتا تھا خاندانی پس منظر خاصہ شاندار ہے۔ ان کی باتوں پر کبھی کبھی عائشہ سبین کو ہلکا سا ٹھوکا بھی دے دیتی ___ سبین اسے گھور گھور کر دیکھتی۔ باقی

سب ہولے ہولے مسکرائے جاتیں۔

کھانے کے بعد تھوڑے وقفے کے بعد سب نے سویٹ ڈش لی۔ ہر ایک نے اپنی اپنی پسند کا میٹھا اپنی اپنی پلیٹوں میں ڈالا۔

چاروں لڑکیاں خاصی باتونی اور جلد بے تکلف ہو جانے والی تھیں۔ ڈاکٹر مصطفیٰ کے ساتھ وہ یوں گھل مل کر باتیں کر رہی تھیں جیسے مدتوں کی شناسائی ہو۔ ہاں سبین جانے کیوں باتیں کرتی کرتی چپ سادھ لیتی۔ بے تکلفی میں تکلف برتنے لگتی۔ اور فری ہوتے ہوئے بھی لئے دیئے رہنے کا احساس دلاتی۔ اس کی طبیعت اور شخصیت کے ایسے رنگا رنگ تماشوں سے اس کی دوست آگاہ تو تھیں۔ لیکن آج لگ رہا تھا۔ وہ کچھ زیادہ ہی بن رہی ہے۔ اگر بن نہیں رہی تو پھر آج مزاج کا تغیر و تبدل کچھ معنی ضرور رکھتا ہے۔

تینوں دوستوں نے سبین کا ڈاکٹر مصطفیٰ کے ساتھ لگاؤ محسوس کر لیا تھا یا از خود اسے ان سے منسوب کر دیا تھا۔ اس کا یہ رویہ بھی وہ اسی لگاؤ کا اشارہ سمجھ رہی تھیں ___ اسی لئے بار بار آنکھوں کے شوخ اشاروں سے اسے چھیڑے بھی جا رہی تھیں۔

"قہوہ" ڈاکٹر مصطفیٰ نے سویٹ ڈش کھا چکنے کے کچھ دیر بعد سب لڑکیوں سے پوچھا۔

"ہائے نہیں" ماہ نور ایک دم بولی "ہمیں ہوسپٹل ڈیوٹی پر بھی جانا ہے۔ دیر ہو جائے گی"

"تو تم جاؤ" مریم نے ہنس کر کہا "ہم تو قہوہ ضرور لیں گے"

"ماہ نور ٹھیک کہہ رہی ہے مریم" سبین نے سنجیدگی سے کہا۔ لیکن ڈاکٹر مصطفیٰ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "جہاں اتنی دیر وہاں چند منٹ اور سہی"

"بالکل ٹھیک" عائشہ بولی "اتنا ہیوی لنچ لیا ہے۔ قہوے کے بغیر ہضم کیسے ہوگا"

"واقعی" مریم بولی۔

ڈاکٹر نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

قہوہ آگیا ___

سب نے خوشبودار سبز چائے کے قہوے کی پیالیاں اپنے آگے کر لیں۔ چھوٹی

موٹی باتوں کا سلسلہ اب بھی چلتا رہا ـــــ عائشہ نے باتوں باتوں میں مصطفیٰ کو اپنے اور اپنی دوستوں کے پس منظر کا بھی بتایا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ کو یہ سن کر کچھ افسوس سا ہوا کہ سبین کے ماں باپ زندہ نہیں تھے۔ پیار کرنے والے دادا بھی فوت ہو چکے تھے اور وہ اب بالکل اکیلی تھی۔ اکیلے گھر میں دو پرانے خدمت گاروں کے ساتھ رہ رہی تھی۔

ڈاکٹر کی ہمدردی سبین نے واضح طور پر محسوس کی۔ جانے کیوں اسے احساس ہوا۔

کہ وہ اکیلی نہیں ہے۔ اس کا بھی کوئی ہے ـــــ

کوئی

جو

اس کے اکیلے پن کے کرب کو محسوس کر سکتا ہے۔

اس نے تشکر آمیز نظروں سے مصطفیٰ کو دیکھا۔ وہ کچھ سرشار سے نظر آئے۔

قہوے کے بعد پانچ دس منٹ سب بیٹھے رہے۔ لڑکیاں بار بار ڈاکٹر مصطفیٰ کا شکریہ ادا کر رہی تھیں۔ عائشہ اور مریم تو ان سے خاصی فری ہو گئی تھیں۔ ماہ نور اور سبین کو البتہ احساس تھا کہ وہ سینئر ڈاکٹر کے ساتھ بیٹھی ہیں۔ حالانکہ یہ کیا دھرا سبین ہی کا تھا۔ لیکن اب وہ نادم اور کچھ خائف سی تھی۔

واپسی پر ڈاکٹر انہیں خدا حافظ کہہ کر ان کے بے شمار شکریے سمیٹتے ہوئے اپنی گاڑی میں چلے گئے۔ وہ چاروں بھی ہوسپٹل جانے کے لئے گاڑی میں جا بیٹھیں۔

عائشہ اور مریم ڈاکٹر کے رویے اور اس پر تکلف دعوت کی برابر تعریفیں کئے جا رہی تھیں ـــــ

"کچھ اچھا نہیں لگ رہا" سبین ان کی باتیں سن کر ڈرائیو کرتے ہوئے بولی۔

"ہاں" ماہ نور نے کہا "جان نہ پہچان اور اتنی بے تکلفی۔ جانے ڈاکٹر صاحب ہمیں کیسی لڑکیاں سمجھ رہے ہوں گے ـــــ"

"لو جان پہچان کیوں نہیں ـــــ پہچان تو انہیں ہماری ایسی ہوئی ہو گی ٹرین کے واقعہ سے کہ ساری عمر بھول نہ پائیں گے" عائشہ ہنسی

"تو اور کیا" مریم بولی "کھانا کھلایا ہے ہمیں تو ان کی اپنی خوشی' ہم تو صرف چائے پینے آئے تھے"

"تم لوگ تو پھر شاید ان سے نہ ملو۔ ہم نے تو روز ہوسپٹل آنا ہے" سبین نے کہا۔

"ہم کیوں نہ ملیں" مریم بولی "میں تو رضوان کو بھی ان سے ملاؤں گی اور اپنی منگنی پہ مدعو کر کے آج کی دعوت کا احسان لوٹا دوں گی"

"غالباً عائشہ بھی یہی کہے گی" ماہ نور بولی "لیکن ہم ان کا احسان کیسے اتاریں گی"

"کھلا دینا تم دونوں بھی کسی دن انہیں کھانا" عائشہ نے کندھے اچکائے ـــــ

باتیں کرتیں وہ ہوسپٹل پہنچ گئیں۔ مریم کی گاڑی وہاں ہی تھی۔ وہ اور عائشہ دونوں سے مل کر اور سبین کا دعوت کھلانے پر شوخی سے شکریہ ادا کرتے دونوں چلدیں۔

ماہ نور اور سبین باتیں کرتیں اپنے اپنے وارڈوں کی طرف چلدیں۔



اس کی نائٹ ایمرجنسی تھی۔ رات آٹھ بجے سے صبح آٹھ بجے تک۔ رات بارہ
تک مریضوں کا بہت رش رہا تھا۔ رش کے یہی اوقات ہوتے تھے۔ دو چار گھنٹے کے و
کے بعد صبح چار بجے سے پھر مریض آنا شروع ہو جاتے تھے۔ ڈاکٹرز کو یہی دو چار گھنٹے
سیدھی کرنے کو ملتے تھے۔

رات کے سوا دو بجے تھے۔ جب وہ کرسی پر کمر سیدھی کرنے بیٹھی تھی۔ اس
ہاتھ میں ایمرجنسی ڈیلنگ کی کوئی کتاب تھی۔ نیند سے چھٹکارا پانے کے لئے وہ اسے پڑ
کی کوشش کررہی تھی۔ لیکن بار بار آنکھیں بند ہو رہی تھیں اس کے سامنے میز پر
رکھے ماہ نور سو رہی تھی۔ ڈاکٹر عمیر اور ہمدانی لکڑی کے صوفے پر بیٹھے نیم غنودگی
عالم میں تھے۔ عمیر پہلے تو کافی گپ شپ لگاتا رہا تھا۔ لیکن اب نیند کے غلبے سے نڈھال
رہا تھا ___ مریض برائے نام ہی تھے۔ ہاں سرجری والے ڈاکٹرز کافی مصروف تھے۔

سبین نے کتاب میز پر رکھی ہی تھی۔ کہ پانچ چھ عورتیں مرد سراسیمگی کے عالم
ایک نوجوان کو لئے آگئے۔ نوجوان خاصہ لمبا تڑنگا تھا۔ لیکن اس وقت لگتا تھا۔
تکلیف میں ہے۔ وہ ہائے وائے کر رہا تھا اور اس سے زیادہ ساتھ آنے والے شور
رہے تھے۔

سبین بے دلی سے اٹھی۔ ایک آیا نے لڑکے کو خالی بیڈ پر لٹا دیا تھا۔ اس کے سا
آنے والے ایک مرد نے ایک چٹ سبین کو طرف بڑھائی "ڈاکٹر؟"

"جی ہاں" اس نے جواب دیا۔

اس نے نوجوان لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ جو بیڈ پر لیٹا ہائے وائے کر رہا تھا۔

سبین کا دل اس وقت قطعاً کسی مریض کو دیکھنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ طبیعت بوجھ

تھی۔ چکر سے آرہے تھے اور جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔

وہ بے دلی سے بیڈ کی طرف آئی۔ لڑکا اسے دیکھ کر کچھ زیادہ ہی واویلا کرنے لگا۔

اس کے ساتھ آنے والی ادھیڑ عمر عورت شاید اس کی ماں تھی۔ وہ بیٹے کی ہائے وائے پر
گویا تڑپ رہی تھی۔

سبین نے لڑکے سے پوچھا "کیا تکلیف ہے"

لڑکے نے آنکھیں بند کرکے ہائے وائے شروع کر دی اس کی جگہ اس کی ماں نے
جواب دیا "ڈاکٹر صاحب اس کے پیٹ میں سخت درد ہے"

"آپ چپ رہیں" سبین نے اسے گھورا۔ لڑکے کو جواب دینے دیں۔

"لو بھلا۔ اب اس کی حالت ہے جواب دینے کی" ماں نے برا منایا۔ ساتھ آنے والی
دوسری عورت نے بھی سبین کو گھورا۔

سبین سمجھ گئی تھی۔ مریض اتنا سیریس نہیں ہے۔ تکلیف سے زیادہ ایکٹنگ کر رہا
ہے۔ ماں باپ جتنا پریشان ہو رہے تھے۔ وہ اتنا ہی واویلا مچا رہا تھا۔

"بولو ___ کہاں تکلیف ہے" سبین جھلا کر بولی "جواب دو ___ ورنہ میں معائنہ
کئے بغیر چلی جاؤں گی ___"

"نہیں ڈاکٹر صاحبہ ___ جائیں نہیں ___ میرے پیٹ میں سخت درد ہے"

"کہاں"

"یہاں"

سبین نے اس جگہ سے اس کا پیٹ دبایا ___ "رات کو کیا کھایا تھا ___"

"چنے والا پلاؤ کھایا تھا" ماں جھٹ سے بولی۔

"چنے والا پلاؤ کھایا تھا۔ ساتھ لسی پی تھی ڈاکٹر صاحبہ" لڑکا بولا ___ "کھیر
بھی کھائی تھی ختم تھا جی ہمارے گھر ___"

"درد کب سے ہے"

"رات ہی شروع ہو گیا تھا ___"

"اپنی بھی آئی"

"جی"

سبین نے اس کے لئے دوائیاں لکھ کر چٹ اس کے لواحقین کے حوالے کر دی۔ نرس کو دوائیوں کے حوالے سے ہدایات دیں اور واپس اپنی جگہ پر آبیٹھی۔

اس کی طبیعت بہت خراب ہو رہی تھی۔ سر میں شدید درد تھا۔ چہرہ تمتما رہا تھا۔ حرارت محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے آیا سے کہہ کر تھرمامیٹر منگایا۔ اپنی نبض چیک اسے بخار تھا۔

عمیر اپنے اسسٹنٹ کو دیکھ کر اس طرف آیا تو اسے دیکھتے ہوئے بولا "ٹھیک تو ہو"

"پتہ نہیں" اس نے بیزاری سے کہا

"پتہ کیوں نہیں۔ کیسی ڈاکٹر ہو۔ تمہیں تو بخار لگ رہا ہے۔" عمیر نے کہا اسی وقت آیا تھرمامیٹر لے کر آگئی۔ عمیر نے اس سے تھرمامیٹر لے کر سبین کی طرف بڑھایا ___ اسے 101 کے قریب بخار تھا۔

"اوہو" عمیر نے اس کی طرف دیکھا ___ "تم ہوسٹل چلی جاؤ ___ جاکر آرام کرو۔ کوئی دوائی لے لو"

"لیکن ڈیوٹی ___" وہ بولی

"ہم جو ہیں۔ جو کیس آیا سنبھال لیں گے۔ ویسے اس وقت کچھ سکون ہی ہے" و بولا۔ "ہاں تمہارا وہ اسسٹنٹ۔ کیا تکلیف تھی اسے"

"سمپل۔ گیسٹروانٹرائیٹس کا کیس ہے"

"بی پی ___"

"نارمل"

عمیر کچھ کہنے ہی والا تھا۔ کہ بہت سے لوگ دو نوجوانوں کو اٹھائے اندر آگئے۔ ان کی حالت تشویش ناک تھی۔ دونوں نے زہریلی شراب پی لی تھی اور اب بیہوش تھے۔

عمیر مڑا ___ سبین بھی اٹھی۔

لیکن عمیر بولا "بھئی پلیز تم جاؤ۔ ہم اتنے ڈاکٹر ہیں یہاں ___ ماہ نور اور ہمدانی فارغ ہی ہیں نیند بھی نکال چکے ہیں ___ ڈاکٹر عصمہ بھی ادھر آگئی ہیں تم جاؤ ہم چاروں اس کیس کو سنبھال لیں گے۔"

اس نے بہت مجبور کیا۔ بلکہ ڈانٹ کر بھی کہا تو سبین جو بالکل بہتر محسوس نہیں کر رہی تھی ہوسٹل جانے کو تیار ہوگئی ___ اس نے ہوسٹل میں کمرہ لے رکھا تھا۔ کبھی کبھی یہاں رہنا پڑتا تو آرام کرنے کے لئے اس کمرے میں چلی جاتی۔

"آیا" عمیر نے جلدی سے آیا کو بلا کر کہا "انہیں چھوڑ آؤ۔ جو دوائی منگوائیں دے دینا"

عمیر جلدی سے نوجوان کی طرف بڑھا۔ جہاں خاصہ شور مچا ہوا تھا۔

سبین آہستگی سے کمرے سے نکل کر ہوسٹل کی طرف چل دی۔ آیا اس کے ساتھ گئی۔ کیس خطرناک تھے۔ ماہ نور عاصمہ ہمدانی اور عمیر چاروں ان بیڈز کی طرف آگئے جن پر مریضوں کو لٹایا گیا تھا۔ ان میں سے ایک کی حالت تو بہت خراب تھی۔ رنگ نیلا پڑ چکا تھا اور سانس بھی رک رک کر آرہا تھا۔ ہمدانی اور عاصمہ اس مریض کے بیڈ پر جھکے ہوئے تھے۔ دوسرے کو عمیر اور ماہ نور دیکھ رہے تھے۔ ہمدانی نے عاصمہ سے مشورہ کر کے انجکشن اس مریض کو لگائے۔ پھر سانس کی بحالی کے لئے ریسپائریٹر پر بھی لٹایا مگر اس نے خون کی الٹی کی۔

سٹاف ای۔سی۔جی مشین ___ "ہمدانی نے جلدی سے کہا ___ لیکن مشین آنے سے پہلے ہی مریض دم توڑ گیا۔ اس کے رشتہ داروں نے رونا پیٹنا شروع کردیا ___

دوسرا مریض قدرے بہتر نظر آیا اس کی رنگت بھی ٹھیک ہو رہی تھی اور سانسیں بھی استوار تھیں۔ عمیر اور ماہ نور گردو پیش سے بے خبر ہو کر صرف اس کی جان بچانے میں لگے ہوئے تھے ___

سبین ہوسٹل میں جاکر بیڈ پر پڑگئی تھی آیا نے دو گولیاں اسے کھلا دی تھیں اور دروازہ بند کر کے چلی گئی تھی۔ سبین پڑتے ہی سو گئی تھی۔ تھکان اور بخار سے نڈھال جو

تھی۔

کوئی سوا پانچ کے قریب اس کی آنکھ کھل گئی۔ چند لمحے بستر میں پڑی رہی۔ پھر ا
احساس ہوا۔ کہ اب وہ بہتر ہے۔ اس لئے اٹھی۔ باتھ روم میں گئی۔

باہر آکر اس نے بالوں میں برش پھیرا۔ ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک لگائی ___
کپڑے ہاتھوں سے ٹھیک کئے

چند منٹ بعد وہ ایمرجنسی میں تھی۔

وہاں پہلے اسے ہمدانی ملا ___ جس نے افسوس ناک خبر سنائی۔ کہ رات والا ان
مریض چل بسا تھا۔

"دوسرا؟" سبین نے پوچھا ___ اسے دیکھ کر عمیر بھی اس کی طرف آگیا تھا۔ خو
سے بولا "وہ خدا کا شکر ہے بچ گیا ___"

سبین نے اسے دیکھ کر کہا "تم ادھر آگئے ہو۔ اس کے پاس کون ہے"

"ماہ نور ابھی ان کے پاس ہی ہے۔ میں تو تمہارا حال پوچھنے آگیا تھا۔ اب کیسی ہو"

"ٹھیک ہوں ___ اسی لئے آگئی ___ تمہارا بجد شکریہ ___ تمہاری وجہ سے م
نے دو گھنٹے سو کر آرام کرلیا ___ اب میں بالکل فریش ہوں ___"

وہ وہاں سے ہٹ کر ماہ نور کے پاس آگئی ___ اسے دیکھتے ہی بولی "مبارک ہ
بڑی خوش ہو ___"

ماہ نور نے سر اٹھایا اور چہک کر بولی "اچھا تو تمہیں پتہ چل گیا" پھر متجس
ہو کر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی اور شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی "تمہیں کیسے
چلا۔ کسی نے بتایا"

"عمیر نے" اس نے سرسری لہجے میں کہا پھر جھک کر مریض کو دیکھنے لگی۔ جو ا
تک کوما میں تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر زندگی کے آثار تھے۔

ماہ نور نے آنکھیں سکیڑیں۔ پھر حیرانگی سے سبین کو دیکھ کر بولی "تمہیں عمیر نے بتایا
وہ تو اس وقت یہاں نہیں تھا ___"

سبین نے حیرت سے اسے دیکھا اور بولی "کیا کہہ رہی ہو؟ ابھی نیند میں تو نہیں ہو۔
عمیر ہی کے ساتھ مل کر تو تم نے اس مریض کی جان بچائی"

ماہ نور کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔

پھر

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "اچھا تو تم اس کی مبارکباد دے رہی ہو۔ میں کچھ اور
سمجھی"

اب سبین متجسس ہو کر بولی "کیوں ___ تم اتنی خوش اور کس وجہ سے ہو رہی ہو"

ماہ نور پھر ہنس پڑی ___ اور بولی "ہائے سبین تم تو ہوسٹل چلی گئیں۔ لیکن تم نے
بہت مس کیا ___"

"کیا؟"

ماہ نور نے سبین کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر سرگوشی کی "ڈاکٹر مصطفیٰ آئے تھے۔"

"کیا؟" اب سبین کو حیرت کے ساتھ افسوس بھی ہوا۔ وہ کیوں چلی گئی تھی۔ جی میں
عمیر کو بھی کوسا جس نے اسے ہوسٹل بھجوا دیا تھا۔

"میں شکر ہے اس وقت فارغ ہو چکی تھی۔ ساڑھے تین بجے تھے۔" وہ مزے لے
لے کر بولی

"مگر آئے کیوں تھے" سبین کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

"ان کی بہن کا خانساماں بیمار ہو گیا تھا ___ بہت پرانا ملازم تھا۔ ان کے بہنوئی کو اس
نے گودوں کھلایا ہے۔ ویسے بھی بہن کے سسرال کا معاملہ تھا۔ اس لئے اسے خود لے کر
آئے۔"

"پھر" سبین تجسس سے بولی۔

"باباجی کے سارے ٹیسٹ ہمیں ہوئے۔ اسے پیٹ میں درد تھا۔ لیکن سر کا خیال تھا
کہ یہ ہارٹ اٹیک ہے ___ ای سی جی ہوئی تو ان کی بات سچ نکلی ___"

سیمن نے بے چینی سے پوچھا "تو پھر گئے کب"

ماہ نور لہرا کر آنکھیں مٹکا کر بولی "اف تم نے مس کیا سیمن۔ ___ کیا ڈیشنگ پرسنیلٹی ہے ان کی حالانکہ دوسرے وارڈ کے سینئر ڈاکٹر ہیں۔ لیکن یہاں اتنا رعب داب ؟ ان کا۔ بس کیا کیوں ___ "

"تم سے باتیں کیں ___ "

ماہ نور نے ہونٹ سکیڑے اور بولی "بڑے لئے دیئے رہے۔ صرف ہیلو پر ہی اکتفا یا پھر بابا کے متعلق ہی بتاتے اور باتیں کرتے رہے ___ "

"ہوں"

"داخل کروا کے کہہ گئے۔ کہ ہم اسے اپنے وارڈ میں شفٹ کرلیں۔ کل پرسوں د اسے ادھر اپنے وارڈ میں لے جائیں گے ___ "

سیمن کھوئی کھوئی سی نظر آنے لگی۔ ماہ نور ہنسی "مس کیا ہے نا ___ "

"ہاں ___ اور مجھے افسوس بھی ہے" وہ گہری سانس لے کر بولی۔ پھر اس سے پوچھا "وہ باباجی ہیں کہاں ان کے ہی دیدار کرادو ___ مصطفیٰ نہ سہی اس کا بابا ہی سہی اب وہ مسکرا رہی تھی۔

"باہر بیڈ پر ہے" ماہ نور نے کہا۔ پھر بولی "چلو تم سے ایک رعایت کرتی ہوں۔ کیا یا کروگی"

"ہوں رعایت! وہ کیسی؟"

"باباجی کو تم اپنے وارڈ کے بیڈ پر شفٹ کرالو ___ "

ماہ نور آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکرائی ___ شوخ لہجے میں بولی "مصطفیٰ اس دیکھنے تو آئیں گے نا ___ "

"شکریہ" سیمن اندر سے مسکرا اٹھی "اچھی دوست ہو"

"اب پتہ چلا ___ " ماہ نور نے منہ بنایا ___

سیمن مسکرا دی ___ ماہ نور نے شوخی سے آنکھیں نچائیں "ان سے کوئی امید

وابستہ نہ کر بیٹھنا۔ کچھ روکھے سے ہیں ___ بابا سے ہٹ کر کوئی بات ہی نہیں کی۔"

"اس کی وجہ سے پریشان ہونگے ناں" سیمن نے چہرے پر جھول کر آنے والی لٹ کو سر کے جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"اللہ اتنی طرفداری۔ تم تو گئیں۔ بس" وہ شوخ ہوئی جارہی تھی۔ اس وقت ڈاکٹر ہمدانی مریض کو دیکھنے ادھر گئے ___ دونوں چپ ہوگئیں۔

مریض کے متعلق ہمدانی نے ماہ نور سے دو ایک سوال کئے ___ پھر بولا "آپ بہت خوش ہیں نا۔ واقعی اپنے مریض کی جان بچاکر ڈاکٹر کو سب سے زیادہ خوشی ہوتی ہے"

"بالکل" سیمن نے کہا

پھر

وہ دونوں باہر نکل آئیں۔ سیمن اس باباجی کو دیکھنا چاہتی تھی۔ جس کو اس نے اپنے وارڈ کے بیڈ پر ماہ نور کے کہنے سے شفٹ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔

وقتی طور پر اسے یہ بات کچھ چھچھوری سی لگی۔ صرف ڈاکٹر مصطفیٰ سے ملنے کے لئے وہ ایسا کررہی تھی ___

لیکن

بعض اوقات ایسی سبک اور چھچھوری حرکتوں میں بھی مزہ ملتا ہے۔ اچھا لگتا ہے۔

اس میں برائی نام کی کوئی شے نظر نہیں آتی ___

تو

کیا

وہ

ڈاکٹر مصطفیٰ میں سنجیدگی سے دلچسپی لینے لگی تھی؟

یہ

صرف

دلچسپی ہی تھی

یا

وہ کچھ اور آگے بڑھ چکی تھی؟

اس کے دماغ میں کئی سوال ابھر رہے تھے پھیل رہے تھے اور جواب طلب کر رہے تھے ___

لیکن

جواب کیا تھا؟ شاید اس وقت وہ خود بھی سمجھ نہ پا رہی تھی۔

○ ○ ○

اگلے دن اس کی دس بجے سے پھر ڈیوٹی تھی۔ آٹھ بجے ایمرجنسی سے آکر اس نے بمشکل تمام ناشتہ کیا اور پھر بستر میں لیٹ گئی۔ رات کی کسل مندی بخار کی تکان اور ڈاکٹر مصطفیٰ کو نہ دیکھ سکنے کی مایوسی لاشعوری طور پر اس کے اعصاب پر سوار تھی اس خیال سے اسے جھنجلاہٹ بھی ہوئی تھی۔ لیکن ان کا خیال تو غیر محسوس طریق سے اس کے اعصاب پر مسلط ہو رہا تھا۔

سوچتے سوچتے جھنجلاتے اور اپنے آپ سے لڑتے جھگڑتے اسے نیند نے آلیا۔ پورے دو گھنٹے وہ بے خبر پڑی سوتی رہی۔ اچانک ہی آنکھ کھلی۔ گھڑی دیکھی تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ بھاگم بھاگ باتھ روم میں گئی۔ آج وہ پھر لیٹ ہو جائے گی ___ سر قیوم نے راؤنڈ لینا تھا ___

نہا دھو کر کپڑے بدلے بال بنائے۔ ہلکا سا میک اپ کیا اور اپنا بیگ اٹھایا اوور آل بازو پر ڈالا ___ سٹیتھو سکوپ لی اور تیز تیز قدم اٹھاتے برآمدے میں آگئی سر قیوم کی وجہ سے تو پریشانی جو تھی سو تھی۔ اسے خدشہ تھا۔ کہ کہیں ڈاکٹر مصطفیٰ اپنے پیشنٹ کو دیکھ کر واپس نہ جاچکے ہوں۔ پریشانی کی بات یہی تھی۔ گو وہ اپنے آپ کو اس سے انکاری کر کے دھوکہ دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ

اپنے وارڈ میں پہنچی۔ تو راؤنڈ شروع ہو چکا تھا۔ سر قیوم ہاؤس آفیسرز اور نرسوں کے ساتھ مریضوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ جلدی سے رات والے بابا کے بیڈ کے پاس آئی۔ اس کی بیٹی آئی ہوئی تھی بیبن نے جلدی جلدی اس کی ہسٹری لی اور پھر راؤنڈ جوائن کر لیا ___

بابا کو دوائیاں دی جارہی تھیں ..... دیکھنے میں وہ ٹھیک لگ رہا تھا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ
اسے دیکھنے ابھی نہیں آئے تھے۔

وہ راؤنڈ میں شریک تو تھی۔ لیکن اس کی نظریں بار بار دروازے کی طرف اٹھ رہی
تھیں۔ انتظار کی اذیت وہ شدت سے وہ دوچار تھی۔ کبھی کبھی کن انکھیوں سے وہ بابا کے
بیڈ کی طرف بھی دیکھ لیتی۔ کہ کہیں مصطفیٰ آہی نہ گئے ہوں۔

وہ

اس وقت خاصی الجھی ہوئی تھی۔ مصطفیٰ ابھی نہیں آئے تھے۔ اسے اس بات سے
اطمینان ہوا تھا۔

لیکن

اس اطمینان نے اس کے اندر بے اطمینانی بھر دی تھی۔ وہ بہت مضطرب ہو رہی
تھی

اندر کی جنگ زوروں پر تھی۔ اپنے آپ کو لعن طعن کر رہی تھی .... اپنے رویے
پر حیران ہو رہی تھی ... ایسی باتیں تو کچی عمر کی لڑکیاں کرتی تھیں۔ وہ تو خاصی میچو
تھی۔ شوخ اور حاضر جواب بے شک تھی۔ لیکن ایسی حرکت کی مرتکب ہونے کا تو اس
نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

وہ ڈاکٹر قیوم کی باتوں پر قطعاً دھیان نہ دے رہی تھی۔ اپنے آپ ہی میں الجھی ہوئی
تھی۔

ڈاکٹر تیسرے سے چوتھے بیڈ کی طرف گئے۔ تو وہ بھی ڈاکٹروں اور نرسوں کے ساتھ
ادھر ہی چلدی۔ حالانکہ اس کے اپنے بیڈز اس طرف نہ تھے۔ وہ ان کے پیچھے پیچھے چل
رہی تھی کہ جمعدار نے اسے پکارا "ڈاکٹر صاحبہ ..."

"ہوں" اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"ادھر ڈاکٹر صاحب آئے ہیں۔ ان کی بات سن لیں"

ثمین نے چونک کر دیکھا۔ بابا کے بیڈ کے پاس ڈاکٹر مصطفیٰ کھڑے تھے۔

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ادھر آئی۔ اپنی بیتابی اور بے قراری کا کسی طور پہ مظاہرہ
کرنا نہ چاہتی تھی۔ حالانکہ انھیں دیکھتے ہی اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئی تھیں۔

وہ ان کے پاس آئی۔

ہیلو کہا ...

جواباً ڈاکٹر نے ایک نگاہ اس پہ ڈالی ہیلو کہا اور پھر چارٹ دیکھنے لگے۔ ان کے
رویے سے تو اسے محسوس تک نہ ہوا۔ کہ وہ دو تین بار پہلے مل چکے ہیں ... اسے ہلکا
سا ذہنی دھچکا لگا

ڈاکٹر مریض کی چارٹ فائل کھولے معائنے اور دوائیوں کی تفصیل دیکھ رہے تھے۔

"یہ آپ کا بیڈ ہے" وہ فائل دیکھتے ہوئے ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے
بولے

"جی" اس نے ہولے سے جواب دیا۔

"گڈ" ڈاکٹر نے تسلی آمیز انداز میں سر ہلایا۔ ان کا انداز بالکل سر قیوم کا سا تھا۔
پیشہ ورانہ ... ثمین کو قدرے بے چینی ہوئی۔

ڈاکٹر مصطفیٰ نے سنہری فریم والے چشمے کی اوٹ سے اس کی طرف دیکھا اور بولے

"ایمرجنسی میں بابا کو ڈاکٹر ماہ نور اور ڈاکٹر ہمدانی دیکھ رہے تھے۔"

"جی ..." ثمین نے سر اثبات میں ہلایا۔ اسے سمجھ نہ آرہا تھا۔ کہ مصطفیٰ اتنے
سنجیدہ کیوں ہیں ... مسکرا کر بھی یہ بات پوچھی جاسکتی تھی۔ بے تکلفی کا کوئی تو اشارہ
دیا جاسکتا تھا۔

ان کا مریض بھی سٹیبل تھا۔ خطرے کی کوئی بات نہ تھی۔

ڈاکٹر مصطفیٰ نے فائل نرس عطیہ کو دیتے ہوئے ثمین سے پوچھا "انہیں انجکشن
ہیپرین ایک سی۔ سی۔ کیوں نہ دی گئی ..."

"ڈاکٹر ہمدانی کا خیال تھا۔ اس کی ضرورت نہیں" وہ بولی۔

"حیرت ہے" ڈاکٹر مصطفیٰ نے حیرانگی سے کہا "کس قسم کے ڈاکٹر ہیں یہ ہمدانی۔

"یہ یہاں کے میڈیکل آفیسر ہیں؟"

"جی" اس نے پھرتی کہا۔

"ویل ــــ" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولے "میں نے خاص ہدایت بھی کی تھی۔"

ثمین کا جی چاہا کہہ دے۔ اتنا ہی خیال تھا اپنے مریض کا تو رک جاتے نا ــــ چلے کیوں گئے تھے

اس نے نگاہوں میں قدرے ناگواری لاتے ہوئے سوچا۔ لیکن کچھ کہہ نہ سکی۔ ڈاکٹر نے پھر چارٹ نرس سے لے لیا اور اس کے معائنے میں مصروف ہو گئے ساتھ ساتھ ہدایات بھی دیتے گئے۔ ثمین نے ان کا انہماک دیکھا۔ تو قدرے رخ بدل کر ان کا چور نظروں سے جائزہ لینے لگی۔

وہ اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکی۔ کہ ڈاکٹر مصطفیٰ مسحور کن شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ بے انتہا وجیہہ اور باوقار ہیں۔ سنہری چشمے کی وجہ سے ان کے خوبصورت چہرے کی خوبصورتی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ بہت ہی گریس فل لگ رہے تھے۔ وہ کیا ہدایات دے رہے تھے۔ ثمین کا دھیان اس کی طرف نہیں تھا۔

"ڈاکٹر ثمین" انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ گھبرا گئی۔ مصطفیٰ کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ جو اسے جھینپتا دیکھ کر اور گہری ہو گئی۔ وہ جس طرح انہیں ایک ٹک دیکھی جارہی تھی۔ انہیں لگ رہا تھا کہ وہ ان کی ہدایات بالکل سن نہیں رہی۔

وہ متبسم نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولے "امید ہے آپ میری ہدایات پر پوری طرح عمل کریں گی۔"

"یس سر" وہ جلدی سے بولی۔ اس نے زندگی میں اپنے آپ کو اتنا بے وقوف بھی نہیں سمجھا تھا۔ جتنا اب ایک دم چونک کر سمجھ رہی تھی۔ دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوستے ہوئے پھر بولی "سر آپ فکر نہ کریں۔ ایسا ہی ہوگا ــــ"

اس نے قصداً اپنی نگاہیں جھکالیں ــــ مصطفیٰ اب بھی اسے مسکراتی نظروں سے

دیکھے جارہے تھے۔

ڈاکٹر نے چارٹ پھر نرس کو دے دیا اور واپس جانے کے لئے مڑتے ہوئے انگریزی میں بولے "ہوپ فار دی بیسٹ۔ میں انشاء اللہ دو ایک دن میں بابا کو اپنے وارڈ میں شفٹ کروالوں گا ــــ"

اب ان کے چہرے پر مسکراہٹ کا شائبہ تک نہ تھا۔

"رائٹ" وہ بھی سنجیدگی سے بولی۔

"او ــــ کے" ڈاکٹر الوداعیہ انداز میں کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

وہ سحرزدہ سی انہیں دیکھتی رہی۔

وہ چند ثانئے ساکت سی کھڑی ادھر ہی دیکھتی رہی۔ مصطفیٰ دروازے سے نکل گئے تو وہ سٹاف عطیہ کی طرف مڑی۔ جو شوخ مسکراتی نظروں سے اسے تک رہی تھی۔

"کیا کیا ہدایات دی ہیں انہوں نے" اس نے عطیہ سے پوچھا۔

وہ اس کی حالت کا جائزہ لیتے ہوئے محظوظ ہو رہی تھی۔ شوخ شوخ لہجے میں اسے ہدایات بتانے لگی۔ ثمین کو اس کا لہجہ تمسخرانہ لگا۔ اسی لئے قدرے سخت لہجے میں بولی۔

"نائٹ ایمرجنسی کے بعد دماغ ماؤف سا ہو جاتا ہے"

اس نے اپنی غیر حاضر دماغی کی گویا توجیہہ کی اور ساتھ ہی عطیہ کو احساس دلایا کہ وہ اس سے یوں فری نہ ہو ــــ

سٹاف عطیہ چپ چاپ اپنا کام کرنے لگی۔

ثمین جو مصطفیٰ کے جانے کے بعد خالی الذہن سی ہو گئی تھی۔ اب کام کرنے لگی۔ لیکن اب وہ خالی الذہن نہ تھی۔ وہ سوچوں میں ڈوبی تھی۔ ڈاکٹر مصطفیٰ کے پیشہ ورانہ رویے نے اسے مایوس کیا تھا۔ وہ ان کا سخت اور رعب داب والا رویہ دیکھنے کے لئے تو ان کا انتظار نہیں کر رہی تھی۔ اس کا تو خیال تھا کہ وہ اسے ہنستے بولتے ملیں گے۔ وہ بھی ان سے کھل کر باتیں کرے گی۔ دوستانہ رویہ ہوگا۔

لیکن

لیکن

مصطفیٰ تو جیسے صرف بابا کو ہی دیکھنے آتے تھے۔ بات بھی کی تو اس کے متعلق۔ کچھ پوچھا بھی تو اس کے بارے میں۔ مجال ہے جو کوئی ذاتی سوال کیا ہو۔ اتنے دنوں بعد ملے تھے۔ خیریت ہی دریافت کر لیتے۔

لیکن

کیوں؟

اس کا اپنا من ہی پوچھ بیٹھا۔

کیا ان کا رویہ غیر پیشہ ورانہ ہونا ضروری تھا۔ اتنی کونسی ان سے دوستی تھی۔ جو وہ حال احوال پوچھتے وہ خود ان کے سر چڑھی تھی۔ دعوت دینے پر انہیں مجبور کر دیا تھا۔ بے تکلف ہونے کی بلا ضرورت کوشش کی تھی۔

ثمین کو ذہنی کوفت ہونے لگی۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان والی بات ہوئی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔ کہ آخر اس نے ایسا کیوں کیا تھا۔ ڈاکٹر نے تکلفانہ اور اخلاقاً اسے چائے کو پوچھا تھا۔ لیکن وہ ___

اف اسے اپنے اوپر اتنا غصہ آیا۔ کہ جی چاہا مار ڈالے اپنے آپ کو اتنی چھچھوری حرکت لگ رہی تھی اس دن خواہ مخواہ کی دعوت اڑانے کی۔

وہ سوچتی رہی

کبھی اپنے اوپر غصہ آتا۔

کبھی جذبہ ترحم ابھرتا۔

کیا وہ اس قابل نہیں تھی کہ ڈاکٹر مصطفیٰ اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے۔ خیر وہ اتنی گئی گزری تو نہ تھی۔ اسے احساس تھا وہ ایسی لڑکی ہے۔ جس کی طرف جنس مخالف از خود کھنچ سکتی ہے۔ یہ دوہری بات تھی۔ کہ سوائے اپنے چند دوستوں کے وہ کسی اور کو لفٹ نہ دیتی تھی

اس نے بہت کوشش کی کہ ڈاکٹر مصطفیٰ کی سرد مہری اور پروفیشنل رویے کو ذہن

سے جھٹک دے۔

لیکن ایسا کرنا اس کے اختیار میں نہیں رہا تھا ___

"تو کیا میں ان کی محبت کے جال میں پھنس گئی ہوں" اس نے یہ انتہائی نازک سا سوال اپنے ذہن پر داغ دیا ___

جواب اثبات میں تھا۔ لیکن اس اثباتی اشارے پر وہ خود ہی جھلا گئی ___ اس کا جی چاہا زور زور سے چیخے اور کہے "ایسا نہیں ہے ایسا نہیں ہو سکتا"

لیکن

جو بات ہو گئی تھی۔ جو تیر کمان سے نکل چکا تھا اسے واپس لانا اس کے بس میں کہاں تھا ___

یہی بات تو تھی۔

جو

وہ اگلے دو تین دن وارڈ میں ڈیوٹی دیتے ہوئے ڈاکٹر مصطفیٰ کا انتظار کرتی رہی تھی۔

دل کی ہر دھڑکن آہٹ پانچتی جاری تھی۔

وہ نہیں آئے تھے ___

اسے مایوسی ہوئی تھی۔

ہاں اسے ان کے بابا کے حوالے سے پیغام ملتے رہے تھے۔ سٹاف عطیہ یہ پیغام ان کی جانب سے دیتی رہی تھی۔ پیغام سن کر ثمین قطعاً خوش نہ ہوتی تھی۔ کاش یہ ہدایتیں وہ اسے بلا کر خود دیتے۔

اس دن وہ ڈیوٹی پر آئی۔ تو سٹاف نے کہا "ڈاکٹر ___"

"ہوں"

"کل رات ڈاکٹر مصطفیٰ اپنے پیشنٹ کو دیکھنے آئے تھے"

ثمین کا دل دھک سے رہ گیا ___ کہنا چاہا دن کو نہیں آسکتے تھے۔ لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکی

عطیہ بولی "وہ آج بابا کو اپنے وارڈ میں شفٹ کروا رہے ہیں ___"

"اچھا" سبین نے کہا ___ پھر عطیہ کو وہیں چھوڑ کر بابا کے بیڈ کی طرف آ گئی۔
ان سے ان کا حال پوچھنے لگی۔

بابا اس موہنی سی لڑکی کے اخلاق سے بہت متاثر تھے۔ اس نے حال پوچھا تو ا
بےشمار دعائیں دے ڈالیں۔ دو تین دن اس لڑکی نے ان کی نگہداشت بھی تو بہت ا
طرح کی تھی۔

شام ڈاکٹر مصطفیٰ کا پیغام ملا۔ کہ انہوں نے ضابطے کی ساری کارروائی کر لی ہے
مریض کو اپنے وارڈ میں شفٹ کروا دیا جائے گا ___

وہ خود نہیں آئے۔ سبین نے ایک بے نام سی بے چینی محسوس کی۔ بے چینی تو
تین دنوں سے اس کے سراپا پر چھائی تھی۔ اضطرابی کیفیت ہر دم طاری رہتی تھی۔ گو
تین دنوں میں اس نے اپنے آپ کو بہت مصروف رکھا تھا۔ اپنے گروپ کے سا
میوزیکل کنسرٹ میں بھی گئی تھی۔ ایک ڈنر بھی لیا تھا اور پھپھو کے ہاں پارٹی میں بھی
۔ ثمن نے یہ پارٹی اپنی سہیلیوں کو طیب بھائی کی منگنی کی خوشی میں دی تھی اور تو اور و
طلحہ بھائی کی ہونے والی منگیتر کو بھی تائی اور صبیحہ کے ساتھ دیکھنے گئی تھی۔

لیکن

اتنی ڈھیر ساری خوش کن مصروفیتوں

اور

تنہا لمحوں کے اس کے اندر اترنے والے اضطراب و بے چینی میں کسی طور کمی
ہو پائی تھی۔ دل تھا۔ کہ اداس ہی ہوتا چلا جا رہا تھا۔

شام

اس نے بابا کو ڈاکٹر مصطفیٰ کے وارڈ میں شفٹ کروا دیا۔ بارہا جی چاہا کہ وہ خود مریضہ
کے ساتھ وہاں جائے۔ لیکن کچھ انا کا مسئلہ حائل ہو گیا۔ اگر مصطفیٰ اسے لفٹ نہ کرار
تھے۔ تو اسے بھی سنبھل کر محتاط قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔

وہ

اگلے دنوں میں بھی اس وارڈ میں بابا کو دیکھنے نہ گئی۔ ہاں کبھی وارڈ بوائے اور کبھی
اس وارڈ کی سٹاف سے بابا کے متعلق پوچھ لیتی۔ بابا کی احوال پرسی بھی انہیں ذرائع سے
کرتی رہی ___

○ ○ ○

اس دن عائشہ اس کے گھر آئی تھی۔ ریحان نے بھی آنا تھا۔ لیکن وہ کسی ضرو
کام سے پنڈی چلا گیا تھا۔ اس لئے نہ آسکا۔ ثمین نے شکر ہی ادا کیا۔ کیونکہ ابھی تا
پیغام آیا تھا کہ وہ اور شبانہ اس کی طرف آرہی ہیں۔ بلڈ پریشر چیک کروانے تا
نیز اس کی آتے جاتے دوستوں کو دیکھتی رہتی تھیں۔ شبانہ کے لئے یہ نئی بات ہوتی۔
ایک نوجوان لڑکا اس کی مہمانداری کا لطف سمیٹ رہا ہوتا ___

عائشہ اور ثمین ایک صوفے میں نیم دراز باتوں میں مشغول تھیں۔ باتیں ہر پھ
مصطفیٰ پر ہی آجاتیں۔

"کتنے سمارٹ ہیں"

"کیسے گریس فل لگ رہے تھے"

"باتیں کتنی متانت اور سنجیدگی سے کرتے ہیں"

"اس دن دعوت پر تو حاتم کی قبر پہ بھی لات مار دی"

"بہت مزہ آیا تھا ___"

"تمہارے ساتھ تو دوستی خوب گاڑھی ہوگئی ہوگی"

"مجھے لگتا ہے وہ دل و جان تم پہ نچھاور کر بیٹھے ہیں۔ بار بار خوبصورت نظروں
سے ہی دیکھ رہے تھے"

عائشہ اپنی دھن اور مستی میں شوخی سے یہ باتیں کئے جا رہی تھی۔ ثمین بھی خامو
نے جا رہی تھی۔ تصوراتی دنیا میں تو وہ خود بھی یہی دیکھتی تھی۔ لیکن بات اس کے بر
۔ مصطفیٰ کو تو کئی دنوں سے اس نے دیکھا ہی نہیں تھا۔ جب سے بابا کو ان کے و
ذہن پہ تھا۔ اس دن سے تو ان کا کوئی پیغام بھی نہ ملا تھا۔

کچھ دیر تو عائشہ کی باتوں کو ثمین نے انجوائے کیا ___ پھر وہ جھلا گئی۔ جب
نے شوخی سے کہا "بس تمہارا کام بن گیا ___ ڈاکٹر مصطفیٰ پر تمہارا جادو چل گیا"
تو

ثمین ٹھیک طرح سے بیٹھتے ہوئے اداس نظروں سے عائشہ کو دیکھتے ہوئے بولی

"بکواس کئے جاؤ گی"

"کیوں؟ کچھ غلط کہا میں نے"

"تو اور ___"

"چل ہٹ ___ میں سب سمجھ گئی تھی اسی دن ہی ___"

"سراپا سمجھ گئی تھی ___"

"منہ کیوں بسور رہی ہو ___ دل اداس ہو رہا ہے ان کے لئے" عائشہ نے ثمین کو
گدگدی کی تو وہ روہانسی آواز میں بولی "مت کرو ایسے مذاق"

"کیوں؟"

"بس۔ جب ایسی کوئی بات ہی نہیں تو مذاق کیسا"

"واہ وا ___ صدقے جاؤں ___ تمہارے تو چہرے پر لکھا ہے کہ ایسی بات ہے۔
پھر انکار کیوں ___"

"چہرے پر تو پتہ نہیں کیا کیا لکھا ہے"

عائشہ کچھ کہنے ہی کو تھی۔ کہ تائی اپنی بہن کے ساتھ اندر آگئی۔ عائشہ احتراماً اٹھ
کھڑی ہوئی ___ ثمین نہیں اٹھی۔ ویسے ہی دونوں کو سلام کیا۔

"بیٹھیں" ثمین نے دونوں سے کہا۔

"میں ثمین کی دوست عائشہ ہوں۔" عائشہ نے اپنا تعارف کروایا ___ "آپ سے
پہلے بھی مل چکی ہوں"

اس نے تائی سے کہا اور پھر شبانہ کی طرف دیکھ کر بولی "آپ تائی اماں کی بہن
ہیں۔"

"ہاں" شبانہ نے اپنے آپ کو بڑی ٹھہری ہوئی سلجھی ہوئی عورت کے ر
ڈھالتے ہوئے کہا۔

عائشہ بھی سبین کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

سبین نے تائی سے پوچھا "بی پی چیک کروائیں گی؟"

"کردو ___ " تائی نے روکھے لہجے میں کہا "ہاں ___ سیلی کی وجہ سے فرصت
رہنے دو۔ پھر کروالوں گی۔"

سبین نے عائشہ کی طرف دیکھا۔ عائشہ کو تائی کی بات اور لہجہ ناگوار گزرا تھ
سبین نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے موڈ خوشگوار رکھنے کا کہا۔ تو وہ سائیڈ ٹیب
ٹائمز اٹھا کر دیکھنے لگی۔ سبین اٹھی اور اپنے کمرے سے بی پی اپریٹس اٹھا لائی ___
قریب بیٹھ کر اس نے انکی آستین اوپر کی اور پوچھا "دوائی لے رہی ہیں ___"

"اے کہا۔ ملو کی منگنی کی خریداری میں مصروف ہوں۔ یاد ہی نہیں رہتی
ابھی آنا ___ تو دیکھنا۔ کپڑے لائی ہوں ___ اس کو بھی لے آنا ___ بڑے خوبص
جوڑے لائی ہوں ___"

"پہلا بیٹا ہے ماشاء اللہ" شبانہ نے فخر سے کہا "لڑکی بھی لاکھوں میں ایک ملی
بھی بہت اچھی ہے"

سبین نے تائی کا بی پی دیکھا۔ تھوڑا زیادہ ہی تھا۔ وہ آپریٹس کھولتے ہو

"آپ دوائی وقت پر لے لیا کریں ___ بی پی کنٹرول ہونا چاہئے ___"

"کسی اور ڈاکٹر کو بھی دکھالیں" شبانہ نے بہن سے کہا ___ یوں جیسے سبین ڈ
نہ ہو۔ عائشہ کو ان دونوں کے انداز وگفتار سے کوفت ہو رہی تھی۔ اسے سبین سے
پیار تھا۔ اس کے لئے وہ دلی ہمدردی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"چائے پئیں گی" سبین نے آپریٹس ہاتھ میں لے کر اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ___ ابھی تو کھانا کھایا ہے" تائی بولیں۔

"قہوہ" سبین نے پوچھا۔

"نہیں رہنے دو ___ تم دونوں پیو" اس نے عائشہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"وہ تو ہم پئیں گے ہی۔ آجکل ہی تو موسم ہے۔ ویسے سبین قہوہ بناتی بھی بہت اچھا
ہے" اس نے جان بوجھ کر سبین کی تعریف کی۔

شبانہ نے منہ بنایا۔ تائی اٹھتے ہوئے سبین سے بولی "فارغ ہو کر کپڑے دیکھ جانا۔ تم
بھی آنا عائشہ ___"

"جی اچھا ___"

"گھریلو کاموں میں بھی دلچسپی لینی چاہئے۔" شبانہ نے دونوں کو گویا نصیحت کی۔ "ہر
وقت الٹے تلٹے اچھے نہیں لگتے ___"

عائشہ نے منہ بنایا سبین کو ہنسی آگئی جسے اس نے بمشکل روکا۔ وہ دونوں اٹھ گئیں۔
عائشہ نے سبین کے گلے میں بانہیں ڈال کر دلی ہمدردی سے کہا "ہائے سبین تم ایسے لوگوں
میں کیسے رہتی ہو ___"

سبین افسردگی سے مسکرائی اور بولی "دیکھ لو ___"

عائشہ نے اسے پیار کرلیا۔

سبین بولی "شکر ہے ڈاکٹر بن گئی ہوں۔ زیادہ وقت باہر ہی گزرتا ہے۔"

"فرار؟"

"ہاں ___ اور شاید اسی لئے میں نے اپنی زندگی کا پیٹرن ہی ایسا بنا لیا ہے۔ سوچو
دوستوں کے ساتھ گھوموں نہ پھروں یا ہلا گلا نہ کروں۔ تو میری زندگی کیسی ہو ___"

عائشہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اس کی سنجیدگی کو دور کرنے کے لئے بولی "اسی لئے
تمہیں ڈاکٹر مصطفی ___"

سبین نے اسکی بات کاٹی "مت کہو ان کے متعلق کچھ ___ وہاں دال نہیں گلنے
والی۔ بہت سخت اور رعب داب والے ڈاکٹر ہیں ___ کسی کو لفٹ نہیں کرواتے ___"

"تمہیں بھی ___"

"تو اور کیا ___ رونا کس بات کا ہے"

عائشہ تو قدرے مایوس سی ہوئی۔ وہ تو بڑے سہانے اور امید افزا جذبات رکھتی
ڈالنز سے اب ایک ہی ملاقات ہوئی تھی۔ ان کے رویے اور نظروں سے اس نے
یہ بات اخذ کرلی تھی کہ وہ ثمین میں بڑی دلچسپی لے رہے ہیں۔

لیکن

ثمین کی باتوں سے وہ کوئی خوشگوار نتیجہ نہ اخذ کر سکی۔ اس نے چاہا ثمین
سلسلہ میں کھل کر بات کرے۔

لیکن ثمین نے اس کے صوفے پر لیٹتے ہی کہا "تم تھوڑی دیر ایسی ہی پڑی رہو
قہوہ بنا کر لاتی ہوں"

"تم ادھر آؤ۔ یہاں بیٹھو۔ قہوہ اماں فضیلت بنا دے گی" عائشہ نے جیسے حکم صا

"اماں اپنے کوارٹر میں چلی گئی ہے۔ میں دو منٹ میں بنا لاتی ہوں۔ ابھی تو
لوگوں کے سامنے میرے قہوے کی تعریف کر رہی تھیں۔ اب پی کر دیکھنا کہ تعریف
یونہی کر دی تھی" ثمین ہنسی ___ عائشہ نے اس کی طرف دیکھا۔ گھر کے سا
کپڑوں ___ کے بغیر میک اپ کے اور بنا بال سیٹ کئے بھی وہ کتنی پیاری اور
رہی تھی ___ اتنی پیاری اور ایسی اچھی لڑکی کو تقدیر نے زندگی کی راہگزاروں
چھوڑ دیا ہوا تھا ___ اپنے تھے ___ لیکن بیگانوں سے بدتر ___

عائشہ سوچ رہی تھی۔ یہ ثمین کا دل گردہ ہی ہے جو ان حالات میں بھی زندگی
کرتے ہوئی جی رہی ہے ___ وہ اس کی جگہ ہوتی تو ایسے بے مہر رویے سے
مرتی نہیں۔ لیکن نارمل ہرگز نہ رہتی۔

"میں مزیدار سا قہوہ بنانے کی کوشش کروں گی" ثمین مسکراتے ہوئے بولی "تم
تم ڈیک پر گانے سنو۔ وہ ساتھ ہی کیسٹیں پڑی ہیں۔ اپنی پسند کی نکال لو"

وہ

کمرے سے نکل گئی۔ عائشہ نے اٹھ کر ٹیپ آن کر دیا ___ فل والیوم پر

والی تھرلنگ سی پنجابی کی کیسٹ تھی

ثمین تو کچن میں بھی تیز میوزک کی آواز آرہی تھی ___ یہ آواز تائی
اسی طرح سنائی دیتی ہوگی۔ پہلے تو ثمین نے چاہا والیوم کم کرنے کے لئے عائشہ آواز
دے۔ شبانہ آنٹی بھی آئی ہوئی ہے۔ وہ تو تائی سے بھی بڑھ کر باتیں بنانے والی تھی۔

لیکن

پھر

دل ہی دل میں کہا "اچھا ہے ___ نہیں اور باتیں کریں ___ جل رہی ہونگی
خوب اور مجھے تو آوارگی کا خطاب ضرور ہی دے رہی ہوں گی ___"

اسے یہ باتیں سوچ کر لطف آرہا تھا ___

خوشگوار انداز میں اس نے قہوہ چینی کی چائے دانی میں دم کیا ___ سبز چائے کی پتی
میں الائچیاں کوٹ کر ڈالیں۔ چینی ملائی اور چند لمحوں کے لئے چینک پر رکھ دی۔
قہوہ بنانا اس نے اپنی ایک پشاوری دوست سے سیکھا تھا ___ ہلکی سنہری رنگت کا
خوشبودار قہوہ اس طرح بنانے سے بیحد مزیدار ہوتا تھا ___

وہ چھوٹی سی پھولدار ٹرے میں قہوے کی دو نازک پیالیاں اور چینک رکھ کر لے آئی
میز پر ٹرے رکھتے ہوئے وہ ڈیک کی طرف بڑھی اور اسے بند کر دیا۔

"کیوں" عائشہ جو گانے سے محظوظ ہو رہی تھی بولی ___ تائی سے ڈر گئیں۔

"اوہ" ثمین نے منہ بنایا۔ پھر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔ "آج کل مجھے ایسے
گانے اچھے نہیں لگتے ___"

"تو کیسے اچھے لگتے ہیں۔" عائشہ نے حیرت سے اسے دیکھا

"دھیمے دھیمے افسردہ ___ جو روح کے تاروں کو مرتعش کر دیں"

ثمین نے معنی خیز انداز میں اسے دیکھا۔

"تو وہی لگا لو ___"

"میرے پاس ہے ہی نہیں"

"تمہاری سیمابی کیفیت کی کچھ سمجھ ہی نہیں آتی ___ ابھی دھوم دھڑکا پسند او ا
ن کاٹنے اچھے لگنے لگے"

"دل ہی تو ہے" نیین نے گہری سانس لی۔ پھر عائشہ کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر کھلکھلا ہنس دی۔

عائشہ بھی ہنسنے لگی ___ نیین کے مزاجی رویوں سے وہ بخوبی آگاہ تھی۔

"چلو چھوڑو ان باتوں کو قہوہ پیو۔ کیا یاد کرو گی ___" نیین نے نازک سی چھو قہوے کی پیالی میں سونے کی رنگت کا خوشبودار پانی انڈیلا ___ پھر دوسری پیالی بھر ایک پیالی اس نے عائشہ کو دی۔ دوسری اپنے سامنے رکھ لی ___"

عائشہ نے قہوے کی چسکی لی ___ واقعی بہت مزیدار قہوہ تھا ___ "پاس ہو گئیں تم۔ بہت اچھا قہوہ ہے"

"میرے ان ہاتھوں کا کمال ہے" نیین نے ہنستے ہوئے اپنے مخروطی انگلیوں والے نرم و گداز خوبصورت ہاتھ اس کے سامنے کر دیے ___

"کوئی شک نہیں" عائشہ نے انگریزی میں کہا ___ "وہ بندہ کتنا خوش نصیب ہو گا۔ جو ان ہاتھوں کو تھامے گا ___"

نیین تمسخر سے ہنس کر بولی "وہ بندہ بنا ہی نہیں"

"بکواس نہ کیا کرو اس طرح ___" عائشہ نے پیالی پکڑے پکڑے کہا۔

"حقیقت کو بکواس کہو تو تمہاری مرضی" نیین نے سنجیدگی سے کہا۔

"نیین"

"ہوں"

"ایک بات پوچھوں"

"اجازت کی ضرورت ہے؟"

"نہیں ___ ویسے ہی کہہ رہی ہوں ___"

"تو ___"

"تمہارے لئے کوئی رشتے آئے؟"

"پتہ نہیں ___ تائی کبھی کبھی جتلا دیتی ہیں ___"

"کیا؟"

"کہ جو رشتہ آتا ہے۔ میری بیڈ ریپوٹیشن کی وجہ سے بھاگ جاتا ہے"

"سچ کہتی ہو"

"تائی تو یہی کہتی ہیں۔"

"جھوٹ کہتی ہیں ___"

"اللہ جانے ___"

"میرا خیال ہے تمہارا رشتہ کرنے کی کسی کو پرواہ ہی نہیں ___ تمہارے تو گھر ہی میں کئی رشتے تھے ___"

نیین ہنس پڑی ___ "تمہارا مطلب طیب اور طلحہ سے ہے"

"ہاں"

"پاگل ہو تم ___ ان کی ماؤں کو میں ایک آنکھ نہیں بھاتی ___ تم اتنی دور کی سوچ میں ہو"

"واقعی تمہارے یہ سب رشتہ دار عجیب ہیں ___"

"صرف میرے لئے ___ ورنہ اپنے بچوں کے لئے تو وہ بے مثال والدین ہیں ___ اتنی تعریفیں کرتے ہیں اپنے بچوں کی بس ___ جیسے ان سا پارسا شریف اور نیکو کار کوئی ہے ہی نہیں۔ نئے زمانے کی ہوا تو انہیں چھو کر نہیں گئی۔ سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں اپنے بچوں کو ___ لیکن پھر بھی ___"

وہ تلخی سے ہنسی اور کہتے کہتے رک گئی۔

"پھر بھی کیا؟" عائشہ نے قہوے کا گھونٹ لیتے ہوئے تجسس سے کہا"

"سب کو زمانے کی ہوا لگی ہوئی ہے" نیین نے تلخی سے کہا ___ "صرف بات اتنی ہے کہ وہ ماں باپ کو ہوا نہیں لگنے دیتے۔ وہ سب کچھ چھپ چھپ کر کرتے ہیں۔ جو میں

کھلے عام کرتی ہوں۔ دوستوں سے ملتی جلتی ہوں ___ پارٹیاں اٹینڈ کرتی ہوں۔ سینما دیکھتی ہوں وغیرہ وغیرہ ___ لیکن ایک بات میں ان سے ابھی پیچھے ہی ہوں۔ گو بدنام بہت ہوں"

"کس بات میں؟"

"ابھی کسی سے رومانس نہیں لڑایا۔ صرف دوستی کی ہے"

جبین نے خالی پیالی واپس رکھدی۔ عائشہ کچھ کہنے کو تھی کہ جبین بولی "اور لوگی؟"

"ڈالدو" عائشہ نے پیالی خالی کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھائی ___

جبین نے دونوں پیالیوں میں قہوہ انڈیلا۔ ایک پیالی عائشہ کو دی اور اپنی پیالی بھی اٹھالی دونوں قہوہ پیتے ہوئے باتیں کرنے لگیں۔ اب وہ خاندانی رویے کی باتیں کر رہی تھیں۔ عائشہ کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخر اس کے خاندان والے اس کے ساتھ ایسا رویہ کیوں اختیار کئے ہوئے ہیں۔

بیچاری ایک اکیلی جبین پر اسے بے طرح پیار آرہا تھا ___ ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔

جس کا وہ اپنی باتوں سے اظہار بھی کر رہی تھی۔

جبین دل ہی دل میں اس کی شکر گزار تھی ___ اپنی دوستوں کے پیار اور ہمدردی ہی کی وجہ سے تو وہ زندگی کے رنگ چنتی اور خوشیاں سمیٹتی تھی۔

وہ دن بڑا اچھا گزرا تھا۔

اس لئے جبین دوسرے دن بھی تازہ دم تھی۔ خود کو بہت ہلکا پھلکا اور خوش و خرم محسوس کر رہی تھی۔ اپنے گروپ کے دوستوں سے گپ شپ لگانے کو جی چاہ رہا تھا۔ ذکی سے ملے کافی دن ہو گئے تھے۔ وہ میوزیکل کنسرٹ میں بھی نہیں آیا تھا اور دوسرے تفریحی پروگراموں میں بھی شریک نہ ہوا تھا ___ آج جبین کا ارادہ تھا۔ اسے ڈھونڈ نکالے گی۔ کینٹین میں چائے اس کے ساتھ پیئے گی اور خوشگوار موڈ میں باتیں کرے گی۔ انسان تر تازہ اور ہشاش بشاش اسی وقت ہوتا ہے۔ جب اس کے اندر کوئی الجھن نہ ہو۔ سکون و

اطمینان کی فضا ہو کوئی ذہنی بوجھ نہ ہو ___ جبین کی سیمابی فطرت میں بھی یہی عناصر دخیل تھے۔ اس کے موڈ بدلتے رہتے تھے ___ کبھی بے انتہا خوش۔ شوخ اور بے انتہا باتونی ہو جاتی۔ تب اس کے اندر طمانیت ہوتی اپنے حالات سے سمجھوتے کا ارادہ ہوتا۔ بکھری ہوئی خوشیوں کو سمیٹ کر جھولی بھر لینے کی امنگ ہوتی۔ لیکن جب وہ چڑچڑی روکھی اور بیزار ہوتی۔ تو اس کے من میں بے سکونی ہوتی ___ اکیلے پن کا کرب ہوتا۔ خاندان والوں کے بے مہر رویے کا شکوہ ہوتا۔ امریکہ میں جاکر اسے بھول جانے والے بھائی کے رویے کا کرب ہوتا۔

سکون قلب اور طمانیت اس کے لئے آئی جانی کیفیتیں تھیں۔ تبھی تو وہ کبھی کچھ کبھی کچھ دکھائی دیتی۔ مزاجی رویوں کی تہس نہس اس کے اندر ہوتی رہتی تھی۔ اس کے سارے فرینڈز اس بات سے آشنا تھے ___ اسی لئے اس سے پیار و ہمدردی زیادہ ہی رکھتے تھے ___ اس کے اندر کے کرب و اذیت کو بھی محسوس کرتے تھے اور خوشیوں کو دوڑ دوڑ لپک لپک کر پکڑنے کی کوشش کو بھی سراہتے تھے ___ زندگی جینے کا اسے پورا حق تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنے حالات کی وجہ سے وہ اس سلسلے میں متوازن نہ تھی۔

وہ

خوش خوش ہوسپٹل جانے کے لئے تیار ہوئی۔ بڑا خوبصورت لباس پہنا ___ اچھا برا ہر لباس اس پر جچتا تھا۔ قدرت نے اسے حسن کی عطا میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ پرکشش تھی تو بہت تھی۔ گلگوں پھولوں کو کسی رنگ آمیزی کی ضرورت تو نہیں ہوتی۔ لیکن انہیں بھی تراش خراش کر سجایا جائے تو اور بھی دیدہ زیب ہو جاتے ہیں۔ کچھ یہی حال جبین کا تھا۔ جس دن تیاری میں اہتمام ہوتا۔ خوبصورت لباس ___ اچھا میک اپ اور بوب کٹ بالوں کا خوبصورت سٹائل بناتی۔ اس دن تو حسن اور حسین ہو جاتا۔

آج بھی وہ

بے انتہا دلکش

اور

حسین لگ رہی تھی۔

آؤٹ ڈور میں ڈیوٹی دے کر وہ ہوسپٹل کے اندر اپنے وارڈ کی طرف جا رہی تھی۔

باسمہ مل گئی ___

"نظر بدور" وہ مسکرائی "آج کس کے خرمن پر برق بن کے گرنے کے ارادے ہیں"

اس نے شوخی سے سبین کی طرف دیکھا۔

سبین بھی شوخ ہو کر بولی "تمہارے عمیر کے خرمن پر ___"

باسمہ نے اس کی شرارت سے ناچتی آنکھوں میں گھور کر دیکھا اور ہنستے ہوئے بولی۔

"کوئی اور ڈھونڈو بھئی ___ مشکل سے تو اپنے کو کوئی ساتھی ملا ہے ___"

"تمہارا ساتھی تمہیں مبارک ہو" سبین نے کہا ___ پھر چند لمحے دونوں ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہیں۔

"دیر ہو رہی ہے" باسمہ نے گھڑی دیکھی "مجھے وارڈ میں جانا ہے"

"میں بھی اپنے وارڈ میں جا رہی ہوں" سبین بولی۔ باسمہ نے جاتے جاتے کہا "سبین آج اپنی نظر ضرور اتار دینا ___"

سبین مسکرا کر آگے بڑھ گئی ___ تیز تیز قدم اٹھاتے راہ میں آنے والی نرسوں اور وارڈ بوائیز کے سلاموں کا جواب دیتے وہ دائیں ہاتھ مڑ گئی ___

اس کا وارڈ ادھر ہی تھا۔

گو

ابھی ادھر جانا ضروری نہیں تھا۔ پھر بھی وہ آؤٹ ڈور سے فارغ ہو چکی تھی۔ اب وارڈ میں جانا تھا۔

وہ چند قدم چلی تھی

کہ

کسی نے اسے پکارا

"ڈاکٹر سبین ___"

یہ آواز تو اس کے اندر رچی بسی تھی۔ اسے وہ لمحے کی تاخیر کے بغیر پہچان سکتی تھی۔ حالانکہ اس آواز کو سنے کئی ہفتے گزر چکے تھے ___ پھر بھی جو آواز مضطراب بن کر دل کے تاروں کو چھو لینے والی ہو ___ اسے پہچان لینا کیا مشکل تھا۔

اس نے رک کر

آہستگی سے پلٹ کر دیکھا۔

ڈاکٹر مصطفیٰ اپنے دلکش سراپا سے فضا کو رنگین بناتے کھڑے دھیمی سی مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کے لہجے میں اپنائیت تھی۔ جس نے اس کے دل کو چھو لیا تھا ___

"آپ؟" مصطفیٰ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا ___ "یوں کیا دیکھ رہی ہیں ___ پہچانا نہیں مجھے"

سبین نے شوخ مسکراہٹ لبوں میں دباتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا ___

ہوسپٹل کا برآمدہ نہ ہوتا تو شاید اس کے اس انداز پر وہ کھل کر قہقہہ لگا دیتے۔ لیکن جگہ اور موقع ایسا نہیں تھا ___ خوبصورت مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ کر بولے "یاد داشت خاصی کمزور ہے آپ کی ___"

"شاید" اس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کندھے اچکائے "اب کسی واقعے کو صدیاں بیت جائیں تو اسے کیسے یاد رکھا جا سکتا ہے ___"

"صدیاں؟" ڈاکٹر کی مسکراہٹ بے قابو ہو گئی۔

"جی ہاں" سبین روٹھے روٹھے مصنوعی انداز میں بولی "مجھے تو کچھ یاد نہیں ہم کب اور کہاں ملے تھے۔ آپ کا نام تک ذہن سے نکل چکا ہے ___ ٹھہریئے میں سوچوں ___ شاید نام یاد آ ہی جائے ___"

ڈاکٹر اس کی دلفریب ایکٹنگ پر مسکرائے گئے ___

سبین شوخی سے ان کی طرف اپنی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بولی "کہیں آپ ڈاکٹر

مصطفیٰ تو نہیں؟ سینئر رجسٹرار ـــــ جو اپنے جونیئر ڈاکٹرز سے ملنا پسند نہیں فرماتے۔"

اس کی بات پر ڈاکٹر بے اختیار ہنس پڑے

پھر

بولے "ہوں تو مصطفیٰ ـــــ لیکن سینئر ہونے کے ناطے جونیئر ڈاکٹرز سے کترا
بالکل نہیں ـــــ"

"جھوٹ" وہ انتہائی بے تکلفی سے بولی "کتراتے بھی ہیں اور ملنا پسند بھی نہیں
کرتے۔ ورنہ اتنے ہفتے ہوگئے۔ مڑ کر دیکھا ہی نہیں۔ ایک ڈاکٹر کے ناطے سے ہی پوچھ
لیتے کہ کہیں سبین مریضوں کو دیکھتے دیکھتے خود ہی اللہ کو پیاری تو نہیں ہوگئی"

ڈاکٹر مصطفیٰ مسکرائے۔ پھر بولے "آئیں ـــــ کینٹین چل کر چائے پیتے ہیں۔"

وہ ان کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی۔

نہ

ہی ان کے ساتھ اس طرح دوستانہ طریق سے بات ہی کرنا چاہتی تھی۔ وہ تو ان سے
ایک دم آپوں آپ روٹھی ہوئی تھی۔

لیکن

پتہ نہیں کیوں انہیں دیکھتے ہی من میں سینکڑوں لاکھوں چراغوں کی روشنی پھیل گئی
تھی۔ خوشیاں من کو بھگو بھگو گئی تھیں غصہ اور ناراضگی دھرے کا دھرا رہ گیا تھا
اور وہ ان کی دعوت پر خوشی سے بے قابو ہوتی ان کے ساتھ چلدی تھی ـــــ

دونوں کینٹین میں آئے ـــــ کافی میزیں پر تھیں لوگ کھا پی رہے تھے
ڈاکٹرز تھے ہاؤس آفیسرز تھے ـــ وہ بھی اندر داخل ہوئے اور ایک کونے کی خالی میز کی
طرف بڑھ گئے۔

مصطفیٰ نے کرسی جو میز کے ساتھ لگی تھی۔ ذرا سی باہر نکالی اور سبین سے بولے
"بیٹھیے ـــــ"

"شکریہ" وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ کندھے سے بیگ اتار کر اس نے کرسی کے

ساتھ نیچے رکھدیا۔

مصطفیٰ چائے کا آرڈر دے کر اس کے سامنے کرسی پر آن بیٹھے ـــــ ان کا آج کا
رویہ سبین کے لئے خوش کن تو تھا۔ لیکن کسی قدر حیران کن بھی تھا۔ وارڈ میں اس دن
بابا کو دیکھتے ہوئے قطعی پروفیشنل سا رویہ اختیار کرنے والے مصطفیٰ کا انداز اپنائیت لئے
دوستانہ سا تھا۔

سبین کا دل چاہ رہا تھا۔ اس واضح تبدیلی کے متعلق ان سے کوئی سوال کرے۔ یہ
بھی پوچھے کہ اتنے دن وہ کہاں تھے۔ جو اس کا خیال تک انہیں نہ آیا۔

لیکن

اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی مصطفیٰ مسکرا کر بولے "میں کراچی گیا ہوا تھا۔ میری
چھوٹی بہن کنیزہ کی منگنی تھی ـــــ"

سبین نے ان کی طرف دیکھا۔ منہ بنایا منگنی میں مہینہ تو نہیں لگ گیا ہوگا۔ اس نے
کہنے کو زبان کھولنا چاہی کہ وہ بولے کنیزہ کی منگنی بہت اچھی جگہ ہوئی ہے۔ لڑکا ہمارے
دور پار کے عزیزوں میں سے ہے۔ امریکہ سے چند ماہ پہلے ہی ایم بی اے کرکے آیا ہے۔
باپ کا بہت وسیع بزنس ہے۔ لیکن وہ بزنس نہیں نوکری کر رہا ہے۔ بہرحال وہ ہے بہت
اچھا۔ کنیزہ اور اس کی جوڑی خوب بنی ہے ـــ"

وہ

کچھ تفصیل سے ہی اس کے متعلق بتا رہے تھے۔ بہت خوش بھی نظر آرہے تھے۔
سبین پہلے تو ان کی باتیں سنتی رہی۔ ان کے خاندان سے اسے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔ وہ تو
صرف مصطفیٰ کی قربت کو محسوس کرکے ان کی باتوں سے محظوظ ہو رہی تھی۔

لیکن لمبی چپ بھی مناسب نہ لگی۔ ویسے بھی وہ اتنی بے تکلفی سے باتیں کر رہے
تھے۔ اس لئے اس نے بھی گفتگو میں حصہ لینا شروع کردیا۔

"کنیزہ بہت خوبصورت نام ہے"۔ سبین نے کہا۔

"ویسے وہ خود بھی بہت اچھی ہے۔ بہت پیار کرنے والی بہن ہے" مصطفیٰ بولے۔

"آپ کی بڑی بہن یہاں ہی رہتی ہیں نا"

"ہاں۔ وہ بھی کراچی میرے ساتھ ہی گئی تھیں۔ ابھی وہیں ہیں۔"

باتوں باتوں میں مصطفیٰ نے اپنے ابو اور دادا کا ذکر کیا۔ تو سیمیں گہری سانس لے کر بولی "میرے دادا مجھے بہت پیار کرتے تھے ___"

"آپ نے بتایا تھا۔ وہ کمشنر رہ چکے تھے ___"

"جی کمشنر حیدر زماں بہت مشہور ہستی تھے ___"

نام سن کر مصطفیٰ چونکے۔ پھر بولے "آپ کے دادا حیدر زماں تھے"

"جی کیوں؟" سیمیں نے جلدی سے پوچھا

"کچھ نہیں۔ یہ نام سنا ہوا لگتا ہے۔ گھر میں کبھی کبھی دادا اور ابو حیدر زمان نامی کمشنر کی باتیں کیا کرتے ہیں۔"

سیمیں کے چہرے پر طمانیت کی لہر دوڑ گئی۔ پھر سکون سے بولی "آپ کے دادا ابو بھی کمشنر ریٹائرڈ ہیں نا۔ ہو سکتا ہے دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہوں"

مصطفیٰ خوشی سے بولے "یہ بھی ہو سکتا ہے دونوں دوست رہ چکے ہوں۔ تب تو ___ آپ ___"

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے ___ لیکن آنکھوں کی چمک بڑھ گئی اور ان کی خاموشی نے انداز تکلم اختیار کر لیا۔ یوں لگا کہہ رہے ہوں۔ "تب تو آپ میری اپنی ہوئیں۔"

سیمیں نے بھی جیسے یہ ان کہا جملہ سن لیا۔ اس کے سنہری سرمئی مائل گالوں کی لالی گہری ہو گئی۔

چائے آ گئی۔ ساتھ کچھ لوازمات بھی تھے۔

دونوں باتیں کرتے ہوئے چائے پینے لگے۔ دونوں ایک دوسرے میں اس طرح مگن تھے کہ انہیں محسوس بھی نہ ہوا۔ کہ کئی تنقیدی نظریں انہیں گھور رہی تھیں اور ہولے ہولے کچھ لوگ اس جوڑی کو دیکھ کر قیاس آرائیاں بھی کر رہے تھے اور شوشے بھی چھوڑ رہے تھے۔

بہت بڑا ڈرائنگ روم بڑی خوبصورتی اور نفاست سے آراستہ تھا۔ تین چار جگہ سیٹنگ ارینجمنٹ کی گئی تھی ___ دبیز قالین سے فرش ڈھکا تھا۔ کھڑکیوں پر بھاری پردے پڑے تھے۔ جگہ جگہ آرائشی چیزیں رکھی تھیں ___ کرسٹل کے فانوس کمرے کی کشادگی کی مناسبت سے چار جگہوں پر لٹک رہے تھے۔ بڑے بڑے لیمپ کونے کی میزوں پر رکھے تھے۔ صوفوں کے ساتھ بڑی چوڑی سائیڈ ٹیبلز پر نسبتاً چھوٹے خوبصورت اور قیمتی لیمپ رکھے تھے۔ مختلف ممالک کے نوادرات بھی جگہ جگہ رکھے کمرے کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے تھے۔ تازہ پھولوں اور ہرے ہرے پتوں والے گملے بھی کین کی ٹوکریوں میں پڑے بہار دکھا رہے تھے۔ کچھ اوریجنل پینٹنگز بھی دیواروں کی زینت کو بڑھا رہی تھیں۔

ڈاکٹر منیب ایک صوفے پر بیٹھا تازہ اخبار دیکھ رہا تھا۔ صبح کے وقت تو جلدی ہوتی تھی۔ اخبار دیکھنے کی فرصت ہی نہ ہوتی تھی۔ صرف ہیڈ لائنز دیکھ کر ہی ملکی حالات اور سماجی رویوں کا اخباری جائزہ لے لیا کرتا تھا۔ واپس آ کر وہ اطمینان سے پوری اخبار پڑھتا ___ صرف خبریں ہی نہیں آڈیٹوریل مضمون اور دیگر معلوماتی چیزوں کے علاوہ اشتہار تک پڑھ ڈالتا تھا۔ روز تو یہ کام وہ اپنے کمرے میں کرتا تھا۔ لیکن آج ڈرائنگ روم میں اخبار لے کر آ بیٹھا تھا۔ انتظار کے لمحات کو خوش اسلوبی سے سمیٹنے کے لئے اخبار بہترین شے تھی۔ انتیس تیس سال منیب لمبے قد اور چھریرے بدن کا جوان آدمی تھا۔ چہرے پر شگفتگی تھی۔ شکل وصورت واجبی سی تھی۔ اس کا شمار وجیہ و شکیل آدمیوں میں تو نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن پڑھا لکھا اور اچھے خاندان سے ہونے کی چھاپ چہرے پر تھی۔ ایسے حالات میں اعتماد آپوں آپ ہی شخصیت کا جزو بن جاتا ہے۔ جو ہزار خوبیوں کی ایک خوبی ہوتی ہے۔ اس

طرح منیب کی پرسنیلٹی جاذب نظر تھی۔

ڈاکٹر مصطفیٰ کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ مصطفیٰ سے دور پار کی رشتہ داری تھی لی
اصل رشتہ دوستی کا تھا۔ مصطفیٰ کراچی سے یہاں آئے تھے۔ تو ایک منیب ہی تھا ج
سے ان کی بے تکلف دوستی تھی۔

مصطفیٰ آج منیب کے ہاں آرہے تھے۔ شام سے رات تک کا پروگرام بن چکا تھ
چائے پی کر دونوں نے باہر جانا تھا۔ رات کا کھانا تائیوا میں کھانا تھا۔ یہ کھانا منیب کی طر
سے تھا۔

مصطفیٰ تقریباً وقت پر ہی آگئے۔ کچھ منٹ تاخیر ہوگئی ___ قصور ان کا نہیں تھ
ریلوے کراسنگ پر ٹریفک رکی ہوئی تھی۔ وہ بھی اس میں پھنس گئے تھے۔ گاڑیوں
قطاریں تھیں۔ جن میں سے نکل کر واپس جانا یا آگے بڑھنا ممکن ہی نہ تھا۔

منیب وقت کا پابند تھا۔ اس لئے مصطفیٰ کے آتے ہی علیک نہ سلیک۔ ان
کندھے پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے بولا "یہ کیا بدتمیزی ہے۔ وقت کی پابندی کرنا سی
ہی نہیں تم نے۔ کب سے بیٹھا انتظار کر رہا ہوں تمہارا ___"

مصطفیٰ اس کی عادت سے واقف تھے ہنس کر بولے "بدتمیزی تو اپنی ملاحظہ کرو
سلام نہ دعا چڑھ دوڑے بس ___ انتظار کر رہے تھے تو کونسا قیامت آگئی۔ میں تمہا
مہمان بن کر آرہا تھا انتظار کرنا تمہارا فرض تھا۔ مجھ پر احسان نہیں "

منیب ان کی بات پر مسکرا دیا۔ بولا "یار بہت کوفت ہوتی ہے مجھے جو وقت دے
کوئی وقت پر نہ پہنچے۔"

"اب میرا کیا قصور ___ ٹریفک جیم تھی۔ میں پھنس گیا اس میں ___"

"یہ مسئلہ تو یہاں ہے ہی"

"تو پھر ___"

"مجھے کیا پتہ تھا ___"

"غصہ میں آنے سے پہلے پوچھ لینا تھا نا ___"

"چلو چھوڑو ___ آؤ بیٹھو ___"

"نہیں بیٹھتا۔ اب تمہاری بیہودگی پر مجھے غصہ آرہا ہے ___"

منیب ہنسا تو مصطفیٰ بولے "پہلے سلام کرو مجھے پھر حال احوال پوچھو۔ تب بیٹھوں گا۔
میں تو میں چلا واپس ___"

وہ جان بوجھ کر مڑے تو منیب نے انہیں کندھوں سے پکڑ کر اپنی طرف گھمالیا اور بولا
"چلو تمہیں معاف کیا اب تو بیٹھو"

"مجھے معاف کیا؟"

"ہاں"

"میں نے تمہیں معاف کیا ___"

دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ مصافحہ کیا اور پھر صوفے پر بیٹھ گئے اور ہنستے مسکراتے
باتیں کرنے لگے ___

"چائے کب ملے گی۔" مصطفیٰ نے صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے پوچھا

"مل جائے گی اتنے بے صبرے کیوں ہو رہے ہو ___ " منیب نے کہا۔

"آج نوشی کے ہاتھ کی بنی چائے پیوں گا ___ " مصطفیٰ بولے پھر نوشی اور آنٹی کا
حال احوال پوچھنے لگے۔

سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ امی تو گھر پر نہیں ___ چائے نوشی ہی بنائے گی۔ ویسے
تمہیں سن کر خوشی ہوگی کہ نوشی کا رشتہ ایک بہت ہی اچھے گھرانے میں ہو رہا ہے۔"

"واقعی؟ ___ یہ تو بہت ہی خوشی کی بات ہے۔ نوشی ہے کہاں ___ بلاؤ تو اسے"

"ابھی چائے لے کر آتی ہے۔"

منیب نوشی کے ہونے والے منگیتر کے متعلق مصطفیٰ کو بتانے لگا ___ ایک اکلوتی
بہن تھی اتنا اچھا رشتہ مل جانے پر وہ بہت خوش تھا۔ مصطفیٰ بھی نوشی کو بہن ہی سمجھتے تھے
یہ خبر ان کے لئے بھی مسرت افزا تھی۔

نوشی کی شادی کی باتوں کی تان منیب کی شادی پر آن ٹوٹی ___ مصطفیٰ نے پوچھا

"تمہاری شادی کب ہو رہی ہے ___"

"میری شادی کے تو دور دور تک آثار نہیں ___"

"کیوں ___"

"بس"

"ڈاکٹر ہو۔ ہسپتال ڈاکٹروں سے بھرا پڑا ہے۔ کوئی پسند نہیں آئی ___"

"پسند تو تمہاری کے چرچے ہو رہے ہیں۔" منیب نے آنکھیں نچا کر شوخی سے
کی طرف دیکھا تو وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے بولے "کیا مطلب؟"

"اچھی طرح سمجھتے ہو"

"اوں ہوں"

"بھئی سنا ہے"

"کیا؟"

"یہ کچھ اچھی خبر نہیں ___"

"سیدھی طرح بات کرو یار ___ میں تمہاری بک بک سمجھ نہیں پا رہا ___"

"بھئی۔ مجھے ڈاکٹر تیمور نے بتایا تھا کہ آج کل تم ڈاکٹر ثمین کے ساتھ کینٹین
جاتے ہو ___"

"تو کیا ہوا ___ ایک سینئر ڈاکٹر جونیئر ڈاکٹر کے ساتھ چائے نہیں پی سکتا"

"پی سکتا ہے ___ پی سکتا ہے کوئی حرج بھی نہیں۔ لیکن ___" وہ چپ ہو گئے
اس کے چہرے پر سنجیدگی کی چھاپ تھی۔ جس نے مصطفیٰ کو متجسس کر دیا

"تو ___" وہ بھی سنجیدگی سے بولے

"بھئی تیمور کا گروپ بڑی باتیں بنا رہا تھا۔"

"کیوں"

"یہ جو ڈاکٹر ثمین ہے نا ___"

"ہاں ہاں ___"

"اس کی اور اس کی دوستوں کی ریپوٹیشن کچھ اچھی نہیں ___"

مصطفیٰ کا دل ایک دم سے دھک دھک کرنے لگا۔ لیکن اپنے آپ پر قابو پاتے
ہوئے بولے "کیوں؟"

"تیمور کہہ رہا تھا کہ ثمین نے مصطفیٰ کو خوب پھانسا ہے"

"بکواس ___"

"ویسے اس کے گروپ کے سب لڑکیاں لڑکے خاصے بدنام ہیں۔ مادر پدر آزاد ہیں
یہ سب اسی لئے انہیں شریف لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے ___"

"منیب کن شریف لوگوں کی بات کر رہے ہو۔ یہ وہی شریف ہوں گے۔ جوان لڑکیوں
کے پیچھے بھاگتے ہوں گے اور وہ انہیں لفٹ نہ کراتی ہوں گی۔ مرد پسپائی کب قبول کرتا
ہے۔ اس لئے انہیں بدنام کرنے کی کوشش ہوتی ہوگی ___"

"یہ بات نہیں ___"

"تو پھر کیا بات ہے۔ کیا ان لڑکیوں کے جگہ جگہ افیئر چل رہے ہیں ___"

"یہ تو مجھے پتہ نہیں ___ ہاں آزاد اور بے باک بہت ہیں۔ کس پارٹیز میں جاتی ہیں
ہوٹلوں میں گھومتی ہیں ___ آفریدی نے تو انہیں اکثر ڈانس پارٹیز میں بھی دیکھا ہے"

"تم نے خود دیکھا"

"نہیں ___"

"پھر ایسی سنی سنائی باتوں پر اتنے یقین سے کیوں سب کچھ کہہ رہے ہو ___ میرا
ثمین سے کوئی چکر نہیں۔ لیکن میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ بری لڑکی نہیں۔ نہ ہی وہ نہ ہی
اس کی سہیلیاں ___"

منیب مسکرا کر بولا "تم اتنے یقین سے کہہ سکتے ہو۔ تو میں کیوں نہیں کہہ سکتا"

"اس لئے" مصطفیٰ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولے "تم ان سے شاید کبھی ملے نہیں
اور میں اس سے اکثر ملتا رہتا ہوں ___ ثمین یقیناً اچھی لڑکی ہے"

"ہوگی" منیب بولا "پھر بھی میں کہوں گا کہ تمہیں محتاط رہنا چاہئے ___ لوگ باتیں

اڑانے میں ماہر ہیں ——"

"مردوں کا معاشرہ ہے نا —— خود جو جی چاہے کریں —— لڑکی نے ہوٹلنگ کر
یا کسی پارٹی میں چلی گئی —— تو —— "

"ہوں"

"یہ مریضانہ ذہنیت ہوتی ہے مردوں کی ——" مصطفیٰ اب بھی سنجیدہ تھے۔

"جو کچھ بھی ہے۔ محتاط ہی رہنا چاہئے" منیب ان کی سنجیدگی کو کم کرنے کے
مسکرایا —— "جو احتیاط نہیں برتتے وہی دنیا والوں کے لئے تر نوالہ بنتے ہیں —— "

مصطفیٰ نے بغور اسے دیکھا —— کیا وہ ان پر ہی تو طنز نہیں کر رہا تھا۔

منیب نے ان نظروں کو نظرانداز کرتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا۔ نوشی
لئے اندر آ رہی تھی۔

"لو چائے آگئی" منیب نے موضوع ہی بدل دیا۔

مصطفیٰ نے گردن گھما کر دیکھا انیس سالہ سانولی سلونی لیکن بیحد پرکشش نوشی چا
لئے آ رہی تھی —— وہ اٹھے اور آگے بڑھ کر ٹرالی نوشی سے لیتے ہوئے اس کی اح
پرسی کی ——

"شکریہ بھائی جان" نوشی نے کہا "چھوڑیئے ٹرالی میں لاجو رہی ہوں ——"

"یہ تمہارا بدھو بھائی تم سے کام لینے کا عادی ہے" مصطفیٰ نے ایک نظر منیب پر
جو صوفے پر تقریباً نیم دراز تھا —— "لیکن تمہارا یہ بھائی بہنوں سے کام لینا اچھا
سمجھتا تم بیٹھو۔ میں ٹرالی لے کر آتا ہوں ——"

مصطفیٰ ٹرالی صوفے کے سامنے لے آئے نوشی ایک صوفے پر بیٹھ گئی "چائے
بناؤں گی"

"بناؤ" منیب نے کہا

"پہلے میرے ہاتھوں کی بنی یہ چیزیں تو مصطفیٰ بھائی کھائیں" اس نے کوارٹر پلیٹ
مصطفیٰ اور منیب کو دیں ——

نوشی نے رنگا رنگ چیزیں خاص طور پر مصطفیٰ کے لئے بنائی تھیں —— دہی بھلے اور
رولز تو بہت ہی ذائقے دار تھے۔ مصطفیٰ نے نوشی کی فرمائش پر ساری چیزیں چکھیں اور
خوب خوب تعریف کی۔

چائے اور گپ شپ کے دوران مصطفیٰ کے ذہن سے منیب کی ثمین کے متعلق کہی
ہوئی تلخ و ترش باتیں تو نکل گئیں۔

لیکن

رات کھانے کے بعد جب وہ گھر جا رہے تھے۔ تو سوچوں نے ان کے ذہن اور دل و
دماغ کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ان کی اپنی سوچ درست سہی لیکن منیب نے بھی کچھ غلط
نہیں کہا تھا۔ یہ بات تو اس نے سو فیصد ٹھیک کہی تھی کہ انسان کو محتاط ہی رہنا چاہئے۔
محتاط رہنے کے خیال ہی سے ان کی سوچوں کا رخ از خود ثمین کی طرف مڑ گیا۔ ثمین
کے متعلق سوچتے ہی ان کے اندر جیسے روشنی سی پھیل گئی۔ معطر سے جھونکے اندر سے
اٹھنے لگے۔ ثمین کا دلکش سراپا۔ بھرپور شخصیت ان کی آنکھوں میں لہریں لینے لگی۔ وہ
جتنی حسین و دلکش تھی۔ ان کے اعصاب پر چھا جانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔

لیکن منیب نے جو کچھ کہا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ درست ہو سکتا تھا؟

ہرگز نہیں۔

ان کے اندر سے یہ آواز آپوں آپ اٹھ رہی تھی —— انہیں ثمین کے چہرے کی
خوبصورتی اور سراپا کی دلکشی لگتا تھا اس کے اندر کی پاکیزگی معصومیت اور صفائی کا انعکاس
ہے۔ وہ ہرگز ایسی نہیں جیسے منیب نے اس کی تصویر کشی کی تھی۔ لوگ خواہ مخواہ باتیں
بنانے کے عادی ہوتے ہیں اور خاص کر جو چیز ان کی رسائی یا دسترس میں نہ ہو —— اس
کے متعلق تو افواہیں اڑانا اپنا حق سمجھتے ہیں۔

یقیناً منیب نے بھی ایسے شکست خوردہ لوگوں کی گھڑی ہوئی کہانیاں انہیں سنائی
تھیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو ایسی ایسی مثبت سوچوں سے مطمئن کرنا چاہا ——

لیکن

اس اطمینان میں بھی اک بے اطمینانی ضرور تھی ___ وہ جتنا سوچ رہے تھے ۔ا
ہی الجھے جارہے تھے ___

گھر جاکر جب لباس تبدیل کرکے وہ بستر میں لیٹے تب بھی ذہن انہیں خیالات
آماجگاہ بنا ہوا تھا ___

سبین ایسی تھی؟

سبین ایسی نہیں تھی؟

ان دو نقطوں کے درمیان وہ کبھی لکیر کھینچ کر انہیں ملا دیتے۔ کبھی کاٹ کر الگ الگ
کر دیتے سوچ سوچ کر جب انکا دماغ ماؤف ہونے لگا۔ تو انہوں نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ
ٹیبل پر رکھا لیمپ آف کر دیا اور سونے کی کوشش کرنے لگے۔ اسی کوشش میں انہوں ـ
سبین کا خیال ذہن سے جھٹک دینے کے لئے سوچا کہ آخر وہ اس کے متعلق اتنی اپنائیت
سے کیوں سوچ رہے تھے۔ وہ ان کی کچھ نہیں لگتی تھی۔ وہ اس کے ساتھ اپنا نام وابستہ
بھی نہیں کئے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ تھوڑے سے بے تکلفانہ مراسم ہی تو تھے۔ بر
اور تو کوئی بات نہ تھی۔

تو پھر

پھر

اس کے متعلق سن کر ان کے خیالات میں اتھل پتھل کیوں ہونے لگی تھی۔

ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔

منیب کا کہا درست تھا کہ بندے کو محتاط رہنا چاہئے ___

محتاط انہیں ویسے بھی رہنا ہی چاہئے تھا ___ کیونکہ یہی ان کے حق میں بہتر تھا۔ ان
کی ممی نے ان کے لئے بہت سی لڑکیاں دیکھ رکھی تھیں ___ ان میں سے چار کی لسٹ بنا
کر انہوں نے مصطفیٰ کو بھی دکھائی تھی۔ چاروں انہیں پسند تھیں۔ ایک کو دوسری پر ترجیح
دینا مشکل تھا۔ اسی لئے انہوں نے مصطفیٰ سے کہا تھا ___ جس نام پر چاہو انگلی رکھ دو۔
میں تمہاری شادی جلدی کرنا چاہتی ہوں۔

چاروں لڑکیاں واقعی ایک سے ایک بڑھ کر تھیں۔ فرزین سے تو ان کی جان پہچان
بھی تھی۔ بڑی نازک اندام اور نازک مزاج لڑکی تھی۔ ایم بی اے کیا ہوا تھا۔ بڑے باپ
کی اکلوتی بیٹی تھی۔

رائمہ بھی بڑی سمارٹ اور چلبلی سی بہت زبردست بیک گراؤنڈ والی لڑکی تھی ___
ان کے خاندان سے مصطفیٰ کے خاندان کے گہرے روابط تھے ___

مشعل انگلینڈ کی پڑھی ہوئی بہت صاف گو لڑکی تھی ___ اچھے خاندان کی چھاپ
چہرے پر تھی۔ تعلیم اور ماحول نے خوب پالش کیا ہوا تھا ___ پچھلے سال مصطفیٰ لندن
گئے تو مشعل نے انہیں خوب گھمایا پھرایا۔ یہ لڑکی تب کسی حد تک ان کے قریب آگئی
تھی۔ ممی کو بھی مشعل پسند تھی۔

شیبا سے وہ ملے تو نہ تھے۔ لیکن وہ بھی ممی کی لسٹ میں تھی۔ ممی نے اس کا تعارف
کراتے ہوئے بھی تعریفوں کے پل باندھے تھے۔ شیبا سے وہ ایک پکچر گیلری میں ملی
تھیں۔ پھر اس کا اتہ پتہ ڈھونڈ نکالا تھا ___ ان کے معیار پر وہ بھی پوری اترتی تھی۔

مصطفیٰ نے ابھی تک ان چاروں میں سے ایک کے متعلق بھی اپنی پسند کا اظہار نہیں
کیا تھا۔ لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے۔ کہ ممی ان میں سے کسی ایک کو ان کے لئے ضرور
منتخب کریں گی۔

وہ سوچے جارہے تھے۔ ممی کے متعلق ان چاروں لڑکیوں کے متعلق

اور

سبین کے متعلق۔

سبین ممی کی چاروں منتخب لڑکیوں سے کوئی میل نہ کھاتی تھی ___ لیکن جانے کیوں
سب پر حاوی لگتی تھی۔ منفرد۔ سب سے الگ تھلگ۔ کسی تصوراتی دنیا کی مخلوق ___

سوچتے سوچتے وہ جانے کب سو گئے۔

دوسرے دن ہوسپٹل گئے۔ تو ان کا سر کچھ بھاری تھا ___ ادھوری نیند کی تکان تھی
اور مختلف اور متضاد سوچوں کا الجھاؤ بھی ___ منیب کی باتوں کا بھی اثر تھا اور محتاط رہنے

کا ارادہ بھی۔

لیکن

جانے کیوں جب انہیں آفس کی طرف جاتے ہوئے اچانک ہی سبین مل گئی اور ا
نے کمال شوخی سے کہا "واہ ڈاکٹر صاحب ___ جھلک دکھا کر کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔

تو

مصطفیٰ کے احتیاط کے ارادے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اس شوخ بے تکلفی نے
انہیں مار ہی ڈالا ___ سبین آج معمول سے کہیں زیادہ اچھی لگ رہی تھی۔ سٹیتھ
سکوپ سے کھیلتے ہوئے اس نے دوبارہ مصطفیٰ کی طرف دیکھ کر کہا "کہاں تھے آپ"

"یہیں" وہ کچھ سنجیدہ ہونے کی کوشش کرتے ہوئے بولے۔

"اچھا؟" سبین نے آنکھیں پھیلا کر مسکراہٹوں کو دبایا ___ "شاید میری آئی سائٹ
ویک ہوگئی ہے ___ آپ نظر نہیں آئے ___"

مصطفیٰ پھر مسکرا دیئے ___ بولے "اکیلی جارہی ہیں آپ کی دوست کہاں ہے"

"کون؟ ماہ نور ___"

"ہوں"

"اپنے وارڈ میں ہوگی ___"

"اور باقی سہیلیاں؟"

"میری سہیلیوں میں آپ دلچسپی رکھتے ہیں؟"

"اوہ ___ نو ___"

"ویسے آپ کو علم تو ہے ہی کہ عائشہ اور مریم دونوں بک ہیں۔"

مصطفیٰ مسکرائے بولے "مجھے تو یہ بھی علم ہے۔ کہ آپ اور ماہ نور ابھی تک بک
نہیں۔"

سبین شوخی کے باوجود کچھ جھینپ گئی۔ مصطفیٰ کی خوبصورت آنکھوں میں بڑے
خوبصورت خیالوں کا پرتو جو اس نے محسوس کرلیا تھا۔

مصطفیٰ کچھ دیر وہاں رکے ___ اس سے باتیں کیں ___ سب سے بڑی بات تو یہ
لی کہ احتیاط کے ارادوں اور تقاضوں کے برعکس سبین اور ماہ نور کو ہولیڈے ان میں ڈنر
لی دعوت دے ڈالی۔

ان کی برتھ ڈے تھی۔ یہاں چونکہ اکیلے تھے۔ بڑی بہن بھی یہاں نہیں تھیں
___ ابھی کنیزہ کی منگنی کرکے واپس نہ لوٹی تھیں ___ "یہاں اور کوئی بھی نہیں ___
آپ آئیں گی نا"

"ضرور آؤں گی ___" وہ بولی

"ماہ نور کو بھی لائیے گا"

"لے آؤں گی ___ اچھا کیا آپ نے ہمیں انوائٹ کرلیا ___ ورنہ آپ کی برتھ
ڈے کتنی بور گزرتی"

"بالکل ___" مصطفیٰ نے کہا ___ پھر انہیں وقت اور تاریخ بتاتے ہوئے کہا "میں
وہاں آپ کا انتظار کروں گا"

سبین کے اندر پھلجھڑیاں سی چھوٹ رہی تھیں۔ مصطفیٰ اپنے آفس کی طرف بڑھ گئے
تو سبین ماہ نور کو یہ مژدہ جانفزا سنانے کے لئے اس کے وارڈ کی طرف تیز قدموں سے
چلدی۔ مصطفیٰ اپنے آفس میں آکر کرسی میں بیٹھ گئے ___

ایک دم ہی انہیں پشیمانی نے آلیا ___ انھوں نے سبین کو اپنی برتھ ڈے کی دعوت
کیوں دے ڈالی تھی؟

انہیں منیب کی باتیں یاد آنے لگیں۔ ممی کی منتخب کی ہوئی لڑکیوں کے متعلق سوچ
بیدار ہوگئی انہوں نے اپنا سر ہتھیلیوں پر گرا لیا ___

کیا یہ غلطی نہیں تھی؟

اور ___ کیا

یہ غلطی انہوں نے دانستہ نہیں کی تھی؟

سوچ سوچ کر ان کے اعصاب کشیدہ ہونے لگے۔

"ماہ نور"

"ہوں"

"اٹھونا۔ کیا پاؤں پسار کر بستر میں پڑ گئی ہو ــــ"

"آج میں چھتیس گھنٹے کی ڈیوٹی دے کر آئی ہوں ــــ سمجھیں ــــ تھکی ہوئی
ہوں ہی"

"کوئی بات نہیں۔ اب تو ہم لوگ ان ڈیوٹیوں کے عادی ہو گئے ہیں۔ پھر تم نے گھ
بھر سو بھی لیا ــــ"

"ایک گھنٹے میں سارے رت جگوں کا مداوا ہو گیا؟"

"بس اب بحث نہ کرو ــــ اٹھو اور میرے ساتھ چلو ــــ"

تمہارے ساتھ میں صرف تمہارے گھر آرام فرمانے آگئی تھی ــــ تمہاری تائی کے
گھر جانے کی میں پابند ہوں نہ میرا فرض ہے"

"تمہیں جانا پڑے گا"

"نہیں جاؤں گی ــــ"

"شٹ اپ"

"یو شٹ اپ"

"ہائے ماہ نور کی بچی اٹھ بھی چکو ــــ تائی نے دو پیغام بھجوائے ہیں ــــ طلحہ کی
منگنی کا جوڑا بن کر آیا ہے ــــ پھپھو بھی آئی ہوئی ہیں ــــ ان کی بیٹیاں بھی"

"تو میں کیا کروں۔ جاؤ جاکر دیکھ آؤ ــــ میری منگنی کا جوڑا تھوڑا ہی ہے۔"

جبین ماہ نور کی بات پر مسکرا دی۔ تو وہ مصنوعی خفگی سے منہ بناتے ہوئے بولی "اے

م بخت اپنی طلحہ سے منگنی نہ ہو سکی تو میری ہی کروا دیتیں ــــ"

جبین ہنس پڑی۔ پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی "جیسے میں اتنی ہی بااختیار ہوں نا؟
جانتی تو ہو۔ اس گھر میں میرے ساتھ کیسا سلوک ہوتا ہے"

ماہ نور اٹھ بیٹھی اور چمک کر بولی "تو پھر ان کی اتنی تابعداری کیوں کرتی ہو۔ جہنم
ید کرو سب کو ــــ جوڑا دیکھنے جارہی ہے؟ ہونہ اور ساتھ مجھے خواہ مخواہ میں گھسیٹ
ی ہے۔"

"وہ تو تمہیں میرے ساتھ جانا ہی پڑے گا" جبین نے جیسے حکم دیا۔

"اور نہ جاؤں تو ــــ" وہ آلتی پالتی مار کر تکیہ گود میں رکھے ہوئے بولی

"تو؟"

"ہاں۔ تو"

"تو ــــ یاد رکھو۔ میں رات ڈنر پر بھی نہیں جاؤں گی"

"اللہ کرے مر جاؤ جبین ــــ جو ایسی باتیں منہ سے نکال رہی ہو ــــ"

"سچ کہہ رہی ہوں۔ تم میرے ساتھ تائی کے ہاں نہ گئی۔ تو میں رات ڈنر پر نہیں
ؤں گی"

"بکو نہیں ــــ ڈنر پر تو تمہارا کوئی بڑا بھی جائے گا ــــ"

نہیں ــــ"

"واہ ــــ مصطفیٰ کے ڈنر پر نہیں جاؤ گی"

"بالکل"

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کے ساتھ ڈنر پر جانا میرا کریز ہے"

"ہوں"

"ہائے" اس نے سینے پر دوہتڑ مارا "جبین کی بچی۔ تمہیں ڈنر پر جانا ہوگا"

"اور تمہیں تائی کے ہاں میرے ساتھ جانا ہوگا" جبین نے بھی اسی لہجے میں کہا تو ماہ
ر ہنس پڑی ــــ "مان لی ہار ــــ چلو چلتے ہیں"

"اب آئی نا رہ پر"

"تم نے تڑی ہی ایسی دی تھی"

"مصطفیٰ کے لئے کریزی ہو"

"اوں ہوں۔ ان کے ڈنر کے لئے۔ ویسے ___"

وہ رک گئی تو سبین نے اشتیاق سے دہرایا "ویسے ___"

"ویسے وہ تم پر ریجھ نہ گئے ہوتے تو "

"بکواس مت کیا کرو ___"

"جھوٹ نہیں یہ بات"

"اچھا اٹھو چلیں ___ وہاں ہمارے انتظار کے ساتھ بے سروپا باتیں بھی ہو رہی ہوں گی میرے متعلق ___"

"اور کیا ___ ایک طرف تو وہ لوگ تمہیں لفٹ ہی نہیں کراتے۔ دوسری طرف تم ان کی ہر بات مانے جاتی ہو ___"

"کیا کروں ماہ نور ___" سبین جو بیڈ کے پاس کھڑی تھی دھم سے بیٹھ گئی۔ وہ بہت اداس ہوگئی تھی۔

"سبین" ماہ نور نے اس کے گلے میں بازو ڈال دیا۔ "میں سچ کہتی ہوں۔ جب یہ لوگ تمہارے ساتھ ایسا ناروا سلوک کرتے ہیں۔ تو تم انہیں کیوں لفٹ دیتی ہو۔ من مانی کیا کرو ___"

"وہ تو کرتی ہی ہوں۔ لیکن سب کچھ انہیں بتاکر۔ یقین کرو میں اپنی ساری ایکٹوٹیز سے تائی اماں کو آگاہ کردیتی ہوں ___ آج بھی ڈنر پر جانا ہے نا۔ تو انہیں بتاکر جاؤں گی۔"

"کیوں؟"

سبین نے ایک گہری سانس لی اور پھر سنجیدگی سے بولی "ماہ نور میں کوئی بات کوئی کام ان سے چھپا کر نہیں کرتی۔ سب کچھ بتا دیتی ہوں"

"باتیں بنوانے کے لئے؟"

"نہیں"

"تو اور ___"

"اور" اس نے ہوکا بھرا ___ "ماہ نور ___ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ لوگ جیسے اپنے بچوں کی رکھوالی کرتے ہیں۔ میری بھی کریں۔ ان کے خیال میں کوئی بات ناپسندیدہ ہے۔ تو مجھے اس سے ٹوکیں۔ ڈانٹیں۔ منع کریں ___ مجھے ___ مجھے اپنی بیٹیوں کی طرح ٹریٹ کریں۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا ___ میں بھی بعض اوقات چڑ جاتی ہوں ___ ان کو چڑانے کے لئے بھی اپنی ایکٹوٹیز سے باخبر رکھتی ہوں ___ لیکن "

"انکی بلا سے"

"ہاں ___ یہی بات مجھے دکھ دیتی ہے اور باغیانہ روش اپنانے پر مجبور ہو جاتی ہوں ___ مجھے کوئی بھی تو نہیں روکتا۔ کوئی بھی تو نہیں سمجھتا ___ کسی کو بھی تو میرا خیال نہیں ہوتا۔ رات میں جب بھی لیٹ آؤں۔ میں جان بوجھ کر زور زور سے ہارن دیتی ہوں۔ اکثر میں نے دیکھا ہے کہ تائی جاگ رہی ہوتی ہیں۔ کھڑکی کا پردہ ذرا سا ہٹا کر دیکھتی بھی ضرور ہیں لیکن کبھی یہ نہیں کہا کہ اتنی اتنی دیر باہر نہ رہا کرو ___ بری بات ہے۔ ہاں پیٹھ پیچھے خوب برائیاں کرتی ہیں۔ کیڑے ڈالتی ہیں ___ رسوا کرتی ہیں ___"

وہ روہانسی ہو رہی تھی ___ ماہ نور نے اسے پیار کرلیا

"مجھے لگتا ہے میرا کوئی بھی اپنا نہیں ___ صرف دادا اپنے تھے ___ بس ___ بھائی بھی ہے لیکن نہ ہونے کے برابر ___ مہینوں فون نہیں کرتا ___ میں اس کی بھی ذمہ داری نہیں ہوں اور جب بھائی کی ذمہ داری نہیں تو تائی یا پھپھو ___"

"چھوڑو سبین دل میلا نہ کرو۔ تم خوش رہا کرو۔ جیسے بھی خوش رہ سکتی ہو۔ تم کسی پر بوجھ نہیں ہو۔ اپنی زندگی جیو ___ جانے دو ان سب کو"

"چلو اٹھو۔ میں ان کے ساتھ بگاڑنا بھی نہیں چاہتی۔ میرا جینا ان سے بھی تو وابستہ ہے۔ ان کی نیت ان کے ساتھ۔ میری میرے ساتھ ___ کم از کم میرا ضمیر تو مطمئن ہے۔ میں اپنے سامنے شرمندہ نہیں ہوں ___ کوئی کام ان سے چھپا کر نہیں کرتی۔ اتنا

ہی کافی ہے۔ ان کی پارسا بیٹیوں سے اچھی ہی ہوں"

سبین نے بڑے طنز سے کہا۔ تو ماہ نور نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ کچھ کہنے
ہی کو تھی کہ سبین اٹھتے ہوئے بولی "چلو اٹھو ___ تائی کی بہو کا مہنگا جوڑا دیکھ ہی آئیں
ورنہ جو باتیں ہوں گی ___ بس ___"

ماہ نور اس دفعہ ایک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہاتھ سے قمیض کی سلوٹوں کو دور کرتے
ہوئے اس نے دوپٹہ درست کر کے کندھے پر ڈالا۔ تراشیدہ بالوں کو ٹھیک کرنے کے لئے
سائیڈ ٹیبل پر رکھا اپنا برش اٹھایا اور شیشے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

دونوں جب تائی کے ہاں گئیں۔ تو لاؤنج میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ منگنی کا جوڑا
درمیانی میز پر خوبصورت ڈبے میں رکھا تھا۔

سب باتیں کر رہے تھے۔ دونوں نے سلام کیا ___ ماہ نور کو سب نے بڑے تپاک
اور پیار سے خوش آمدید کہا۔ وہ سب سے کئی بار مل چکی تھی۔ وہ دونوں جب اندر داخل
ہو رہی تھیں۔ ثمن سبین کے کان میں کچھ سرگوشی کرتے ہوئے باہر نکل گئی۔

ماہ نور اور سبین سب کے درمیان آگئیں۔

علیک سلیک ہوئی۔ ایک دوسرے کی احوال پرسی کی گئی ___ سبین تائی کے قریب
بیٹھ گئی۔ ماہ نور صبیحہ کے ساتھ صوفے پر جا ٹکی۔

سبین اور ماہ نور کی فرمائش پر جوڑا پھر سے ڈبے سے نکالا گیا۔ واقعی بہت خوبصورت
جوڑا تھا ___ تائی بڑے فخر سے اس کی قیمت بتا رہی تھیں۔

ماہ نور اور سبین نے جوڑے کی تعریف کی۔ جوڑا واقعی تعریف کے لائق تھا۔

"یہ رنگ کس نے چنا تھا" سبین نے پوچھا تو مدیحہ صبیحہ اور رافیہ جھٹ سے بول
اٹھیں

"ہم نے"

"ایسے ہی ___" تائی نے تفاخر سے کہا "یہ رنگ میں نے منتخب کیا اور کام جو اس
پر کروایا ہے میری بہو رانی کی پسند کا ہے"

"توبہ مای جان" پھپھو کی بڑی بیٹی ہنس کر بولی "بیخ میری نکل گئی بازاروں کے چکر
کاٹ کاٹ کر اور کریڈٹ دے دیا آپ نے اپنی آنے والی بہو رانی کو ___ واہ ___ وا
___ ابھی سے اس کی اتنی طرفداری"

اس کی بات پر سب مسکرانے لگے۔

باتیں ہونے لگیں سبین نے بھی ان باتوں میں خوشدلی سے حصہ لیا۔ ماہ نور اس
موڈی لڑکی کو تجسس اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

تائی نے منگنی کے لئے خریدی ہوئی قیمتی انگوٹھی بھی ان لوگوں کو دکھائی۔ روپے
پیسے کی کمی نہ تھی ___ اس لئے ہر چیز خوبصورت اور قیمتی خریدی گئی تھی ___

"بہت خوبصورت ہے"

"انتہائی نفیس"

"قیمت بھی تو دیکھو"

"نازک سی ہے"

"ڈائمنڈ بہت اچھے ہیں ___"

"اے ثمن" پھپھو نے انگوٹھی کی ڈبی ہاتھ میں لئے ثمن کو آواز دی ___ "کہاں
گئی یہ لڑکی ___ آکر دیکھ لیتی انگوٹھی۔ بہت شوق تھا اسے دیکھنے کا ___"

پھپھو نے دو تین دفعہ ثمن کو پکارا پھر حیرانگی سے ادھر ادھر دیکھ کر کہا "سب یہاں
ہیں۔ وہ کہاں گئی ___"

"امی میرے منے کو کھلا رہی ہوگی" پھپھو کی بڑی بیٹی نے کہا ___ سبین نے
بھنوئیں اچکا کر ماہ نور کو کچھ اشارے کئے۔ لیکن وہ کچھ نہ سمجھی۔

پھپھو نے انگوٹھی واپس کرتے ہوئے کہا "بھابی ابھی یہ ادھر ہی رکھنا۔ ثمن نے
دیکھنی ہے"

"یہیں رکھی ہیں ___ ابھی عامرہ بھی آرہی ہے وہ بھی دیکھے گی ___ تب ثمن بھی
دیکھ لے گی ___"

ثمن کے نام پر ہبین نے پھر آنکھیں مٹکائیں ـــــ ماہ نور کو کچھ اشارے کئے۔

لیکن

وہ کچھ نہیں سمجھی۔

چائے لوازمات کے ساتھ آگئی ـــــ سب نے پلیٹیں اٹھالیں اور اپنی پسند کی چیزیں لے لے کر کھانے لگے ـــــ ثمن اب بھی نہیں آئی تھی ـــــ پھپھو نے دو تین بار اسے پکارا ـــــ اور ان کی پکار پر ہبین کے لب مسکرا اٹھے ـــــ

چائے مدیحہ نے بنا کر سب کو دی ـــــ

چائے کے دوران ہبین نے رات کے ڈنر کا بھی تذکرہ کر دیا۔ اجازت تو اس نے نہ لینی تھی۔ ہاں حسب عادت بتا دیتا تھا ـــ کسی نے اس کی بات پر جیسے توجہ ہی نہیں دی

ماہ نور نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی۔

ہبین چائے پی کر اٹھ کھڑی ہوئی ـــــ ماہ نور بھی اٹھی۔

"بیٹھو نا تھوڑی دیر ـــــ" صبیحہ نے دونوں سے کہا

"رات ڈنر پر جانا ہے" ہبین نے چڑانے کے لہجے میں کہا "کپڑوں کا انتخاب کرنا ہے۔ پھر تیار ہونا ہے"

ماہ نور نے دیکھا تائی اور پھپھو کے چہروں پر بڑے ناگواری کے تاثرات تھے ـــــ اسے یقین ہوگیا کہ ہبین کے یہاں سے جاتے ہی اس پر بے لاگ تبصرے شروع ہو جائیں گے

دونوں واپس آئیں

ماہ نور نے ہبین سے پوچھا "اس وقت کیا اشارے کر رہی تھیں۔ میں تو کچھ سمجھی نہیں"

ہبین کھلکھلا کر ہنس پڑی پھر بولی "ثمن کو پھپھو بلا رہی تھیں نا"

"ہاں"

"وہ پتہ ہے کہاں ہے"

"کہاں"

"ادھر"

ہبین نے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ ماہ نور اب بھی کچھ نہ سمجھی تو ہبین طنز سے بولی

"پھپھو کی پاکباز بیٹی اپنے بوائے فرینڈ کو فون کر رہی ہے"

"کیا؟" ماہ نور نے حیرانگی سے پوچھا

تو ہبین نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا "اس کا ایک لڑکے سے افیئر چل رہا ہے۔ اسے چھپ چھپ کر فون کرتی ہے۔ اماں باوا کو خبر ہی نہیں ـــــ وہ تو سمجھتے ہیں۔ صرف ہبین ہی خراب ہے۔ ان کی بیٹیوں کو تو زمانے کی ہوا ہی نہیں لگی ـــــ معصوم بنی ہیں بیچاری۔"

ماہ نور حیران ہو کر سب سنتی رہی

"ثمن کی مجھ سے ـــ تکلفی ہے۔ اسی لئے مجھے ساری بات بتادی تھی۔ فون بھی میرے ہاں سے اسے کرتی ہے ـــ زبردست افیئر چل رہا ہے دونوں کا ـــــ"

"تم اسے منع کرنے کی بجائے ـــ"

"منع نہیں ہو سکتی وہ ـــ پہلے میں نے بہت سمجھایا تھا۔ نہیں مانی۔ تو میں کیا کروں۔ جس دن یہاں آتی ہے میرے ہاں آکر اپنے دوست سے حال دل کہہ لیتی ہے"

"یہ تو بری بات ہے۔ ماں باپ بے خبر اور بیٹی یہ گل کھلا رہی ہے"

"چھوڑو یار ـــــ یہ قصے تو چلتے ہی ہیں ـــــ یہ بتاؤ رات ڈریس کونسا پہننا ہے"

ماہ نور ثمن کے بارے میں اور بھی جاننا چاہتی تھی۔ لیکن ہبین نے دوبارہ بات نہیں کی۔ ہاں رات کے ڈنر کے لئے لباس کا انتخاب کرنے اپنی وارڈ روب کے سامنے جا کھڑی ہوئی ـــــ

"کون سے کپڑے پہنو گی آج" ماہ نور بھی اس کی پشت پر آگئی۔ ہبین نے الماری کے پٹ کھول دیئے تھے۔ اس کے بہت سے خوبصورت اور دیدہ زیب لباس ہینگروں میں لٹک رہے تھے۔

"کوئی سے بھی" ثمین نے کندھے اچکائے۔

"کوئی انتہائی خوبصورت کپڑے نکالنا" ماہ نور نے اس کا کندھا دباتے ہوئے شوخی سے کہا

"کیوں؟" ثمین نے گردن گھما کر اسے دیکھا

"اس لئے ـــ کہ" وہ لفظ چبا چبا کر بولی "آج تم مصطفی کی برتھ ڈے پارٹی میں جا رہی ہو"

"تو کیا ہوا ـــ"

"کچھ نہیں ہوا"

"اتنی شوخ بننے کی اداکاری مت کرو"

"اداکاری ـــ؟ میں بالکل سنجیدہ ہوں"

"تم خود کونسے کپڑے پہن رہی ہو"

"میں"

"ہاں"

"میرے پاس اتنے زیادہ کپڑے ہیں ہی نہیں۔ پچھلی دفعہ پنڈی گئی تھی۔ تو امی نے فیروزی لیس کی قمیض بنوادی ـــ اس میں سیاہ پھول ہیں۔ شلوار اور دوپٹہ پھولوں کی مناسبت سے سیاہ ہی ہے"

"وہ پہنو گی"

"ہاں۔ وہی ایک نیا جوڑا ہے میرے پاس"

پہننا چاہو تو ان میں سے کوئی بھی ڈریس لے سکتی ہو" ثمین نے ہینگروں کی طرف اشارہ کیا ـــ"

"جی نہیں۔ شکریہ ـــ میں وہ لیس ہی کا پہن رہی ہوں ـــ تم نکالو اپنے کپڑے"

ثمین چند لمحے لباس ہٹا ہٹا کر دیکھتی رہی۔ پھر ایک ہینگر نکالا۔ اس میں بوتیک کا ایک

عام سے کاٹن کا جوڑا تھا ـــ

اس نے ہینگر نکال لیا۔

"یہ ـــ یہ پہنو گی" ماہ نور نے حیرانگی سے کہا

"ہاں ـــ" وہ اطمینان سے بولی۔

"اس سے اور خراب کپڑے نہیں ہیں تمہارے پاس؟" ماہ نور نے غصے کا اظہار کیا

ثمین مسکرا دی بولی۔ "یہی ٹھیک ہیں اور اتنے برے بھی نہیں ـــ"

"تمہارا مغز ہی الٹا ہے ـــ ذکی وغیرہ سچ کہتے ہیں۔ کبھی تو مائی بھتاں بن جاتی ہو اور کبھی ـــ"

وہ بھی اس کی بات کاٹ کر شوخی سے بولی "کبھی لیڈی ڈیانا ـــ ہیں نا ـــ"

"چلو ہٹو ـــ" ماہ نور نے اس کے ہاتھ سے ہینگر لینا چاہا "میں منتخب کرتی ہوں تمہارے لئے ڈریس ـــ"

"نہیں بھئی ـــ" ثمین نے ہینگر ہاتھ میں پکڑے پکڑے الماری بند کر دی۔ "آج کے لئے یہی ٹھیک ہے ـــ"

ماہ نور نے بدمزہ سا ہوتے ہوئے منہ بنایا ـــ "عجیب لڑکی ہو ـــ"

ثمین نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر ہلائی ـــ مسکراتے ہوئے بولی "تمہیں اتنی تکلیف کیوں ہو رہی ہے ـــ چلو چل کر کپڑے استری کر لو ـــ ٹھیک ٹائم پر پہنچنا ہے ہمیں۔"

"گفٹ بھی نکال کر میز پر رکھ لو۔ یہ نہ ہو یاد ہی نہ رہے" ماہ نور نے اپنا بیگ کھولتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھولے گا" ثمین بولی۔

"ثمین" ماہ نور نے چند لمحوں کے بعد اپنے کپڑے نکالتے ہوئے کہا۔

"ہوں"

"ہائے برا نہیں لگے گا"

"کیا"

"ہم دونوں کی طرف سے ایک پریزنٹ"

"برا لگنے کی کیا بات ہے۔ سینٹ مائیکل کی شرٹ ہے۔ خاصی مہنگی۔"

"کچھ اور ہی لے لیتے"

"اب بس کرو۔ اس بات پر فینسی ہونے کی ضرورت نہیں ___ شکل پہ بارہ لوگی۔ تولیس کے کپڑوں میں بھی اچھی نہیں لگو گی"

دونوں باتیں کرتے۔ ایک دوسری پر ریمارکس کستے تیار ہونے لگیں۔

گوری چٹی مائل بہ فربہی ماہ نور پر فیروزی اور کالے رنگ کے امتزاج کا لباس بہ اٹھا ___ ہلکے سے میک اپ نے بھی رنگ جمایا۔

سیمین نے گویا گویا بالکل ہی سادہ سے کپڑے پہنے تھے۔ لیکن سادگی میں بھی پر کار تھی۔ سچ ہی بات ہے کہ حسن ہر رنگ میں حسین ہوتا ہے۔

تیار ہو کر دونوں لاؤنج میں آگئیں۔ سیمین نے اماں فضیلت کو سمجھادیا کہ وہ کھانے جارہی ہے۔ رات دیر ہو جائے گی۔ اس لئے وہ اور چوکیدار بابا کھانا کھالیں۔

سیمین نے گاڑی نکالی۔ ماہ نور فرنٹ سیٹ پر اس کے ساتھ آبیٹھی۔ گاڑی میں خوشبوئیں پھیل گئیں۔ دونوں نے اپنی اپنی پسند کا سینٹ سپرے کیا تھا ___

گاڑی سڑک پر آگئی ___ سیمین گاڑی چلاتے ہوئے کوئی پسندیدہ نغموں کی کیسٹ ڈھونڈ رہی تھی۔ اس نے کیسٹ نکالی اور کیسٹ پلیر میں لگادی۔ اب گاڑی میں مہک کے ساتھ موسیقی کی پھوار بھی پڑنے لگی۔ ماحول خاصہ رومینٹک سا ہوگیا۔

"بڑی کیوٹ لگ رہی ہو ___" ماہ نور نے سیمین کی طرف دیکھا "حیران ہوں۔ اتنے سادہ سے لباس میں بھی تم اتنی اچھی لگ رہی ہو ___"

سیمین مسکرا کر بولی "میں ___ میں ہوں جناب ___ مجھ پر ہر چیز جچ جاتی ہے"

"کہتی تو ٹھیک ہی ہو۔ اسی لئے تم ایسے موقعوں پر بے نیازی کا مظاہرہ کرتی ہو"

سیمین نے مترنم سا قہقہہ لگایا۔ اس کی آنکھوں میں شوخی ناچ رہی تھی۔

"بس۔ اتنا سر بھی نہ چڑھو۔ ذرا تعریف کیا کردی۔ کہ مست ہوگئیں۔ میں بھی اچھی لگ رہی ہوں ___"

"ہاں" سیمین نے اس کی طرف دیکھا اور منہ گول سا بناتے ہوئے بولی "لیکن تم نے دائیں کان میں ٹاپس کیوں نہیں ڈالا ___"

ماہ نور کے ہاتھ جھٹ سے کانوں کی طرف اٹھے۔ دونوں کانوں میں ٹاپس تھے۔ سیمین اس کی سراسیمگی پر کھل اٹھی ___

"بہت خراب ہو" ماہ نور نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا ___ وہ ہنستی چلی گئی ___ دونوں ہولیڈے ان کی طرف جارہی تھیں۔ سیمین گاڑی چلاتے ہوئے کبھی چپ ہو جاتی کبھی ماہ نور کو چھیڑنے لگتی۔

وہ ہوٹل کے قریب پہنچیں۔ تو دونوں خاصی ٹینس تھیں۔

"ماہ نور" سیمین بولی

"ہوں" اس نے کہا۔

"میں بڑی ٹینس ہو رہی ہوں"

"میں بھی۔ دیکھو تو میرے ہاتھوں میں ٹھنڈے پسینے آرہے ہیں۔"

"ہمیں یہ دعوت قبول نہیں کرنا چاہئے تھی ___"

"ہوں ___"

سیمین نے گاڑی بند کی اور چابی اپنے بیگ میں ڈالتے ہوئی قدم ہوٹل کے داخلی دروازے کی طرف بڑھائے۔

دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی دونوں نے سامنے لگے قد آدم آئینے میں اپنے اپنے سراپا کا جائزہ لیا۔ ماہ نور نے بالوں کی لٹ ماتھے سے ذرا پرے کی ___ سیمین نے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

دونوں آگے بڑھ گئیں۔

ہال کے ایک گوشے میں انہیں ایک ٹیبل پر مصطفیٰ نظر آئے۔ ان کے ساتھ ایک

دبلا پتلا چھوٹی چھوٹی مونچھوں والا آدمی بھی نظر آیا۔ جو بے شک وجیہہ و شکیل تو نہ ؟ لیکن اس کی پرسنیلٹی متاثر کن ضرور تھی ___

مصطفیٰ تو خیر باوقار اور خوبصورت آدمی تھے ہی۔ اس وقت ہلکے گرے ٹراپیکل سو میں بڑے ڈیشنگ لگ رہے تھے۔ ماہ نور نے ہولے سے سبین کو کہنی ماری ___ ' لاجواب شخصیت ہے"

"ہوں" سبین نے صرف ہوں کی۔

مصطفیٰ کے ساتھ ڈاکٹر منیب تھا۔ منیب سے مصطفیٰ نے کہا تھا کہ انہوں نے دو مہ اور بھی مدعو کر رکھے ہیں ___ لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ دو مہمان کون ہیں ___

جب ماہ نور سبین کے پہلو سے لگی لگی آگے بڑھی ___ تو منیب اور مصطفیٰ دونو اٹھ کھڑے ہوئے۔ منیب ان لڑکیوں کو دیکھ کر کچھ حیران ضرور ہوا۔ اس کی نظریں مصط کی طرف اٹھیں۔ پھر مصطفیٰ کے ساتھ منیب نے بھی دونوں کو سلام کیا۔

مصطفیٰ نے دزدیدہ نظروں سے منیب کو دیکھا۔ وہ سلام کرنے کے باوجود حیرت ز تھا۔ مصطفیٰ نے مسکراتے ہوئے سب کا آپس میں تعارف کروایا۔

"یہ ہیں ڈاکٹر سبین زماں"

"اور یہ ہیں ڈاکٹر ماہ نور"

اور

"یہ" مصطفیٰ نے منیب کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دونوں لڑکیوں کی طرف د کر کہا "میرے بہت اچھے اور اکلوتے دوست ڈاکٹر منیب ___"

منیب کی حیرت اب دور ہو چکی تھی۔ اس کے چہرے پر خوش آمدیدی مسکراہٹ تھی۔ ان دونوں لڑکیوں سے وہ پہلی بار ملا تھا۔ گو سن بہت کچھ رکھا تھا۔ تاہم اس وقت اسے سنی سنائی باتوں کا دھیان نہیں آیا۔ دو پیاری پیاری کیوٹ سی لڑکیوں کی سنگت اچھی لگی۔

"تشریف رکھئے" منیب نے کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دونوں سے کہا

"شکریہ" دونوں نے ایک ایک کرسی اپنی طرف سرکالی اور انداز تکلف لئے بیٹھ گئیں مصطفیٰ اور منیب بھی بیٹھ گئے ___

سبین نے پھولدار مومی کاغذ میں لپٹا شرٹ والا ڈبہ مصطفیٰ کے داہنے ہاتھ میز پر رکھ دیا۔

"اوہ" مصطفیٰ خوشگوار حیرت لئے مسکرائے "آپ نے یہ تکلف کیوں کیا"

دونوں مسکرانے لگیں۔ ماہ نور بولی "چھوٹا سا تحفہ ہے"

"ڈبہ تو کافی بڑا ہے" منیب نے شوخی سے کہا۔

ماہ نور جھٹ سے بولی "ڈبے پہ نہ جایئے گا۔ اس میں واقعی چھوٹی سی معمولی سی چیز ہے"

مصطفیٰ ڈبے پر لگا تہنیتی کارڈ پڑھ رہے تھے۔ جس پر ماہ نور اور سبین کے دستخطوں کے ساتھ خوبصورت الفاظ میں مبارکباد لکھی ہوئی تھی۔

"بہت بہت شکریہ" مصطفیٰ نے دونوں سے کہا اور پھر ڈبہ ساتھ والے خالی ٹیبل پر رکھ دیا "آپ نے تکلف کیا۔ بہرحال بے حد شکریہ"

چاروں باتیں کرنے لگے۔ سبین اور ماہ نور کو یہ سن کر خوشی ہوئی کہ منیب بھی میو ہوسپٹل ہی میں ہوتے ہیں۔ وہ دونوں ہاؤس جاب کر رہی تھیں۔ اس لئے منیب سے بھی ملنے کا اتفاق ہی نہ ہوا تھا۔ ویسے بھی منیب کا ڈیپارٹمنٹ ان سے الگ تھا۔

بیرہ مینو کارڈ لے آیا۔ تو سب اس میں درج ڈشز دیکھنے لگے۔ چونکہ کانٹینینٹل تھا۔ اس لئے سب نے اپنی اپنی پسند کی ڈش آرڈر کی۔

بیرے کے جانے کے بعد پھر سب باتوں میں مشغول ہو گئے۔ فضا بے تکلف ہو گئی تھی۔ ماہ نور اور منیب کسی پسندیدہ ٹاپک پر باتیں کر رہے تھے۔ مصطفیٰ سبین کی طرف رخ کئے اس کے پیشنٹ بابا کی باتیں کر رہے تھے۔

"بابا آپ کی بہت تعریف کر رہے تھے" مصطفیٰ بولے

"جی۔ اچھا" سبین نے مسکرا کر کہا

"بہت ممنون تھا آپ کے وارڈ کے ڈاکٹروں کا ___"

"وہ تو ہماری ڈیوٹی ہے"

"لیکن وہ تو خاص طور پر اپنے بیڈ کی ڈاکٹر کا بہت شکر گزار تھا۔ مصطفیٰ نے کن انکھیوں سے سیمین کو دیکھا

"ایسے ہی۔ میں نے کون سی کوئی خاص خدمت کی تھی بیچارے کی" وہ سر ہو۔ سے جھٹک کر بولی۔

"نہیں سیمین" مصطفیٰ بولے۔ لیکن صرف سیمین کہنے پر ہلکا سا جھجکے۔ پھر جلدی سے بولے "علاج معالجہ تو چلتا ہی رہتا ہے۔ وہ تو آپ کے اخلاق کی بہت تعریف کر رہا تھا۔ کہ رہا تھا۔ یہ ڈاکٹر صاحبہ دوسرے ڈاکٹروں سے مختلف ہیں۔"

"اچھا یہ سیمین دلچسپی لیتے ہوئے بولی۔ ویسے اسے پتہ تھا کہ وہ اپنے مریضوں میں واقعی مقبول ہے۔ "اور کیا کہہ رہا تھا ___"

"وہ کہہ رہا تھا کہ وہ ڈاکٹر صاحبہ سب سے زیادہ خوش گفتار اور ملنسار ہیں اور اور۔"

"اور کیا" سیمین نے شوق اور تجسس سے انہیں دیکھا۔

مصطفیٰ جھجکے۔ ہچکچائے پھر کہہ ہی دیا "اور یہ کہ سارے وارڈ کی سب سے زیادہ پیاری بچی ہیں ___"

سیمین نے چونک کر مصطفیٰ کو دیکھا

مصطفیٰ جھک گئے۔ فوراً ہی بولے "بخدا یہ بابا کے الفاظ ہیں ___"

سیمین کے خوبصورت لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بڑے دلفریب انداز میں مسکرا رہی تھی۔

دھیان بٹانے کو انہوں نے منیب اور ماہ نور کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں اب کسی گرم گرم بحث میں الجھے ہوئے تھے۔ ماہ نور تو بڑے جوش و خروش میں بول رہی تھی۔

"ان کی صلح صفائی نہ کرادی جائے" مصطفیٰ نے مسکرا کر سیمین سے کہا

سیمین نے کندھے اچکائے۔

مصطفیٰ کی مداخلت نے دونوں کی گرما گرم بحث بند کرادی۔

"میرا خیال ہے ہم یہاں کھانا کھانے آئے ہیں۔ لڑنے نہیں" سیمین نے بھی دونوں سے کہا

"لگتا تو نہیں کہ آپ دونوں آج پہلی بار ملے ہیں" مصطفیٰ نے دونوں پر خوش کن چھوٹے کی۔ "یوں لگتا ہے دونوں کا جنم جنم کا بیر ہے"

مصطفیٰ کی چوٹ پر منیب نے ماہ نور کو مسکرا کر دیکھا اور بولا "جنم جنم کا بیر ہے تو نہیں لیکن رکھا جاسکتا ہے"

"ہائے" ماہ نور نے آہستگی سے کہا وہ اس کی بات پر جھینپ سی گئی۔

مصطفیٰ اور سیمین بھی مسکرانے لگے۔ دونوں نے منیب کی آنکھوں میں ماہ نور کے لئے پسندیدگی دیکھی تھی۔

"ہمیں چھوڑیئے" منیب نے بھی مصطفیٰ پر وار کیا "اپنی کہئے۔ موقع کو تو آپ نے بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا ___"

اب سیمین خجل سی ہوگئی۔ مصطفیٰ مسکرانے لگے۔

سب بےحد خوش تھے۔

اسی دوران کھانا آگیا۔ سب کے سامنے پسندیدہ ڈش رکھدی گئی۔ بیرہ کوک اور سیون اپ بھی لے آیا۔

بڑے خوشگوار ماحول اور خوش کن باتوں کے درمیان کھایا گیا۔ منیب کی دلچسپ نوک جھونک جاری رہی۔

گھنٹہ بھر کے بعد سب لوگ کار پارک میں کھڑے تھے۔ کھانے کا شکریہ ادا کیا گیا۔

مصطفیٰ نے بھی دونوں لڑکیوں کے آنے اور پریزنٹ لانے کا شکریہ ادا کیا

دونوں مسکرائیں۔ تو وہ بولا "ہمارے ہاں بسنت کا فنکشن ہے۔ میرے سارے دوست رشتہ دار اکٹھے ہوتے ہیں۔ خوب ہلا گلا رہتی ہے۔ یہ ایک طرح کا فیملی فنکشن ہوتا

ہے ـ آپ دونوں بھی ضرور آیئے گا"

"ہے کب؟" مصطفیٰ نے پوچھا

"اگلے جمعہ کو" منیب نے کہا

"کتنے بجے ــــ"

"جتنے بجے جی چاہے ــــ کھانا یہاں ہی ہوگا ــــ"

"ٹھیک"

منیب نے لڑکیوں سے پوچھا "آئیں گی نا آپ ــــ"

ان دونوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا اور پھر دعوت قبول کرنے کا اشارہ دے دیا۔

"بہت بہت شکریہ" منیب نے کہا "آپ میری بہن اور امی سے مل کر بہت خوش ہونگی"

پھر

منیب نے ہنس کر مصطفیٰ سے کہا "آپ؟ آپ تو نہیں آئیں گے نا"

"کیوں" وہ جھٹ سے بولے

"آپ جناب تو ایسے فنکشنز کے خلاف ہیں۔"

ایسے ہی"

"ہوں میں بھول گیا" منیب شوخی سے بولا پھر بیین کی طرف دیکھا اور مصطفیٰ سے کہ

"اس دفعہ بات اور ہے ــــ ہوں"

"منیب" مصطفیٰ کا ایک دم ہی موڈ بدل گیا "حد میں رہا کرو ــــ"

"کیا ہوا ــــ" منیب نے حیرانگی سے انہیں دیکھا ــــ "پارہ کیوں چڑھ گیا"

بیین اور ماہ نور بھی قدرے شرمندہ سی ہوگئیں۔

منیب نے مصطفیٰ کی طرف پھر دیکھا ــــ سمجھ نہ پایا کہ اس کا مذاق مصطفیٰ کو راس کیوں نہیں آیا ــــ

"کیا بات ہوئی" منیب نے پھر پوچھا۔ تو مصطفیٰ نے خفگی سے کہا "مذاق حد کے اندر ہی اچھا لگتا ہے"۔

منیب ان کی خفگی نظر انداز کرتے ہوئے بولا "مذاق کیسا۔ مجھے پتہ ہے تمہیں انوائیٹ نہ بھی کروں تب بھی اس دفعہ تم ضرور آؤ گے"

"پھر وہی ــــ" وہ برہمی سے بولے پھر انگریزی میں کہا "ڈونٹ کراس دی لمٹس"

ان کا رویہ بڑا سخت اور لہجہ کڑوا کسیلا سا تھا ــــ بیین نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

وہ جیسے اپنے آپ سے شرمندہ سی ہونے لگی ــــ منیب نے اس سے سوری کہا اور گھر آنے کی تاکید کرتے ہوئے مصطفیٰ کی طرف رخ پھیرا۔

وہ دونوں وہاں نہیں رکیں ــــ جلدی سے اپنی گاڑی کی طرف آگئیں ــــ دونوں خجل سی تھیں۔ بیین تو اپنے آپ سے شرمندہ ہو رہی تھی ــــ مصطفیٰ کا موڈ اور لہجہ اتنا ناخوشگوار تھا کہ اسے اپنا آپ سبک لگنے لگا تھا۔ منیب نے بیین کے حوالے ہی مذاق کیا تھا نا ــــ

لیکن

مصطفیٰ!!

کتنا

برا مان گئے تھے۔

بیین کو سبکی کا احساس مارے جا رہا تھا۔

○ ○ ○

ایک وہ نہ ہوتی ہے جس کا مطلب ہی نہ ہوتا ہے۔

لیکن

ایک وہ نہ ہوتی ہے جس کا مطلب ہاں ہوتا ہے۔

سبین کئی دن سے اس ہاں اور نہ کے چکر میں پڑی ہوئی تھی۔ اس رات دعوت کے بعد گھر آتے آتے منیب کے مذاق اور مصطفیٰ کے تلخ کڑوے کسیلے لہجے اور رویے سے صورت حال عجیب سی ہو گئی تھی۔ مذاق اتنا انوکھا یا اچھوتا تو نہیں تھا۔ لیکن مصطفیٰ کا رویہ ایک دم ہی بدل کر اتنا اجنبی اور بیگانہ ہو گیا تھا کہ سبین اس کی ترشی سے بدمزہ ہوئے بغیر نہ رہ سکی تھی دعوت کے دوران خوشگوار باتیں ہوتی رہی تھیں۔ بہت کچھ کہنے والی خاموشیاں بھی چھائی تھیں۔ سبین نے بہت کچھ محسوس کیا تھا ــــ اس کے اندر ہی اندر پھواریں پڑنے لگی تھیں ــــ خوشبوئیں پھیل گئی تھیں ــــ خوشیوں کی ننھی ننھی کونپلیں پھوٹ نکلی تھیں ــــ

لیکن

مصطفیٰ کے ایک ہی بگڑتے موڈ نے سب کچھ تہس نہس کر ڈالا تھا ــــ نہ پھواروں کی خنکی رہی تھی نہ خوشبوؤں کا احساس ــــ سر اٹھاتی لہلہاتی خوشیوں کی سرسبز کونپلیں تو ایک دم ہی جھلس گئی تھیں۔ مصطفیٰ کے رویے اور لہجے نے جو نہ کی تھی۔ وہ واقعی نہ تھی۔

کتنے ہی دن عجیب و غریب خیالات میں مقید رہی۔ تانے بانے بنتے اور الجھتے رہے۔

اسے اپنے آپ پر رہ رہ کر غصہ آتا۔ وہ سوچتی وہ کتنی عام سی لڑکی ثابت ہوئی ہے۔ ناپختہ عمر کی لڑکیوں کی سی سوچیں اس کے ذہن میں تلاطم مچاتی رہی ہیں۔ وہ بے وقوف بنتی رہی

ہے اپنی کم فہم سوچوں کی وجہ سے۔ عام سی لڑکی ۔ پر دوسری ناپختہ عمر کی لڑکی کی طرح بیوقوف ذرا سا التفات پا کر پگھل جانے والی۔ دوسرے کے احساسات سے بے خبر اپنا ہی خیالی محل بنانے والی۔

اس نے مان لیا تھا۔ کہ وہ بھی ایسی بیوقوف اور کم عقل لڑکیوں میں سے ایک ہے۔

"شاید ہر لڑکی کو بے وقوف بننے کا شوق ہوتا ہے" وہ دل ہی دل میں سوچتی۔

لیکن وہ تو نہ اتنی کم عمر تھی نہ ناپختہ ذہن۔ پھر وہ کیوں بے وقوف بنتی رہی۔ خیالی محل سجاتی رہی۔ مصطفیٰ کی ذات میں مدغم ہونے کے تصور سے نہال ہوتی رہی؟

دن رات وہ اپنے آپ سے الجھی رہتی۔

. اس نے جان بوجھ کر مصطفیٰ سے کنارہ کشی کر لی۔ ان کے سامنے سے دانستہ گریز کیا۔

ہاں

دوسری طرف منیب اور ماہ نور ایک دوسرے کے خاصے قریب آ گئے۔ ماہ نور جب بھی اس سے ملتی سرشاری کے عالم میں اپنی ہی باتیں اسے بتائے جاتی۔

"آج منیب کا یہ فون آیا"

"آج اس نے یہ بات کہی"

"آج وہ وارڈ میں سردرد کا بہانہ کر کے چلا آیا"

"اس نے لمبی ڈرائیو پر جانے کی پیش کش کی"

"وہ بہت اچھا ہے"

"اس کی بیک گراؤنڈ قابل رشک ہے"

"ہم دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے ہیں ــــ"

"ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سے جاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر ہم مطمئن ہو گئے نا۔ تو پھر ہمارے والدین ایک دوسرے سے ملیں گے ــــ ویسے ہم تو پہلے دن ہی سے مطمئن ہیں ــــ سبین منیب بڑا گریس فل بڑا نوبل آدمی ہے"

ماہ نور اتنی خوش اور اپنے آپ میں مگن ہوتی کہ سیمیں کی عدم دلچسپی کو محسوس کرتے ہوئے بھی اس کا سر کھائے جاتی ___ اسے فرصت ہی نہ تھی۔ کہ وہ سیمیں سے اس دن کے واقعے کی تلخی کے متعلق کچھ کہتی سنتی ___ اس کے لئے اسی دن سے ا شیرینوں کا آغاز ہوا تھا ___ ویسے اسے لگتا تھا۔ کہ سیمیں کچھ سنجیدہ رہنے لگی ہے۔ د ایک بار اس نے پوچھا بھی تو وہ ٹال گئی۔

بسنت کا تہوار قریب آرہا تھا۔ ماہ نور تو جیسے ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ منیب نے اس دن اسے اپنی امی اور بہن سے ملوانا تھا ___ وہ بڑی شدت سے اس موقعے کا انتظار کر رہی تھی۔ تیاری کی بھی خاص مگن تھی۔ اس لئے اس نے سیمیں سے جب وہ وارڈ سے نکل کر باہر آرہی تھی۔ پوچھا "سیمیں بسنت کے دن پیلے کپڑے ہی پہنیں گے نا"

سیمیں نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی اور بولی "تمہاری مرضی ___"

"تم کیا پہنوگی؟ میرے پاس تو کوئی اچھا پیلا جوڑا ہے ہی نہیں۔ تمہارے پاس اس سے ملتے جلتے رنگوں کے کافی کپڑے ہیں ___ تمہارے ہی پہن لونگی ___"

سیمیں اس کی بیتابی پر مسکرائی بولی۔ "آجانا گھر دیکھ لینا کپڑے"

"تم بھی تو ___"

سیمیں رنجیدہ و سنجیدہ ہو کر بولی "میں جاؤں گی ہی نہیں ___ تو ___ تو ___"

"کیوں" ماہ نور نے اس کا کندھا پکڑ لیا۔ "جاؤ گی کیوں نہیں"

"بس" وہ سٹیتھو سکوپ سے کھیلتے ہوئے بولی۔

"یہ کیا بات ہوئی" ماہ نور برا مان گئی ___ "میں تمہارے ساتھ ہی تو جارہی تھی۔"

"ضروری تھوڑا ہی ہے" وہ اسی لہجے میں بولی۔

ماہ نور نے گردن موڑ کر اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ ایک دم ہی وہ جیسے اس کے وہاں نہ جانے کی وجہ جان گئی ___

"شاید سیمیں منیب سے ناراض ہے۔ اسی کے مذاق کی وجہ سے اس رات بدمزگی ہوئی تھی" ماہ نور نے سوچا۔

لیکن

بات یہ تو نہ تھی۔

سیمیں نے تو منیب کے متعلق ایسا سوچا ہی نہیں تھا۔ چوٹ تو مصطفیٰ کے تلخ و ترش اور اجنبی لہجے سے لگی تھی۔

ماہ نور نے اس کے سامنے آتے ہوئے کہا "منیب سے ناراض ہو"

"نہیں تو ___" سیمیں جھٹ سے بولی "اس سے بھلا میرا کیا تعلق۔"

"تو پھر ___"

"بس جی نہیں چاہ رہا جانے کو"

"حالانکہ اس نے بڑے اصرار سے ہمیں بلایا ہے"

"ہوں"

"یہ کیا ہوں ہوں کئے جارہی ہو۔ بات کیا ہے آخر ___" ماہ نور نے اس کا کندھا جھنجھوڑ ڈالا ___

سیمیں چپ رہی۔

ان دنوں وہ ارادے باندھ باندھ کر توڑ رہی تھی اور توڑ توڑ کر باندھ رہی تھی۔ کبھی سوچتی منیب کے ہاں نہیں جاؤں گی ___ مصطفیٰ تو وہاں آئیں گے ہی۔ اس کے نا جانے سے انہیں پتہ تو چلے گا۔ کہ وہ ان سے ناراض ہے۔

لیکن یہ بات کچھ دل نہ لگتی۔ ہو سکتا ہے مصطفیٰ یہ بات سوچیں ہی نہیں' سمجھ لیں کہ کوئی اور ضروری کام پڑ گیا ___ جس کی وجہ سے نہیں آسکی۔

پھر سوچتی فنکشن میں جائے ضرور ___ لیکن مصطفیٰ سے دور دور رہے۔ اس طرح سے اس کی ناراضگی ان پر واضح ہو جائے گی۔

یہ قدم اٹھانا بھی اسے اچھا نہ لگتا ___ آخر وہ کیوں یہ سمجھتی تھی کہ مصطفیٰ اس کی اتنی پرواہ کریں گے۔ ان کے محسوسات سے تو وہ اسی دن آگاہ ہو گئی تھی۔ ان کے لئے وہ ایک عام سی جونیئر ڈاکٹر کے سوا کچھ نہیں تھی۔ جونیئر ڈاکٹر

جو
خود ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ہمک رہی تھی ___ نادانی اور بیوقوفی کی وجہ سے
ان سے توقعات وابستہ کر بیٹھی تھی۔

"اے ثمین" ماہ نور نے اسے چپ دیکھ کر پھر جھنجھوڑا۔

"ہاں۔ ہاں۔ ہاں" ثمین نے تلخی سے کہا

"میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہی"

"کس بات کا"

"منیب کے گھر بسنت منانے کے لئے جانے کا"

بسنت صرف منیب ہی کے گھر تو نہیں منائی جاسکتی۔ ہمارا اپنا پورا گروپ یہ تہوا
منانے کو تیار ہوگا ___ عائشہ اور مریم سے ملے بھی کئی دن ہوگئے ___ سوچ رہ
ہوں۔ بسنت کے دن ذکی اور عمیر وغیرہ کو بھی ___"

"بس ___ بس کرو ___"

"تم چلی جانا منیب کے ہاں"

"جانتی ہو کہ میں اکیلی نہیں جاؤں گی ___"

ثمین صرف مسکرائی ___ یہ مسکراہٹ ایسی تھی۔ جسے مسکرانا کسی طور نہیں ک
جاسکتا تھا۔ ماہ نور کو اس کی ہٹ دھرمی پر غصہ آنے لگا تھا ___ اس لئے غصے سے بولی۔

"یہ تھوبڑا اللہ جانے کس وجہ سے پھلایا ہوا ہے تم نے ___ لیکن میری بات س
لو۔ تمہیں منیب کے ہاں جانا ہے ___ میرے لئے ہی سہی ___ خدا خدا کرکے کہیں
بات بننے لگی ہے اور یہ صاحبہ ___ ہونہہ۔ جاؤ میں تم سے نہیں بولتی ___"

ثمین اب واقعی مسکرائی ___ اسے پتہ تھا۔ ماہ نور اس کے بغیر منیب کے ہاں نہیں
جاسکتی۔ اپنی نہیں اس کی خاطر ہی صحیح ___ اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ بسنت کے دن اس
کے ساتھ چلی جائے گی ___

اس نے یہ بھی فیصلہ کرلیا کہ وہ مصطفیٰ سے دور دور اور لاتعلق ہی رہے گی۔

بسنت سے ایک دن پہلے ماہ نور اس کے ساتھ ہی گھر آئی ___ اپنی پسند کے پیلے
پڑے لینے تھے۔ مقیش کے کام والا کرتا اور پلین شلوار دوپٹہ اس نے اپنے لئے منتخب
یا۔ یہ بڑے خوبصورت کپڑے تھے گوری چٹی ماہ نور پر اٹھنے بھی خوب تھے۔

ثمین کو کسی اہتمام کی ضرورت نہ تھی۔ اس نے کوئی سے بھی کپڑے پہن لینا تھے۔
شام ثمین تائی کے ہاں جانے کا سوچ ہی رہی تھی۔ بسنت کے لئے منیب کے ہاں
نے سے انہیں حسب عادت آگاہ کرنا تھا۔ لیکن تائی خود ہی آگئیں۔ طلحہ کے سسرال
لوں نے کل بسنت کے حوالے سارے خاندان کی دعوت کی تھی۔

تائی سے علیک سلیک ہوتے ہی ثمین نے انہیں کل منیب کے ہاں جانے کی بات
اتے ہوئے کہا "منیب خود ڈاکٹر ہیں۔ ہم چند ڈاکٹرز کو بھی بلایا ہے۔ ویسے یہ ان کا فیملی
نکشن ہے۔ یہ لوگ ہر سال بڑے اہتمام سے مناتے ہیں ___"

تائی نے ناگواری سے منہ بنایا ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔ "جب بھی اپنی فیملی میں
کوئی فنکشن ہوتا ہے۔ تمہارا پروگرام پہلے ہی کہیں اور کا بن چکا ہوتا ہے۔ کل طلحہ کے
سسرال والوں نے سب کو دعوت پر بلایا ہے ___"

ثمین کو عجیب سی خوشی محسوس ہوئی۔ تائی کو یقیناً اس کے منیب کے ہاں جانے کے
پروگرام کا برا لگا تھا ___

"تائی جی" وہ اپنی اندرونی سرشاری کو چھپاتے ہوئے بولی "آپ نے بعد میں بتایا۔
میں نے اپنے پروگرام سے آپ کو پہلے ہی آگاہ کردیا ہے"

"صرف آگاہ کرنا ہی ضروری سمجھتی ہو۔ کبھی پوچھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی" تائی کا
موڈ اب بھی ناخوشگوار تھا ___

تائی کی چوٹ سے ثمین تلملائی نہیں ___ مسکرا کر بولی "آگاہ تو کردیتی ہوں نا ہر
بات سے کوئی بات چھپا کر تو نہیں کرتی ___"

"چھپاؤ گی ___ تو بھی کیا فرق پڑے گا"۔

اور

تو

اور

اپنے مریضوں کے لئے وہ شفیق اور مہربان تھی۔

پھر

پھر

مصطفیٰ کے لئے وہ کیوں کسی کشش کا باعث نہ بن سکی؟

اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ جو اس کے پیازی گالوں سے موتیوں کی لڑھک لڑھک کر دوپٹے میں جذب ہونے لگے۔

چائے ادھوری ہی چھوڑ کر وہ وہاں سے اٹھ گئی اور بستر میں اوندھی پڑ کر رونے لگی۔

وہ خوب روئی۔

اتنے دنوں کی اندر جمع شدہ بھڑاس نکل گئی۔ اس کی حسین آنکھیں متورم ہوگئیں ناک کی پھننگ سرخ ہوگئی ___ چہرہ بھیگ بھیگ گیا۔

رات اس نے برائے نام ہی کھانا کھایا۔ فضیلت جان گئی تھی کہ آج اس کے خوب برسات ہوئی ہے۔ اس نے ایک آدھ دفعہ پیار سے پوچھا تو سہی۔ لیکن زیادہ ا بھی نہ کیا۔ ایسا تو اکثر ہوتا تھا۔ فضیلت بیچاری کے بس میں تھا ہی کیا ___ اس کے د مداوا تو وہ نہیں کرسکتی تھی ___

رو دھو کر سین کچھ ہلکی پھلکی تو ہوگئی تھی۔ لیکن بیزاری اس پر اب بھی مسلط تھ

کل اس نے منیب کے ہاں ماہ نور کے ساتھ جانا تھا۔ ماہ نور کا تو بہانہ ہی تھا۔ خود اس کا دل بھی تو چاہ رہا تھا۔

"مصطفیٰ ضرور آئے ہونگے" وہ سوچ رہی تھی ___ "وہ انہیں قطعاً لفٹ نہ دے گی۔"

"اس سے کیا ہوگا" اس کے اندر ہی سوال اٹھتا "مصطفیٰ کو کیا فرق پڑے گا۔"

وہ لاجواب اور بے دلیل ہو جاتی ___ لیکن دل کے مصطفیٰ کی طرف جھکاؤ کا اعتراف اسے کرنا ہی پڑ رہا تھا۔

کیا وہ ان سے پیار کرنے لگی تھی؟

یقیناً

سو فیصد

اس کے اندر اثباتی رویوں کی ہلچل مچ جاتی اور ایسی بات پر اسے خود پر غصہ بھی آنے لگتا اپنے آپ کو کم فہم بے وقوف اور ناپختہ ذہن کی لڑکی کے طعنے دینے لگتی ___

رات یوں ہی کبھی سوتے کبھی جاگتے گزر گئی ___

صبح اس کی آنکھیں رات بھر کی بے چینی اور اضطراب کی غمازی کر رہی تھیں۔ اس نے کئی بار آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا آپ دیکھا۔

"ہائے میں کتنی کیوٹ لگ رہی ہوں" بے اختیارانہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بھیگی بھیگی سرخ و متورم آنکھیں ___ ناک کی لالی پھننگ اور شہابی گال ___ وہ واقعی حسین لگ رہی تھی ___

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ کافی دیر اخبار دیکھتی رہی ___ پھر تھوڑی دیر باہر چمن میں ٹہلتی رہی بسنت بہار چھائی تھی ___ پھلوں اور سبزے سے مہکاریں اٹھ رہی تھیں ___ موسم کافی حد تک بدل چکا تھا۔ دھوپ سنہری تھی۔ لیکن تپش اور حدت نہیں تھی۔ ہر سو خوشگواری لہریں لے رہی تھی۔

قدرے تازہ دم ہو کر وہ اندر چلی آئی ___ اب اس نے تیار ہو کر ماہ نور کو ہوسٹل سے لینے جانا تھا ___ وہیں سے دونوں منیب کے ہاں جانے والی تھیں ___

اس نے وارڈ روب کھولی۔ اس کے کئی خوبصورت ڈریس لٹک رہے تھے۔ کئی سادہ بھی تھے اور کئی شوخ چمکیلے بھڑکیلے بھی۔ جینز اور بلاوز بھی تھے۔ ٹینٹس اور شرٹس بھی۔ اس کے پاس پیلے کپڑے بھی تھے۔ لیکن اس نے احتجاجاً پیلے کپڑے پہننے کا ارادہ ترک کر

دیا۔

پہلے جینز اور جاتیز کڑھائی والا بلاؤز نکالا ___

پھر

کچھ سوچ کر ہینگر واپس لٹکا دیا اور ہلکے پستئی رنگ کا لباس نکالا ___ جس پر
رنگ کی کڑھائی والا گلا بنا ہوا تھا گلے میں کڑھائی میں شیشے کا کام بھی تھا۔ کھلے
کی قمیض اور لمبا چوڑا دوپٹہ!

اس نے یہ لباس منتخب کرلیا ___

○ ○ ○

"سبین"

"ہوں"

"ایک بات پوچھوں"

"پوچھو"

"یہ تمہیں دھماکے کرنے کا کیوں شوق ہے"

"کیا مطلب؟ کیسا دھماکہ ___"

"اپنا حلیہ تو دیکھو ___"

"کیوں کیا ہوا میرے حلئے کو ___ اچھی خاصی پیاری ہوں"

"اس میں تو شک نہیں۔ لیکن لباس دیکھو اپنا ___ آج کے دن پہننے کو یہی کپڑے
رہ گئے تھے اور پیلے کپڑے نہ تھے۔ تو مجھے ہی یہ نہ دیتیں خود پہن لیتی ___"

سبین نے گاڑی چلاتے ہوئے ہولے سے گردن موڑ کر برابر والی سیٹ پر بیٹھی ماہ نور
کو دیکھا جو پیلے کپڑوں میں بڑی کیوٹ لگ رہی تھی ___

"کپڑوں کے ساتھ دھماکے کیا کا نسبت؟" اس نے پھر نگاہیں شیشے پر جماتے ہوئے
پوچھا ___

"یہ دھماکہ ہی تو ہے۔ کہ اتنی خوش پوش لڑکی۔ اتنے سپیشل فنکشن میں ایسے کپڑے
پہن کر آئی ہے"

سبین نے مسکراتے چہرے سے اسے پھر دیکھا اور اپنے کپڑوں پر نگاہ ڈالی ___ کاٹن
کے پیلے کپڑے ___ پرنٹڈ بڑا سا دوپٹہ ___ کپڑوں کا رنگ اڑا ہوا تھا اور دوپٹے کی
پرنٹ بھی کئی جگہ سے معدوم تھی۔ دھوبی سے دھلنے کی وجہ سے رنگ خراب ہوگیا ہوا

تھا۔ یہ جوڑا اس نے اماں فضیلت کی بیٹی کے لئے پچھلے مہینے نکال کر رکھا تھا۔ لیکن خود پہن لیا تھا۔ حالانکہ پہلے اس کا ارادہ ہلکے پستی رنگ کا کام والا خوبصورت جوڑا پہنے تھا۔ الماری سے نکالا بھی تھا۔ لیکن پہنتے پہنتے ترک کر دیا تھا۔ سوچنے لگی تھی کہ کیوں مخواہ بن ٹھن کر جاؤں۔ وہاں کونسا اسے کوئی پسند کرنے والا بیٹھا ہوگا اور پھر بسنت نسبت ہے پیلے کپڑے ہی موزوں تھے۔ اس کے پاس پیلا ریشمی ہلکے سے کامدانی کام بھی جوڑا تھا۔ لیکن وہ پہننے کا موڈ نہیں بنا۔ کلف شدہ استری کیا ہوا یہی جوڑا پڑا تھا جھٹ سے پہننے کا فیصلہ کیا۔ پانچ منٹ میں وہ پستی جوڑے کی بجائے اس پرانے جوڑ میں ملبوس تھی۔

"ویسے تم ہو عجیب و غریب شے" ماہ نور نے اس کے لباس پر ناپسندیدگی کی نگاہ ڈ

ثمین بے پروائی سے بولی "کیا فرق پڑتا ہے۔ میں جو ہوں سو ہوں"

لباس شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے"

"تم بہت اچھی لگ رہی ہو" ثمین نے بات بدلی "" "اور تمہیں آج اچھا لگنا چاہیے"

اس نے جملے کے آخری لفظوں پر زور دیتے ہوئے آنکھیں مٹکا کر کہا ___ "یہی ہے"

"ہائے ثمین" ماہ نور لباس کی ناپسندیدگی بھول کر اس کا کندھا زور سے دباتے ہو۔ قدرے گھبرائے ہوئے انداز میں بولی۔

"ہائے وائے کیا۔ دیکھو میرا کندھا چھوڑ دو ___ ایکسیڈنٹ نہ کروا دینا اپنی خو میں۔" ثمین نے کہا

"خوشی" ماہ نور بولی " مجھے تو گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں منیب کے گھر وا کیسے ہونگے۔ مجھے پسند کریں گے بھی یا نہیں ___"

"پسند کیوں نہیں کریں گے ___ تم کوئی بدشکل چڑیل ہو ___ ان پڑھ بھی نہیں فیملی بیک گراؤنڈ بھی ٹھیک ٹھاک ہے ___"

"پھر بھی ___ ڈر لگ رہا ہے"

"ہوں"

"کیا کروں ثمین"

"گاڑی سے چھلانگ لگا دو ___"

ثمین نے ہنس کر کہا ___ لیکن ماہ نور کی گھبراہٹ دور نہ ہوئی۔ بولی "اگر منیب کی امی نے مجھے پسند نہ کیا تو!!"

"تو کیا ہوگا۔ منیب تو تمہیں پسند کرتے ہی ہیں"

"نہیں نا"

"کیا"

"منیب ___"

"ہاں۔ ہاں۔"

"منیب نے مجھے کہہ دیا تھا۔ سیدھے صاف طریقے سے"

"کیا؟"

"یہی کہ اگر اس کی امی نے مجھے قبول کر لیا تو ٹھیک۔ اگر نہیں تو ___"

"تو ___"

"تو وہ اپنے حق کے لئے لڑیں گے ضرور ___ لیکن بغاوت نہیں کریں گے۔ پھر ہمارا رشتہ دوستی کی حد تک رہے گا"

"ہوں"

"ہاں"

"پھر تو آج تمہارا امتحان ہے"

"ہاں ___ اسی لئے تو گھبراہٹ ہو رہی ہے ___"

ثمین خاموش ہوگئی ___ اس کے اندر عجیب سی ہلچل مچ گئی تھی۔ یہ مرد بھی کیا شے ہوتے ہیں کتنی آسانی سے منیب نے یہ فیصلہ دے دیا۔ کہ وہ بغاوت نہیں کریں گے

— ایک لڑکی کو مستقبل کے ان دیکھے راستوں پر ساتھ چلنے کی نوید دے کر پیچھے ہٹ — کسی لڑکی کی زندگی سے مذاق کرنے کے مترادف نہیں کیا؟

فرض کیا منیب کی امی ماہ نور کو پسند نہیں کرتیں۔

تب!

ماہ نور جو دل و جاں منیب کی نظر کر چکی ہے اس کا کیا ہو گا۔ کیا وہ منیب سے صرف دوستی کی اساس پر اپنا مستقبل استوار کر سکے گی؟

ہونہہ

اس کے نتھنوں سے ہنکارا سا نکلا۔ ماہ نور نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ببین" وہ بولی

"کیا ہے"

"کیا سوچ رہی ہو"

"لڑکیوں کا مستقبل —— جو ہوا کے دوش پر اڑتا رہتا ہے"

ماہ نور کچھ نہ سمجھی —— منیب کا گھر قریب آ رہا تھا۔ وہ راستے سے واقف تھی۔ دو تین بار منیب نے ادھر سے گزرتے ہوئی باہر ہی سے اسے اپنا گھر دکھایا تھا۔

وہ ببین کو راستہ سمجھانے لگی

اور

ببین اسی کے کہنے پر سڑکیں گھومتی گئی ——

بالآخر وہ گلبرگ کے اس پوش علاقے میں پہنچ گئیں۔ جہاں پرانی لیکن بڑی بڑی جہازی سائز کوٹھیاں تھیں۔ بسنت کی وجہ سے سڑکوں پر کافی رش تھا۔ بچے لمبے لمبے بانس ہاتھوں میں پکڑے آنے جانے والی گاڑیوں کی پرواہ کیے بغیر پتنگیں لوٹنے کو سڑکوں پر دوڑ رہے تھے۔ نظریں ٹوٹتی ڈولتی پتنگوں پر تھیں —— سڑکوں کے بیچوں بیچ بھاگ رہے تھے۔ ایک بچہ تو ببین کی گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا —— ببین نے اسے کھڑکی سے گردن نکال کر خوب کوسا۔ اس کا بس چلتا تو بچے کو پکڑ کر کس کس کر تھپڑ لگاتی۔ ابھی اگر

ایکسیڈنٹ ہو جاتا تو لوگ اسے ہی قصور وار ٹھہراتے۔ گاڑی والوں کا قصور ہو نہ ہو ایسے موقعوں پر موردِ الزام انہیں ہی ٹھہرایا جاتا ہے ——

ببین کا موڈ خراب ہو گیا —— بڑبڑ کرتی وہ گاڑی چلانے لگی۔

منیب کی کوٹھی کا دور ہی سے پتہ چل گیا —— بہت سی گاڑیاں گیٹ کے اردگرد اور سڑک کے دوسری طرف کوٹھی کے سامنے کھڑی تھیں۔ لوگ اندر جا رہے تھے۔ بچوں کی ٹولی گیٹ کے پاس کھڑی تھی۔

اور

اوپر

چھت پر کافی لوگ کھڑے پتنگ بازی میں مشغول تھے۔ عورتوں کے بسنتی اور پیلے کپڑے لہرا رہے تھے۔ ڈیک آن تھا۔ چہل پہل خاصی تھی۔ لگتا تھا سارے مہمان آ چکے ہیں ——

"میں سمجھ رہی تھی۔ ہم لوگ جلدی آ گئے ہیں۔" ماہ نور گاڑی کے رکتے ہی بولی

"لیکن یہاں تو کافی لوگ ہیں ——"

"ہاں ——"

ببین نے گاڑی روک لی تھی۔ کرک لاک لگا کر باہر نکلی ماہ نور پہلے ہی باہر نکل کر کھڑی اپنا دوپٹہ ٹھیک طرح سے کندھوں پر پھیلا رہی تھی۔

"منیب کے سوا ان کے گھر والوں کو جانتی ہو" ببین نے گاڑی کی چابی اپنے نفیس سے بٹوے میں ڈالتے ہوئے پوچھا ——

"اوں ہوں" ماہ نور نے سر ہلایا —— وہ گھبرائی ہوئی تھی۔ ببین کو اس پر بے طرح پیار آ رہا تھا۔ دل ہی دل میں ہمدردی بھی محسوس کر رہی تھی ——

"چلیں اندر" اس نے کہا "منیب تو ہوں گے ہی تعارف کرا دیں گے" ببین نے قدم اٹھایا —— منیب کے ساتھ یقیناً مصطفیٰ بھی اندر ہوں گے —— اس خیال سے اسے عجیب سی بیچارگی کا احساس ہوا —— مصطفیٰ کی اس دن کی بے رخی کا دکھ وہ ابھی تک کاٹ رہی

تھی۔ کوشش اور ظاہری بے تعلقی کے رویے کے باوجود ان کے خیالوں کے الجھاؤ
ابتک نہ نکل پائی تھی ــــ وہی دشمن جاں بھی دل کے قریب تھا۔

وہ دونوں سڑک پار کر کے گیٹ کی طرف بڑھیں۔ ایک نوجوان جوڑا ابھی گاڑی
اتر کر اندر جا رہا تھا ــــ

ریسپشن سے ہو کر وہ لاؤنج میں آئیں۔ تو یہاں بھی کافی لوگ بیٹھے تھے۔ زیادہ
بزرگ ہی تھے۔ چائے پیتے ہوئے گپ شپ لگا رہے تھے۔ منیب کی امی اور نوشی مہمانو
کی خاطرداری کر رہی تھیں۔

سبین اور ماہ نور کو دیکھتے ہی نوشی ان کی طرف لپکی ــــ مسکراتے ہوئے انہیں د
اور بڑے پیارے انداز میں بولی ــــ "آپ منیب بھائی کی مہمان ہیں نا؟"

منیب کی امی آنے والے جوڑے کو خوش آمدید کہتے ہوئے احوال پرسی کرنے لگیں
ــــ بسنتی کپڑوں میں ملبوس فیشن ایبل سی لڑکی کو انہوں نے گلے سے لگالیا۔

نوشی سبین اور ماہ نور سے ہاتھ ملاتے ہوئے خوشی اور خلوص کا اظہار کرتے ہو
بولی "آپ دونوں ڈاکٹر ہیں نا"

"جی" سبین کہا

"میں نوشی ہوں۔ منیب کی بہن"

ماہ نور اور سبین نے رسمی سے جملے کہے

وہ دونوں کو لے کر آگے بڑھی اور بولی "آپ یہاں بیٹھنا پسند کریں گی۔ یا اوپر ج
ــــ ویسے منیب بھائی اور مصطفیٰ بھائی مارکیٹ گئے ہوئے ہیں۔ ابھی آجاتے ہیں ــــ"

سبین نے ماہ نور کی طرف دیکھا۔ اسے خاصی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اوپر سے منیب
بھی غائب تھے۔ کسی سے جان تھی نہ پہچان۔ منہ اٹھائے چلے آنا اچھا نہیں لگا۔ وہ تو نوش
ہی بڑی خوش باش تھی۔ محبت سے ملی تھی ــــ ورنہ یہاں ٹھہرنا مشکل ہو جاتا ــــ

وہ دونوں نوشی کے ساتھ کھڑی تھیں۔ نوشی کی امی نوجوان جوڑے سے مل چکی
تھیں اب نوشی نے ان کا تعارف امی سے کروایا۔

"امی یہ دونوں ڈاکٹر ہیں۔ منیب بھائی کے ساتھ میو ہسپتال میں کام کرتی ہیں"

ماہ نور اور سبین دونوں نے ہلکے زرد رنگ کے بریزہ کے جوڑے میں ملبوس منیب کی
دبلی پتلی سمارٹ سی ادھیڑ عمر کی امی کو سلام کیا۔ اس نے دونوں لڑکیوں کے سراپا پر نگاہ ڈالی
ــــ تکلفانہ انداز میں سلام کا جواب دیا اور پھر ایک معمر عورت کی طرف مڑ گئی۔"

نوشی دونوں کو ساتھ لے کر اوپر چلدی ــــ چوڑے گھومتے ہوئے گول زینے پر
چڑھتے ہوئے نوشی نے مسکرا کر پوچھا "آپ دونوں میں سے ماہ نور کون ہیں ــــ"

سبین مسکرائی۔ ماہ نور نے اپنے سینے پر انگلی رکھتے ہوئے کہا "میں"

"اور آپ سبین ہیں" نوشی نے پیارے انداز میں اسے دیکھا

"جی"

"منیب بھائی نے آپ دونوں کا غائبانہ تعارف کروا رکھا تھا"

ماہ نور کا چہرہ کھل اٹھا۔ لیکن سبین کا چہرہ سپاٹ سا رہا۔ وہ منیب کی امی کے تکلفانہ
رویے سے کچھ بجھ سی گئی تھی۔ جانے دو جواں لڑکیوں کا منیب کے حوالے سے آنا اچھا
نہیں لگا تھا۔ یا منیب کی پسند کو پسند نہیں کیا تھا۔ بہرحال ان کے لہجے میں ہمت افزائی کی
کوئی رمق نہ تھی۔

ماہ نور نوشی سے باتیں کرتی زینہ چڑھ رہی تھی۔

منیب کا گھر خاصہ شاندار تھا۔ بہت بڑا بھی تھا۔ یہ دو منزلہ کوٹھی چاروں طرف سے
سرسبز اور گھنے درختوں میں گھری تھی۔ سامنے کے کشادہ لان میں موسمی رنگارنگ پھولوں
اور بیلوں کی بہار تھی۔ لان کے کونے میں اریوکیریا کا خوبصورت درخت بہت اونچا نکل گیا
تھا ــــ اس کے تنے کے ساتھ رنگ دار پھولوں والی بیلیں والہانہ انداز سے لپٹی ہوئی
تھیں ــــ کیاریاں لال پیلے پھلوں سے دہک رہی تھیں ــــ گھر جتنا سلیقے اور نفاست
سے اندر سے سجا تھا۔ اسی چابکدستی سے لان کی آرائش کی ہوئی تھی ــــ

دوسری منزل کی چھت پر پتنگ بازی ہو رہی تھی۔ تینوں لڑکیوں اوپر آگئیں۔ یہاں
کافی لوگ تھے۔ لڑکیوں اور عورتوں نے بسنتی کپڑے پہن رکھے تھے۔ زیورات بھی پہنے

ہوئے تھے اور میک اپ بھی خوب کیا ہوا تھا۔ چند لڑکیوں نے جینز کے ساتھ پیٹے کر
پہن رکھے تھے۔ گروپ میں کھڑی پتنگ اڑانے والے سمارٹ سے لڑکے کی ہمت افز
کے لئے شور مچا رہی تھیں ___

کچھ جوان لڑکے ڈور لپیٹ رہے تھے۔ کچھ پتنگوں میں دھاگے ڈال رہے تھے۔
بڑی عمر کے آدمی دیوار کے ساتھ لگی کرسیوں پر بیٹھے آسمان کی طرف سر اٹھائے رنگ
برنگی پتنگوں کے پیچھے پڑتے دیکھ رہے تھے۔ انہی کی عمر کی عورتیں بھی ساتھ ہی بیٹھ
تھیں۔

کچھ لڑکیاں لڑکے منڈیروں پر بیٹھے تھے۔ کچھ پانی کی ٹینکی کے ساتھ کھڑے

"وہ بیچا"

"بو کاٹا"

کا شور مچا رہے تھے۔ قریب ہی ڈیک بھی رکھا تھا۔ جس پر سے خوبصورت گیت فض
میں پھیل رہے تھے۔ جب کوئی پتنگ اس چھت سے اڑانے والے سے کاٹی جاتی۔
"بو کاٹا" کے شور کے ساتھ ٹیپ کی والیوم بھی فل کر دی جاتی اور نوجوان لڑکے لڑکیاں
خوشی میں بھنگڑہ ڈالتے ہوئے شور مچانے لگتے۔

نوشی ان دونوں کو لے کر آگے بڑھی۔ کئی لڑکیوں لڑکوں سے ان کا تعارف کرایا۔
کچھ ان سے اچھی طرح ملے کچھ سرسری سے انداز میں ___ جینز والی تینوں لڑکیوں نے
تو بڑے نخوت سے ان سے ہاتھ ملائے ___

ان میں نوشی کی ایک کزن بھی تھی۔ اس نے ماہ نور کے سراپا پر گہری نگاہ ڈالی۔ شاید
اسے معلوم تھا۔ کہ یہ ڈاکٹر منیب کے بہت قریب ہے۔ اس لئے کٹے بال اک ادا سے
جھٹکتے ہوئے منہ گول سا بنا کر انگریزی میں بولی "اچھا تو تم ہو ڈاکٹر ماہ نور ___ ہوں"
اس کے کچھ اور کہنے سے پہلے ہی نوشی انہیں لے کر آگے بڑھ گئی ___

اتنے میں زور زور سے تالیاں بجنے لگیں۔ بیچا پڑ گیا تھا پتنگ اب دوسرا لڑکا اڑا رہا تھ
___ سب پتنگوں کی طرف دیکھنے لگے ___

لڑکا شاید مشکل میں تھا۔ اس نے زور دار لیکن شستہ انگریزی میں لڑکیوں کی طرف
دیکھا اور اپنی مدد کیلئے پکارا ___

"ڈور ___ پکڑیں ___ چھوڑتی جائیں ___" کسی نے کہا اور نہ جانے
چرخی سبین کے ہاتھ میں پکڑا دی ___

"ڈھیل دیں ڈھیل" پتنگ باز اور اس کے ساتھی زور زور سے چلا نے
دور تک ڈولتی چلی جا رہی تھیں۔ ایسے میں ڈور ڈھیلی چھوڑی جاتی تھی۔

سبین کو کچھ علم نہ تھا۔ کہ کیا کرنا ہے۔ چرخی اس کے ہاتھوں میں گھوم رہی
بھی ڈور میں ڈھیل نہ آ رہی تھی۔ شاید کوئی گرہیں پڑ گئی تھیں

ادھر

معرکہ زوروں پہ تھا ___

"ڈھیل دیں ___ ڈھیل دیں ڈور چھوڑیں" لڑکے چلا رہے تھے۔ پتنگ باز
تھا ___

شور شرابے سے سبین گھبرا گئی ___ اس کے ہاتھوں سے چرخی از
وہ جلدی سے وہاں سے ہٹ کر پیچھے پلٹی ___

خوب شور مچا ___ کسی نے کوسا۔ کسی نے سراہا ___ ڈور اب خود ہی
تھی۔

سبین گھبرائی سٹپٹائی منڈیر کی طرف بڑھنے لگی تو اس کی نگاہ ہنسی لے
منیب اور مصطفیٰ پر پڑی ___ ماہ نور بھی ان کے ساتھ تھی۔ وہ تالیاں بجا
کی گھبراہٹ اور سٹپٹانے پر خوب ہنس رہے تھے۔

مصطفیٰ کو اس نے آج اس طرح خوشدلی سے ہنستے دیکھا تھا
ان کی مسکراہٹ بھی بڑی ریزرو ہوتی تھی۔ اس نے آنکھیں پھیلا
ہی اندر لاتعداد خوشیوں کی مہک پھیل گئی۔ دل بے قابو سا ہونے لگا۔ اس
اداسی بھول سی گئی۔

وہ ان کی طرف بڑھی نہیں۔ بلکہ کسی مقناطیسی کشش سے کھنچی چلی گئی

لیکن

ایک دم ہی وہ لمحوں پہلے کی فضا میں لوٹ گئی ___ جہاں مصطفیٰ دکھ دینے والی شخصیت کے سوا کچھ نہ تھے۔ سرد مہری نے اس کے چہرے بلکہ وجود کا احاطہ کرلیا۔ بوجھل قدموں سے وہ آگے بڑھی منیب کو جبری مسکراہٹ لبوں پر پھیلاتے ہوئے دیکھا۔ اس نے جھٹ سے سلام کیا اور بولا "سوری مس سبین۔ ہم تھوڑی دیر کے لئے مارکیٹ چلے گئے تھے۔ آپ کو یہاں اجنبیت تو محسوس ہوئی ہوگی۔ خیر نوشی نے اس کا ازالہ کردیا ہوگا۔"

"جی" اس نے سر قدرے ہلایا پھر مصطفیٰ کی طرف بے مہری سی نظر اچھالی۔ وہ اسے ب شوق نظروں سے تک رہے تھے۔ اس نے بغیر کچھ کہے سر کو ہلکا سا خم کرکے وش کیا۔ جواباً وہ شاید مسکرانے کی جرات بھی نہ کرسکے۔ سبین کی نظریں بے رحم تلخی جو لئے ہوئے تھیں۔

"میری امی سے ملیں ہیں نا آپ لوگ" سبین سے منیب نے پوچھا تو ماہ نور جلدی سے بولی "بڑی کیوٹ سی امی ہیں آپ کی"

منیب اور مصطفیٰ مسکرا دیئے۔

وہ چند منٹ وہاں کھڑی رہی منیب نے ہی دو چار باتیں کیں۔ پھر منیب کے پتنگ دوست نے ان کو پرجوش انداز سے پکارا "بھئی کیا کھڑے باتیں کر رہے ہو۔ نئی پتنگو میں دھاگے ہی ڈال دو ___ ڈور کے گولے جو الجھے ہیں درست کردو ___"

"بہتر جناب" منیب بولا۔

"اور پتنگ اڑاؤ گے نہیں۔" کسی دوسرے صاحب نے ان کی طرف دیکھ کر دعو دی۔

"ضرور اڑائیں گے۔ یہاں آئے کس لئے ہیں" مصطفیٰ نے کہا

ادھر لڑکیوں نے ایک پتنگ پکڑلی تھی۔ اسے اڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔

پتنگ تھوڑا سا اڑتی ___ پھر گر جاتی ___ چند نوجوان لڑکے ان کی مدد کو لپکے ___ منیب نے ان سب سے کہا "چلیں ہم اور آپ بھی پتنگ اڑائیں ___"

"چلیں چلیں" ماہ نور بے تابی سے بولی۔

"آپ لوگ اڑائیں" سبین نے معذرتانہ انداز میں کہا

"آپ نہیں اڑائیں گی" منیب نے پوچھا

سبین نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا "میرا موڈ نہیں ہے"

مصطفیٰ نے اس پر ایک گہری نگاہ ڈالی

وہ بولی "میں ادھر جاکر بیٹھتی ہوں۔ آپ اڑائیں پتنگیں ___"

وہ منڈیر کی طرف جانے کے لئے مڑی۔ تو ماہ نور نے اسے کندھے سے پکڑ کر گھماتے ہوئے کہا "یہاں بیٹھنے کے لئے آئی تھیں۔"

"صرف تمہیں چھوڑنے آئی تھی"

"سبین تھوڑی دیر کے لئے تو سب کا ساتھ دو"

"تم ہونا۔ میں تھک گئی ہوں ___" وہ جانے لگی۔ منیب نے آگے بڑھ کر اسے روکنا چاہا لیکن ماہ نور نے اشارے سے اسے منع کردیا۔ وہ جانتی تھی سبین کس مزاج کی لڑکی ہے۔ زیادہ زور دیا۔ تو یہاں سے بھاگ نکلنے سے بھی گریز نہ کرے گی۔

سبین جاکر منڈیر پر بیٹھ گئی ___

مصطفیٰ کچھ چپ سے ہوگئے۔ اس نے ان سے براہ راست ایک بات بھی نہ کی تھی۔ نگاہوں میں بھی سرد مہری تھی۔ وہ یقیناً ان سے ناراض تھی ___

یہ احساس ہوتے ہی مصطفیٰ کے اندر شادمانی کی ایک لہر سے دوڑ گئی۔

وہ ان سے ناراض تھی نا؟

ہوں!!

اسی رات جب ہوٹل کے باہر انہوں نے مذاق [illegible] تھا تب سے سبین

ان سے کترائی کترائی تھی۔ آج بے مہری کے رویے نے اس کی ناراضگی ثابت کر دی

ناراض!

ہاں ناراض اسی سے تو ہوتے ہیں۔ جس سے کوئی تعلق ہو ــــ جس سے توق

ہوں۔ جو اپنا ہو ــــ

مصطفیٰ سوچ سوچ کر من ہی من میں پھولے نہ سما رہے تھے۔ وہ بار بار منڈیر پر

جبین کو دیکھ رہے تھے۔ کبھی دزدیدہ نظروں سے کبھی براہ راست۔ وہ چھت کے ہنگا

سے جیسے بے خبر تھی۔ کبھی بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگتی۔ کبھی ناخنوں کو کھرچنے لگ

کبھی جب "وہ کاٹا" اور "بو کاٹا" کا ہنگامہ بپا ہوتا۔

ڈیک چلانے لگتا

اور

لڑکے لڑکیاں بے ہنگم اچھل کود کرنے لگتے۔ تو وہ بے نیازی سے ان پر اک نگاہ ڈ

لیتی۔ منیب اور ماہ نور اور ساتھیوں کے ساتھ پتنگ بازی میں مصروف تھے۔ مصطفیٰ

کبھی پتنگ میں ڈورے ڈال رہے تھے اور کبھی ڈور چرخی پر لپیٹ رہے تھے

لیکن

ان کا

سارا دھیان جبین کی طرف تھا۔

جی چاہ رہا تھا۔ کہ اس کے پاس جائیں اور بے تکلفی سے اس کا ہاتھ تھام کر دہا

سے اٹھائیں اور اس رنگین کھیل میں شریک کر لیں ــــ

لیکن

وہ ایسا نہیں کر سکے۔

ہاں انہیں کچھ ایسی حقیقتوں کا ادراک ہوتا رہا۔ جو شروع ہی سے آشکار نہیں

لیکن

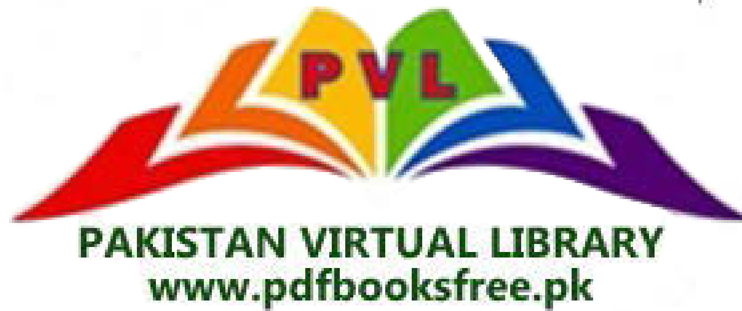
جن کو نظر انداز کر کے ان سے بچ نکلنے کے لئے وہ شروع ہی سے شعوری کوششیں

کر رہے تھے۔

محبت ایک سچائی ہے۔

جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ اس کا ادراک بھی مصطفیٰ کو آج ہی ہوا تھا۔

○ ○ ○



مصطفیٰ کو ایک ناقابل تردید حقیقت کا ادراک تو بے شک ہوا تھا۔

لیکن

وہ مان کے نہ دے رہے تھے۔

اپنے بیڈ پر چت لیٹے تھے۔ ٹانگ پر ٹانگ چڑھا رکھی تھی۔ تکیہ قدرے اونچا کر
دونوں ہاتھ سر تلے رکھے وہ دیر سے چھت کو تکے جا رہے تھے۔ کبھی کبھی عالمِ اضطراب میں
پاؤں ہلانے لگتے اور کبھی ایک پاؤں کی انگلیوں سے دوسرے پاؤں کی انگلیوں کو مسلنے لگتے
سوچوں کے تانے بانے بنے جا رہے تھے۔ الجھ بھی رہے تھے۔ سلجھ بھی جاتے تھے
گرہیں پڑتی تھیں اور کھلتی تھیں۔ لیکن دل و دماغ کو قابو کرنے والا مسئلہ کسی طور حل
ہو رہا تھا۔

آج چھٹی تھی ___

مصطفیٰ کی ڈائری میں آج کرنے والے کئی کام لکھے تھے۔ ہفتہ بھر وہ اس ڈائری میں
ضروری اہمیت کے کام نوٹ کرتے جاتے تھے اور پھر چھٹی کے دن بہت سے کام نپٹا
لئے جاتے تھے۔ گھر کا کام تو انہوں نے اپنے پرانے ملازم دینو کو سونپ رکھا تھا۔ جب
انیکسی کرائے پر لی تھی۔ انہوں نے دینو کو کراچی سے یہاں منگوالیا تھا۔ کچن اور گھر
دوسرا کام اس کے سپرد تھا اور مصطفیٰ کو اس سلسلے میں کبھی کوئی شکایت یا مسئلہ درپیش
نہیں ہوا تھا ___ وہ پیسے تنخواہ ملنے پر اس کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ میں صرف
ان کا کام تھا۔ ہاں باقی ذاتی نوعیت یا نوکری کے سلسلے میں جو کام ہونے تھے وہ انہیں خود
نپٹانا پڑتے اکثر شامیں جو باہر گزرتیں کوئی نہ کوئی کام ہو ہی جاتا۔ ہاں چھٹی کا دن
مصروف ہی گزرتا۔ اس میں ایک مصروفیت دوستوں سے ملنے ملانے کی تھی۔ خاص طور

منیب سے ملنا اور اس کے ساتھ کہیں لنچ یا ڈنر کرنا ضروری ہوتا۔ کبھی اس کے ہاں بھی
چلے جاتے اور نوشی اور آنٹی کے ہاتھ کی مزے مزے کی بنی چیزیں کھانے کو ملتیں۔ تو گھر
کی یاد تازہ کر لیتے۔

آج بھی

ان کا ارادہ منیب کے ہاں جانے کا تھا۔ ناشتے کے بعد کچھ دیر اخبار دیکھی تھی۔ پھر
انیکسی کے سامنے چھوٹے سے لان میں پھرتے رہے تھے۔

نہا دھو کر کریم کلر شلوار قمیض پہنی ___ دینو سے چائے کی پیالی بنا کر لانے کو کہا۔

اور

پتہ نہیں کیوں صوفے پر بیٹھنے کی بجائے بیڈ پر لیٹ گئے

دو چھوٹے چھوٹے بیڈ رومزاور ایک کشادہ سے لونگ روم والی انیکسی ان کے رہائشی
مسئلے کو ٹھیک ٹھاک حل کئے تھی۔ مالک مکان ایک معمر جوڑا تھا۔ جن سے ان کے اچھے
تعلقات تھے۔ اس جوڑے کے تینوں بچے ملک سے باہر تھے۔ لیکن وہ اپنا ماحول اپنی فضا
اور اپنے لوگوں کو چھوڑ کر دیارِ غیر میں بسنے کو تیار نہ تھے۔ مصطفیٰ کو جب بھی کچھ لمبی
فرصت ملتی تو ان دونوں کو ضرور کمپنی دیا کرتے تھے۔

ان کا بیڈ روم کچھ اتنا بڑا نہ تھا۔ لیکن سادگی سے آراستہ ضرور تھا۔ فرش پر میٹنگ
تھی جس کے ہمرنگ پردے تھے۔ بیڈ بہت پرانا نہیں تھا۔ ایک طرف دو سیٹوں والا صوفہ
تھا۔ درمیانی میز تھی۔ بیڈ کے ساتھ سائیڈ ٹیبلز تھیں۔ جن پر پردوں کے ہمرنگ شیڈوں
والے لیمپ رکھے تھے ___ سامنے دیوار میں بہت بڑی وارڈ روب تھی۔ جس میں ان
کے ہر قسم کے کپڑے ہینگروں میں لٹک رہے تھے۔ نیچے شیلف میں جوتے تھے۔ سائیڈ
والے خانوں میں تہہ کئے ہوئے کپڑے تولئے اور چادریں بیڈ کور وغیرہ تھے۔

بیڈ روم صاف ستھرا تھا۔ دو ایک پلانٹس بھی گملوں میں پڑے تھے۔ یہ گھر انہیں
سامان سمیت کرائے میں ملا تھا۔ ضرورت کی ساری چیزیں موجود تھیں۔ اکیلے آدمی کو
ڈیکوریشن کے زیادہ جنجال پالنے کی ضرورت نہ تھی۔

ڈینو چائے کی پیالی بنا کر لے آیا۔
مصطفیٰ آنکھیں بند کئے لیٹے تھے۔ ہاں پاؤں ہلا رہے تھے۔ جس سے ڈینو کو پتہ چل گیا کہ صاحب بیزار ہیں ___ تیس پینتس سالہ صحتمند ڈینو نے ہولے سے پکارا

"صاحب چائے"

"رکھدو ___"

ڈینو نے چائے کی پیالی سائیڈ ٹیبل پر رکھدی ___

"چینی ڈالدی ہے صاحب ہلائی نہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے ہاتھ میں چھوٹی سی ٹرے لئے کھڑا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ جاؤ" مصطفیٰ نے گردن ہلکے سے موڑ کر اسے دیکھا

وہ جانے لگا تو مصطفیٰ بولے "سنو ___"

"جی صاحب" وہ پلٹ آیا

"تمہارے بیوی بچے کب آرہے ہیں"

"صاحب آنا تو تھا۔ لیکن اب"

"اب کیا"

"ابا کہتا ہے عید کے بعد خود چھوڑ جاؤں گا"

"ہوں ___ تو عید پر کراچی جانے کا تمہارا بھی پروگرام ہے شائد"

"آپ بھی تو جارہے ہیں نا صاحب ___"

"ابھی تو عید دور ہے"

"رمضان سر پر آرہا ہے صاحب ___ یہ تو گنتی کے دن ہوتے ہیں یوں گزر جائیں گے" اس نے چٹکی بجائی

تو مصطفیٰ مسکرائے تکیہ پر پھر سر سیدھا کرکے دونوں ہاتھوں پر رکھ دیا ___ ڈینو چند لمحے رکا۔ جب مصطفیٰ نے کوئی بات نہ کی تو جانے کی اجازت مانگی ___

"جاؤ" مصطفیٰ نے اسی انداز میں لیٹے لیٹے کہا

ڈینو چلا گیا ___

تو

مصطفیٰ پھر اپنے خیالوں میں کھوگئے ___ اس وقت ان کے خیالوں کی تصوراتی ڈور کراچی سے بندھی تھی۔ امی ابو کنیزہ اور مجتبیٰ سبھی کا خیال آرہا تھا ___ سوچتے سوچتے امی کی منتخب کی ہوئی ان چاروں لڑکیوں کا خیال آگیا۔ جانے کیوں انہیں جھرجھری سی آگئی ___ ان لڑکیوں کے حوالے سے آپوں آپ ثمین کی شبیہہ ذہن میں لہرانے لگی۔

اور

پھر

جو

ثمین کے متعلق سوچنا شروع کیا تو سوچتے ہی چلے گئے ___

ٹرین کے واقعے سے لے کر بسنت تک کے گزرے لمحے ذہن میں کہکشائیں بکھرتے چلے گئے ___ ثمین کے رنگارنگ موڈ ___ اس کی شوخ باتیں۔ اس کے لئے دیئے رہنے کے انداز اور اب اس کا ان سے گریز ___ مصطفیٰ کو کبھی مسرور اور کبھی انتہائی سنجیدہ بنا رہا تھا۔

اس وقت انہیں لاشعوری طور پر اک سچائی اک حقیقت کا ادراک پھر سے ہونے لگا جسے وہ مان نہیں رہے تھے ___

"یہ کیسے ہو سکتا ہے" انہوں نے اپنے آپ سے سوال کیا ___ "اک اجنبی لڑکی۔ جس سے چند ماہ کی مختصر سی جان پہچان ہے۔ جو نہ تو ان کے متعلق پوری طرح جانتی ہے۔ نہ وہ اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ کون ہے ___ اس کا پس منظر کیا ہے ___ گھریلو حالات کیا ہیں ___ اس کے نظریات کیا ہیں ___ "کچھ بھی نہ جانتے ہوئے وہ اسے اپنے اعصاب پر مسلط پا رہے تھے۔ کوشش کے باوجود بھی چھٹکارا نہ پاسکتے تھے۔ سوچے چلے جاتے تھے۔ بس سوچتے چلے جاتے تھے۔

وہ انہیں اچھی لگتی تھی ___ !!

یقیناً"

لیکن

اچھی لگنے سے مراد یہ نہ تھی۔ کہ وہ اس کے عشق میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اس سے
ٹوٹ کر محبت کرنے لگے تھے۔ اسے اپنانے کی خواہش محسوس ہوتی تھی ___

یہ سارے مفروضے وہ اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لئے گھڑ رہے تھے اور اک کچے
اور صحیح حقیقت کو جھٹلانے کے لئے کر رہے تھے۔

حالانکہ

من کے اندر پکا یقین اپنے ہونے کا احساس مسلسل دلا رہا تھا کہ وہ ثمین سے محبت
کرنے لگے ہیں ___

یہ مدوجزر جیسے جذبات اور موڈ رکھنے والی لڑکی ان کی زندگی میں بڑے وقار اور
دبدبے کے ساتھ داخل ہو چکی ہے۔

سوچوں میں الجھتے سلجھتے وہ اپنے آپ میں دو حصوں میں منقسم ہو گئے ___

ہاں اور نہ کی وہ انتہائیں کبھی قریب آجاتی تھیں۔ کبھی دور ہو جاتی تھیں ___

وہ

اسی طرح چت لیٹے چھت کو گھورے جا رہے تھے۔ چائے سائیڈ ٹیبل پر پڑی پڑی
ٹھنڈی ہو گئی تھی ___ اس کی سطح پر پپڑی سی جم گئی تھی ___

"کھوں کھوں" منیب جو کمرے میں پانچ منٹ پہلے آگیا تھا اور سرہانے کھڑا ان کو بغور
دیکھتے تنگ آگیا تھا۔ کھنکارا

"اوہ ہو" مصطفیٰ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تو جھٹ سے بیڈ میں اٹھ بیٹھے۔

"تم کب وارد ہوئے"

"تم جاگتے ہوئے بھی خواب دیکھ رہے تھے شاید" منیب مسکراتے ہوئے قدم بڑھا کر
سامنے آیا ___

مصطفیٰ بیڈ پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ چپل پاؤں میں ڈال کر اٹھنے لگے تو منیب نے ہاتھ

سے وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا "میں یہاں بیٹھتا ہوں"

وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ چھٹی ریلیکس ہو کر منانے کے لئے وہ بھی ہلکے نیلے شلوار
قمیض میں ملبوس تھا ___ نیوی بلو کوٹی بھی پہن رکھی تھی ___

"ہوں" منیب نے شوخی سے ان کی طرف دیکھا "کن سوچوں میں گم تھے"

"اں ___ میں"

"جی ہاں"

"کسی میں بھی نہیں ___ چھٹی تھی ___ آرام کرنے کو جی چاہ رہا تھا بس لیٹ
گیا"

"چائے کس لئے بنوائی تھی ___ جو پینا نہیں تھی تو ___"

"اوہ ___ چائے تو مجھے بھول ہی گئی تھی ___"

"خیالوں میں جو غرق تھے ___"

"ویسے تھا تو ___"

"کیا سوچ رہے تھے"

مصطفیٰ نے مسکرا کر شوخ نظروں سے منیب کو دیکھا اور بولے "کچھ ذاتی باتیں تھیں
جو ذہن میں مسئلہ بنی ہوئی تھیں ___"

"ہوں" منیب نے بھی شوخ اشارہ کیا "میں بھی سنوں"

"چھوڑو یار ___" مصطفیٰ نے دونوں ہاتھ آپس میں الجھاتے ہوئے کہا۔ چند لمحے
چپ رہے پھر بولے "تم کیسے آن دھمکے۔ آج تو میرا ارادہ تمہاری طرف آنے کا تھا۔"

"جس طرح تم لیٹے تھے اور جو محویت کا عالم تھا۔ اس سے تو اندازہ ہو رہا تھا۔ کہ
میری طرف آنے کی بجائے تم کسی اور جگہ ہی گئے ہوئے تھے ___" منیب نے ہنس کر
کہا ___

مصطفیٰ اس کا اشارہ سمجھتے ہوئے بھی نا سمجھ کر بولے "اور جگہ یہاں سے ہی کونسی
جہاں جانے کا میں سوچ سکتا ہوں"

"اب تم مانو نہیں تو دوسری بات ہے۔ ویسے جگہ تم نے منتخب کر ضرور لی ہوئی ہے۔ فرار چاہو تو دوسری بات ہے"

"کن معموں میں الجھا رہے ہو۔ سمجھاؤ مجھے" مصطفیٰ نے بھی قدرے شوخی سے کہا

"سمجھایا تو اسے جاتا ہے جو سمجھ نہ رہا ہو ــ تمہیں کیا سمجھاؤں۔ جو سب سمجھتے ہو"

"تمہارا اشارہ کس طرف ہے"

"بتا دوں"

"بتا دو"

"تم فیصلہ نہیں کر پا رہے"

"کیسا فیصلہ"

"اپنی تقدیر کا فیصلہ"

"یعنی"

"تم چاہتے بھی ہو اور انجان بھی بنتے ہو اسی لئے ذاتی نوعیت کے مسئلے تمہیں پریشان کر رہے ہیں ــــ"

"پہیلیاں بجھوانا شروع کر دیں"

"چھوڑو یار ــــ اتنا بنتے کیوں ہو ... جو دل میں ہے۔ اسے مان کیوں نہیں لیتے"

مصطفیٰ اسے دیکھ کر مسکرائے۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا۔ جس طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ان کی سوچیں بھی تو اسی کے گرد گھوم رہی تھیں۔ لیکن وہ کسی طور منیب کے ہاتھ نہ آنا چاہ رہے تھے۔ منیب کیا وہ تو اپنے آپ کے ہاتھ بھی آنے سے گریزاں تھے ــــ

"یاروں سے کیا پردہ مصطفیٰ" آخر منیب بولا "دوست سے شیئر نہیں کرو گے"

مصطفیٰ چونکے ــ لیکن بے نیازی سے مسکرائے "کیا شیئر کرنا ہے تم سے"

"حال دل" منیب نے سنجیدگی سے کہا

"شٹ اپ منیب" مصطفیٰ ہنس کر بولے

"سچ بتاؤ مصطفیٰ آخر کیا چکر ہے" منیب جلدی سے بولا "یہ مس سیمین ــ"

مصطفیٰ کے چہرے پر رنگ دوڑ گیا۔ لیکن ذرا سنجیدہ ہوتے ہوئے بولے "خدا کے لئے منیب ــــ سیمین میری اچھی دوست ہیں۔ ان کے متعلق ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں"

منیب قدرے جھجکا۔ لیکن پھر بولا "میں نے ان کی کوئی برائی تو نہیں کی۔ کسی کو پسند کرنا کوئی غیر اخلاقی حرکت نہیں۔ مجھے دیکھو۔ میں تو ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ میں نے ماہ نور کو پسند کر لیا ہے اور مجھے اپنی پسند پر فخر ہے۔ تم بات کو جان بوجھ کر غلط رنگ کیوں دے رہے ہو"

"اوہ منیب" مصطفیٰ زچ ہو کر بولے "تم کیا چاہتے ہو"

"تمہارا عندیہ معلوم کرنا چاہتا ہوں ــــ صاف اور سچا۔ کوئی ہیرا پھیری نہیں"

مصطفیٰ مسکرا کر بولے "کس کے متعلق"

"سیمین کے متعلق ــــ" وہ بلا جھجک بولا۔

مصطفیٰ پھر مسکرائے اور بولے "کیا تم اس کے گارڈین لگے ہو"

منیب ان کی بات پر جھلا کر چپ ہو گیا ــــ تو مصطفیٰ بیڈ سے اٹھ کر اس کے سامنے آئے اور پھر صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انگریزی میں کہا

"آل رائٹ ــــ تم اس کے بارے میں کیا پوچھنا چاہتے ہو ــــ"

منیب خاموش رہا ــــ لیکن ہونٹ بھینچے غصے سے انہیں مسلسل گھورتا رہا ــــ

مصطفیٰ ہنس پڑے "یار۔ تم تو سنجیدہ ہو گئے ــــ تمہیں کیا بتاؤں سیمین کے بارے میں۔ ابھی تو ہم دونوں اچھے دوست بھی نہیں بنے۔ نہ وہ میرے متعلق کچھ جانتی ہیں نا میں ان کے بارے میں ــــ"

"لیکن" منیب نے جلدی سے کہا "وہ تمہیں پسند تو کرتی ہے نا"

مصطفیٰ نے چونک کر اسے دیکھا اور بے قراری سے بولے "تم کیسے کہہ سکتے ہو"

"یہ بات چھپی ہوئی نہیں" منیب نے کندھے اچکائے اور بولا "تم بھی انجان نہیں بنو۔

"اوکے" مصطفیٰ سنجیدہ ہو گئے "لیکن منیب میں ابھی ابھی تو سینئر رجسٹرار بنا ہوں۔ ابھی اپنا کیریئر تو بنالوں ___ "

"اچھا"

"ہاں ___ پھر ہی کچھ سوچا جاسکتا ہے"

"سیمن کے بارے میں؟"

"ہوں"

"تب تک بے شک اسے کوئی اور حاصل کر لے؟"

مصطفیٰ نے نظر بھر کر اسے دیکھا اور بولے "وہ بھی تو ابھی ہاؤس جاب کر رہی ہے"

"تمہارے اس طرح رویے سے وہ مایوس بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے گھر والے اس کا ناطہ کہیں اور بھی طے کر سکتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ یہ سب کچھ ہو ___ تم دونوں میں کوئی کمٹ منٹ تو ہو جانی چاہئے۔ میرا مطلب ہے ___ "

منیب اپنا خیال کھل کر ان پر واضح نہ کر پا رہا تھا۔

لیکن مصطفیٰ پوری طرح اس کی بات سمجھ رہے تھے ___ پر کیا کرتے۔ خود کو دو حصوں میں بٹا ہوا جو پا رہے تھے۔ سیمن کو چاہتے بھی تھے۔ لیکن انہیں کچھ اقرار کرنے کی بھی جلدی نہ تھی ___ امی کے فیصلے درمیان میں بہت بڑی رکاوٹ بن رہے تھے ___

"چلو کوئی اور بات کرو" انہوں نے منیب کے کندھے پر ہاتھ مارا ___ "زندگی کو صرف اسی جذبے تک محدود نہیں کر لینا چاہئے"

"لیکن سچائی اور حقیقت کا اعتراف تو کر لینا چاہئے ___ وقت گزر گیا تو پچھتاؤ گے"

"یعنی تم وثوق سے کہہ رہے ہو۔ کہ سیمن کے بارے میں میں پوری طرح سنجیدہ ہوں"

"اب بنتے رہو تو تمہاری مرضی ___ یہ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ وہ تمہیں

پسند کرتی ہے"

"کس نے بتایا؟ ___ ماہ نور نے؟"

منیب نے انگلی سر سے لگاتے ہوئے کہا "اس نے"

مصطفیٰ ہنس پڑے۔

"اور کیا بتایا اس نے"

"یہی کہ تم بھی اسے دل و جان سے پسند کرتے ہو"

مصطفیٰ نے اس کی بات پر دل کھول کر قہقہہ لگایا ___ پھر اٹھتے ہوئے بولے "تمہارا دماغ گھوم رہا ہے۔ گرم گرم چائے سے ٹھکانے پر آئے گا۔ میں دینو سے کہتا ہوں چائے بنا لائے"

"بہت بری عادت ہے تمہاری"

"کونسی ___ "

دوسروں سے چھپنے کی ___ اپنے آپ سے چھپنے کی ___ مان کے نہ دینے کی ___ لیکن مجھ پر تم پوری طرح عیاں ہو چکے ___ "

مصطفیٰ ہنس پڑے ___ ان کا موڈ ان ساری باتوں کے دوران بڑا خوشگوار رہا تھا۔

لیکن کوشش یہی کرتے رہے تھے۔ کہ کوئی سرا منیب کے ہاتھ نہ آئے

یہ

دوسری بات ہے

کہ

اس سرے کو منیب کئی دنوں سے بڑی مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔

○ ○ ○

ایک ہفتہ گزر گیا۔ منیب نے پھر مصطفیٰ سے کوئی بات نہیں کی۔ نہ اسے ٹٹولا نہ کریدا ___ وہ ماہ نور کے ساتھ تبین سے بھی کئی بار ملا ___ لیکن یہ ملاقاتیں معمول کی تھیں ___ ویسے بھی ان دنوں وہ اپنے چکروں میں پڑا تھا ___ گھر میں نوشی کے رشتے کی بات چل رہی تھی ___ دونوں طرف سے پسندیدگی اور آمادگی ظاہر کر دی گئی تھی۔ اب باقاعدہ ہاں کرنے کی باتیں ہوتی تھیں۔

ہاں کی تقریب منعقد کرنے سے پہلے منیب کی امی چاہ رہی تھیں۔ کہ اس کی بات بھی پکی کر دیں۔ وجیہہ منیب کی کزن تھی۔ شروع ہی سے امی کا خیال اسے بہو بنانے کا تھا۔ ابو بھی رضا مند تھے۔ بھائی کی بیٹی جو تھی۔ اسی سال بی اے کیا تھا۔ شکل و صورت کی اچھی تھی۔ سوشل اور ماڈرن بھی تھی۔ گھر کے کام کاج میں بھی بہت دلچسپی لیتی تھی۔ بی اے کا امتحان دے کر فارغ ہوئی تو ککنگ کلاسز میں داخلہ لے لیا ___ مشرقی مغربی کھانے بنانے سیکھے۔ بیکنگ بھی سیکھ لی۔ خاصی سگھڑ اور سیانی لڑکی تھی۔ مالدار باپ کی بیٹی بھی تھی۔ بس ایک خرابی تھی۔ کہ مزاج میں غرور کا عنصر بھی شامل تھا۔ اپنے سے کم حیثیت کے لوگوں سے بات کرنا بھی پسند نہ کرتی ___ اس زد میں صرف نوکر چاکر ہی نہیں بلکہ غریب رشتہ دار بھی آتے تھے ___

اور

منیب کو شروع ہی سے اس لڑکی سے اسی وجہ سے چڑ آتی تھی ___ اس کے اونچے اونچے افکار و نظریات جن سے دکھاوے اور بڑے پن کا احساس دلانے کی بو آتی تھی۔ اسے کبھی بھی پسند نہ آئے تھے ___ نوشی کی بھی اسی وجہ سے اس کے ساتھ نہ بنتی تھی ___ دونوں کی سوچوں میں فرق جو تھا ___

اپنی طرف سے تو امی ابو نے یہ رشتہ طے کر لیا تھا ___

لیکن

جب ان کے سنجیدہ ہونے کا نوشی کو پتہ چلا۔ تو اس نے امی سے کہا "امی آپ نے بھائی جان کی مرضی معلوم کر لی ___"

امی مسکرا کر بولیں "کرلوں گی۔ ویسے میرا نہیں خیال کہ یہ وجیہہ کو وہ پسند نہ کرے"

نوشی سنجیدگی سے بولی "امی ادھر پسند والی کوئی بات نہیں"

"کیوں" امی نے متعجب ہو کر کہا "کیا کمی ہے اس میں۔"

"یہ تو مجھے پتہ نہیں۔ لیکن یہ ضرور پتہ ہے۔ کہ بھائی جان وجیہہ سے شادی نہیں کریں گے"

"آخر کیوں"

"ان سے پوچھ لیں"

امی چند لمحوں کے لئے چپ ہو گئیں ___ پھر بولیں "اچھا ___ میں خود اس سے بات کروں گی"

"امی" نوشی کچھ جھجکتے ہوئے بولی۔

"ہوں"

"امی بھائی جان کو اپنے ہوسپٹل کی ڈاکٹر ماہ نور پسند ہے اور وہ شادی بھی اسی سے کریں گے"

"کون ماہ نور" امی نے جلدی سے پوچھا

"وہ جو بسنت کے دن ہمارے ہاں آئی تھیں"

"وہ ڈاکٹر ہیں ___"

"ان میں سے جو زیادہ گوری چٹی تھیں نا۔ سیاہ بالوں اور سیاہ آنکھوں والی۔ بڑی پیاری سی ___ جس نے مقیش بھرا پیلا کرتا پہنا ہوا تھا ___"

امی نے سرہلایا اور نخوت سے بولیں "تو گویا رومانس چلا رہا ہے صاحبزادے کا۔"

نوشی ڈر گئی۔ جھٹ سے بولی "نہیں امی۔ بس وہ انہیں پسند ہے اور وہ ہے بھی اچھی۔ ڈاکٹر بھی تو ہے ___ بھائی جان ڈاکٹر ہیں ___ ڈاکٹر بیوی ہی پسند کریں گے۔

امی نے تیوری چڑھائی

لیکن

کچھ سوچ میں پڑ گئیں۔ بلاشبہ گھر میں ان کی حکمرانی تھی۔ ہر کام ان کی مرضی ہوتا تھا۔ ابو بے چارے تو ان کی کسی بات کے خلاف بول ہی نہ سکتے تھے۔ لیکن منیب بات اور تھی ___ وہ اب بچہ نہیں تھا۔ جو اس کا کان پکڑ کر اپنی بات منوا لینا سہل ہ ___ اکتیس بتیس سال کا جوان آدمی تھا ___ اپنے پیروں پر کھڑا تھا ___ من مانی چاہتا تو اسے روکنا مشکل تھا۔

پھر بھی

پسند کا ٹکراؤ پیدا ہو گیا ___ امی بیٹے کا رشتہ اپنے تئیں طے کر چکی تھیں ___ اب پتہ چلا تھا۔ کہ منیب کے ارادے کچھ اور ہیں۔ وہ ایک ایسی لڑکی میں دلچسپی لے رہا ہے۔ جسے انہوں نے اچھی طرح دیکھا تک نہیں۔ جس کے بارے میں وہ کچھ جانتی نہیں۔ جس کے خاندانی پس منظر کا انہیں کچھ پتہ تک نہیں۔

نوشی تو مزید کوئی اور بات بتائے وہاں سے اٹھ گئی۔ لیکن امی وہیں صوفے پر بیٹھی رہیں۔ خیالوں کے تانے بانے بنتی رہیں۔ دونوں لڑکیوں کے متعلق سوچتی رہیں۔ ماہ نور کا رشتہ انہیں کسی طور پسند نہ تھا۔ صرف یہ بات اس کے حق میں جاتی تھی۔ کہ وہ ڈاکٹر تھی اور چونکہ منیب خود بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لئے اگر وہ ڈاکٹر ہی سے شادی کرنے پر اصرار کرے۔ تو بڑی حد تک حق بجانب ہو گا ___

لیکن

یہ بات بھی تھی۔ کہ امی کو کام کرنے والی عورتیں قطعاً پسند نہ تھیں ___ عورت چاہے کتنی ماڈ ہو فیشن ایبل ہو۔ سوشل ہو۔ لیکن اس کا گھریلو ہونا ضروری ہے

نوکری پیشہ عورت کا گھر ضرور متاثر ہوتا ہے اور چونکہ وہ خود کماتی ہے۔ اس لئے اس میں بہت حد تک خود اعتمادی بھی آ جاتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو مرد کا دست نگر نہیں سمجھتی۔ اس لئے مرد سے دب کر بھی نہیں رہتی۔ اپنے آپ کو اس کے برابر کا سمجھتی ہے۔ یہ رویہ گھر گرہستی کے لئے درست نہیں ہوتا۔

وجیہہ کا رشتہ جو وہ تقریباً طے کر چکی تھیں۔ ڈول گیا۔ اب بیٹے کے ساتھ اس سلسلے میں تکرار کے پہلو نکل آئے تھے۔ اس لئے جب تک وہ منیب کو راضی یا مغلوب نہ کر لیتیں رشتے کی مانگ کرنا حماقت تھی۔

انہوں نے زیادہ دیر انتظار کرنا مناسب ہی خیال نہ کیا۔ رات کھانے کے بعد منیب سے اس بارے میں بات کرنا ضروری سمجھا۔ منیب کے ابو شعیب صاحب اپنے بیڈ روم میں چلے گئے

تو

امی نے منیب کو ڈرائنگ روم میں بلایا ___ نوکر سے قہوہ بنا کر لانے کو کہا اور نوشی کو منیب کو بلا لانے کا کہا ___

منیب اور نوشی دونوں آ گئے۔ وہ درمیانی صوفے پر بیٹھی تھیں ___ ان کے ہاتھ میں کوئی رسالہ تھا ___

منیب کی اس طرح طلبی کبھی نہ ہوئی تھی۔ وہ کچھ حیران بھی تھا۔ نوشی نے بھی تو کوئی بات نہ بتائی تھی ___

"خیریت؟" وہ امی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"بیٹھو" امی نے رسالے سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"امی میں جاؤں" نوشی نے پوچھا

"ہوں"

نوشی چلی گئی۔ منیب ماں کے برابر بیٹھ گیا ___ چند منٹوں بعد ہی ملازم قہوے کی ٹرے لے آیا ___ جسے اس نے بیگم صاحبہ کے سامنے والی میز پر رکھ دیا ___

"بس جاؤ میں خود لے لوں گی" اس نے رسالہ میز کے کنارے پر رکھتے ہوئے کہا
منیب نے ایک سرسری سی نگاہ قہوے کی خوبصورت نازک پیالیوں پر ڈالی۔ پھر ماں
طرف دیکھ کر بولا "قہوہ ابو نہیں پئیں گے"

"نہیں۔ یہ میرے اور تمہارے لئے ہے" امی نے کہا

"آج ڈرائنگ روم میں قہوہ پینے کا پروگرام کیونکر بنا"

"بس جی چاہا ــــ"

"نہیں امی ــــ"

"تو ــــ"

"کوئی بات ہے ضرور ــــ"

"ہوں"

"کہیں آپ نوشی کے رشتے کے متعلق ــــ"

اس نے نفی میں سرہلاتے ہوئے اس کی بات کاٹی "نوشی نہیں تمہارے رشتے کے
متعلق کچھ کہنا ہے"

"اوہ ــــ اچھا" منیب مسکرایا ــــ

"منیب" امی نے نفیس چینک سے قہوہ پیالی میں انڈیلا۔ سنہری رنگت کے قہوے
سے اٹھتی الائچیوں کی خوشبو پھیل گئی ــــ

انہوں نے ایک پیالی اپنے سامنے رکھی۔ دوسری منیب کے آگے کردی۔

دونوں ہولے ہولے قہوے کے سپ لینے لگے ــــ

خوشبودار سنہری قہوہ منیب کو بہت پسند تھا ــــ

"اعظم قہوہ بنانے میں ماہر ہوگیا ہے" منیب نے پیالی لبوں سے لگاتے ہوئے نوکر کی
تعریف کی

"ہاں" وہ بولیں۔ "میں نے اسے سکھانے میں بڑی محنت کی ہے"

"اوہ امی ــــ آپ کی کیا بات ــــ لاجواب ہیں آپ تو" منیب نے ماں کے چہرے

کی سنجیدگی بھانپ کر انہیں بہلانے کو کہا ــــ

لیکن

وہ بدستور سنجیدہ تھیں ــــ

امی نے دوسری بار خالی پیالوں میں قہوہ ڈالا ــــ تو منیب نے مسکرا کر کہا "آپ
میرے رشتے کے متعلق کچھ کہنے والی تھیں ــــ"

"ہاں"

"میرا خیال ہے پہلے نوشی سے فارغ ہو جائیں تو اچھا ہے"

"وہ تو ہو ہی گئی ہوں ــــ اب وہ لوگ باقاعدہ رشتہ لے کر آنے والے ہیں۔
آئیں گے تو ہم ہاں کردیں گے"

"بہت اچھے لوگوں میں نوشی جارہی ہے ــــ لڑکا تو بہت ہی نفیس ہے ــــ جاب
بھی اتنی اچھی ہے"

"ہاں۔ رشتہ کرتے وقت یہ سب کچھ دیکھنا پڑتا ہے ــــ"

امی پھر قہوہ پینے لگیں۔ اب منیب کو الجھن سی ہو رہی تھی۔ لیکن بولا کچھ نہیں۔
دزدیدہ نظروں سے ماں کو دیکھتے ہوئے قہوہ پیتا رہا۔ جان ضرور گیا۔ کہ بات کوئی سنجیدہ سی
ہے۔

"منیب" امی پیالی واپس پلیٹ میں رکھتے ہوئے بولی

"جی" اس نے مودبانہ جواب دیا۔

"میں نوشی کے ساتھ تمہارے رشتے کے فرض سے بھی سبکدوش ہونا چاہتی ہوں"

منیب ہنس کر بولا "صرف رشتے کے فرض سے؟ شادی کے فرض سے بھی سبکدوش
ہو جائیں نا"

ماں نے اس کی طرف دیکھا اور بولیں "پہلے رشتہ طے ہوگا۔ تو شادی ہوگی نا"

"یہ تو ہے"

"ہاں تو میں نے تمہارے لئے لڑکی پسند کرلی ہے"

منیب اب سنجیدہ ہو کر بولا "میری پسند معلوم کئے بغیر۔ امی میری اور آپ کی ایک سی نہ ہوئی تو ___"

"تو بھی تمہیں میری پسند کو فوقیت دینا ہوگی"

"امی!!"

"وجیہہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے"

منیب نے چونک کر قدرے حیرت زدہ نظروں سے ماں کو دیکھا اور بولا "وہ سر مغرور لڑکی"

"منیب" امی کی آواز میں ڈانٹ تھی۔

"وجیہہ اچھی لڑکی ہوگی ___ لیکن میں اسے کزن کے سوا اور کچھ نہیں ___"

"میں نے _ اسے تمہارے لئے _ پسند کیا ہے اور ظاہر ہے وہ تمہارے کی بھتیجی ہے اس لئے انہیں بھی پسند ہے"

امی وجیہہ کی صفات گنوانے لگیں۔ تو منیب ان کی باتیں ان سنی کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوگیا اس کے چہرے پر لوئیں دیتے روشن چراغ گل ہو گئے تھے۔

"بیٹھو ___ کھل کر بات کرو" ماں نے دھمکی سی آواز میں کہا۔

"میں نے کوئی بات نہیں کرنی" وہ بولا ___

"اس ڈاکٹر کے متعلق بھی نہیں کروگے۔ جو آجکل تمہارے قریب ہو رہی ہے" نے طنز سے کہا ___ تو منیب نے حیرانگی سے ماں کو دیکھ کر کہا "ماہ نور کے متعلق آپ کو کس نے بتایا"

"کسی نے بھی ___ تم مجھے بتاؤ ___ تم اس کے متعلق کیا جانتے ہو"

"وہ ڈاکٹر ہے اور بہت اچھی لڑکی ہے"

"بس؟"

"تو اور؟"

"وہ کون ہے ___ کس کی بیٹی ہے۔ کس خاندان کی ہے؟ پس منظر کیسا ہے؟"

امی نے ایک ہی سانس میں کئی سوال داغ دیئے۔ تو منیب کچھ بوکھلا سا گیا۔ اسے تو صرف یہی پتہ تھا۔ کہ ماہ نور ڈاکٹر ہے۔ سمارٹ ہے اور اسے پسند ہے۔ اس نے تو اس کے باپ کے کام اور نام کے متعلق بھی کبھی نہیں پوچھا تھا ___ خاندان کونسا تھا اور پس منظر کیسا تھا۔ اسے کیا پتہ! پسند تو ان حدود و قیود سے آزاد ہوتی ہے۔ وہ امی کی کسی بات کا جواب نہ دے سکا۔

"بتاؤ نا" امی نے پھر سختی سے پوچھا تو وہ آہستگی سے بولا "میں کچھ نہیں جانتا۔ صرف اتنا پتہ ہے کہ ماہ نور بہت اچھی لڑکی ہے"

"شادی کے لئے اتنا ہی جاننا کافی نہیں ہوتا"

"شادی لڑکی سے کرنا ہوتی ہے امی۔ وہ معیار پر پوری اترتی ہو تو سب ٹھیک ہوتا ہے ___ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ ماہ نور ایک اچھی شریک حیات ثابت ہو سکتی ہے"

"تم نے اسے کس معیار پر پرکھا ہے" ڈاکٹری اور خوبصورتی کے معیار پر ___ زندگی کے اور بھی تقاضے ہوتے ہیں ___ سب سے بڑا تقاضا عورت کا گھریلو ہونا ہوتا ہے۔ جو ایک کام کرنے والی عورت کبھی پورا نہیں کر سکتی ___"

"میں نہیں جانتا وہ گھریلو ہے یا نہیں۔ لیکن میں ڈاکٹر ہوں اور مجھے صرف اور صرف ڈاکٹر بیوی چاہئے ___"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا ___ امی بھی اٹھ کھڑی ہوئیں ___ کھڑے کھڑے دونوں میں اس موضوع پر بحث ہوتی رہی ___

نہ تو امی نے اس کی پسند پر اثباتی مہرلگائی اور نہ ہی منیب نے ماں کی پسند کو پسند کرنے کی حامی بھری ___ بحث اچھے خاصے جھگڑے کی صورت اختیار کرنے لگی۔ تو منیب نے وہاں سے ٹل جانا ہی مناسب سمجھا ___

وہ ماں کو خدا حافظ کے رسمی سے الفاظ کہہ کر کمرے سے نکل گیا ___ امی غصے سے

پاؤں پٹختی چند منٹ کمرے میں ٹہلتی رہی ـــ پھر وہ بھی کمرے سے نکل گئی۔
بات سلجھنے کی بجائے الجھتی گئی۔

روز ہی اس بات پر تکرار اور بحث ہونے لگی۔ کبھی امی کا پارہ چڑھ جاتا ـــ
اپنے کو قابو میں کر بیٹھتیں ـــ

غصہ تو انہیں اس بات پر آتا۔ کہ نوشی بھی ماہ نور کی طرفداری کر رہی تھی۔ ا
بھی یہ ڈاکٹر لڑکی بہت اچھی لگی تھی۔ وجیہہ سے اس کی ویسے بھی نہ بنتی تھی اور وہ
بھی جانتی تھی۔ کہ منیب اور وجیہہ مزاجی لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مزاجوں
اتنی واضح ضد ازدواجی زندگی پر بری طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ جونہی شادی کے بعد جذبا
جوشیلے جذبے ٹھنڈے پڑتے ہیں۔ یہ ضد اپنی خوفناکی کے ساتھ ابھر آتی ہے اور شادی
خوشیوں اور تقدسوں کو پامال کر دیتی ہے ـــ ازدواجی زندگی کے مقاصد فرائض او
تقاضے الجھ جاتے ہیں۔ بیزاری جنم لیتی ہے اور دونوں فریق ناساعد حالات سے تنگ آ
ہتھوں سے اکھڑ جاتے ہیں۔ شادی طلاق یا علیحدگی پر منتج بھلے نہ ہو۔ پھر بھی حقیقی خوشیو
سے محروم ضرور ہو جاتی ہے۔

نوشی جب بھی بھائی کی طرفداری میں بولتی امی سے ڈانٹ کھاتی۔ ماں اپنی ضد پ
اڑی جارہی تھی اور یہ وہ اپنا مادرانہ حق سمجھتی تھیں۔ منیب میچور آدمی تھا لیکن ماں ک
اب تک اس کے فیصلوں پر اعتماد نہ تھا۔

بات بڑھی

تو

شعیب صاحب تک بھی پہنچی۔ وہ بھی بھتیجی کو منیب کے لئے پسند کرتے تھے۔ اپ
خون تھا۔ بھائی بھابی سے مراسم بھی بہت اچھے تھے۔ اس معاملے کو انہوں نے بیوی کی
طرح انا کا مسئلہ تو نہیں بنایا۔ پھر بھی وجیہہ کے معاملے میں بیوی کا ساتھ ضرور دیا۔

انہوں نے اکیلے میں بھی منیب کو سمجھایا ـــ سختی نہیں کی۔ بڑے دوستانہ انداز
میں اونچ نیچ سمجھائی۔ جب انہوں نے بھی ماہ نور کے والد اور خاندان کا پوچھا تو منیب نے

جواب دیا۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ میں ماہ نور سے پوچھ کر آپ کو بتا دوں گا۔ حالانکہ
میرے لئے یہ باتیں اتنی اہم نہیں ہیں ـــ "

شعیب صاحب نے اپنی بات پر کچھ زیادہ نہیں زور دیا۔ جس سے منیب کو کچھ تسلی
بھی ہوئی۔ وہ جان گیا۔ کہ تھوڑی سی کوشش کر کے وہ باپ کو اپنا ہمنوا بنا لے گا۔

لیکن اس کے لئے وقت درکار ہو گا۔ انہیں ہر طرح سے مطمئن کرنے کے لئے اسے
ماہ نور کے خاندان وغیرہ کے متعلق پوری معلومات حاصل کرنا ہوں گی۔ ماں باپ کے
متعلق جاننا ہو گا۔ باپ کے رضامند ہونے کی صورت میں امی کو راہ ر ت پر لانا قدرے
آسان ضرور ہو جائے گا۔

منیب کشش و پیچ میں پڑ گیا۔ دن رات ذہن سوچوں کے احاطہ میں محصور رہنے لگا۔"

وہ اپنے ہی چکروں میں پڑ گیا۔ ماہ نور سے اپنی پریشانیاں چھپانے کی کوشش کرتا ـــ
وہ نہیں چاہتا تھا۔ کہ اس کے ساتھ وہ بھی کسی تشویش میں مبتلا ہو جائے۔ اس نے ماہ نور
کے ساتھ زیادہ وقت گزارنا بھی کچھ دنوں کے لئے چھوڑ دیا۔ وہ شکایت کرتی تو کام کی
زیادتی کا بہانہ بنا دیتا۔

اور

جب ماہ نور ہی سے اس نے ملنا جلنا کم کر دیا

تو

مصطفیٰ اور ثمین

کے معاملے میں دخیل ہونے کی بھی اسے فرصت کہاں تھی۔ جب تک اس کی اپنی
زندگی کا محاذ سر نہ ہو جاتا اسے کسی اور کے بارے میں سوچنے اور جاننے کی مہلت ہی
کہاں تھی۔

ہاں وہ یہ ضرور محسوس کر رہا تھا۔ کہ ثمین مصطفیٰ سے دور ہوتی جارہی ہے۔ وہ
اسے دانستہ نظر انداز کرتی ہے۔ لگتا تھا اس نے ساتھ ساتھ چلتی راہیں از خود جدا کر لی
تھیں۔ وہ مضبوط قوت ارادی کی لڑکی تھی۔ جن گھریلو حالات میں جی رہی تھی۔ یہ اسکی

قوت ارادی ہی کا کرشمہ تھا۔ جب وہ پورے خاندان سے کٹ کر جی سکتی تھی۔ اپنے آپ کو سنبھال سکتی تھی۔ تو پھر اک ایسے آدمی سے جو اس کے خیال میں اس کی طرف راغب ہی نہیں تھا۔ اس کا بننا ہی نہیں چاہتا تھا ___ تو پھر اس کے بغیر وہ اپنی زندگی کا لائحہ عمل خود بنا سکتی تھی ___ سو اس نے بنالیا تھا۔ اس نے مصطفیٰ کی طرف اپنے بڑھتے قدم روک لئے تھے۔ جب انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اس کی طرف بڑھنے کا کوئی عندیہ ارادہ نہیں تھا۔

تو

پھر

وہ کیوں اپنے آپ کو اتنا ارزاں کرے۔ ان کی طرف مقناطیسی کشش سے بڑھتی چلی جائے۔ وہ اسے نظر انداز کرتے رہیں اور یہ انہیں اپنے اندر اتارے چلی جائے۔

نہیں

اس نے فیصلہ کرلیا۔ کہ وہ ایسا نہیں کرے گی

اس فیصلے نے اسے ہمت بخشی۔ تقویت دی اور وہ جو کافی دنوں سے الجھی الجھی اور اپنے آپ سے روٹھی روٹھی رہتی تھی۔ زندگی کی راہوں پر پھر سے گامزن ہوگئی۔ اپنے آپ کو پہلے سے معمولات میں ڈھال لیا۔

اب وہ خاصی مطمئن رہنے لگی تھی۔

○ ○ ○

عاصمہ پھپھو کے ہاں دعوت تھی۔ طیب کی شادی کی تیاریاں تو جب سے منگنی ہوئی تھی۔ ہو رہی تھیں۔ اب شادی کی تاریخ مقرر ہونا تھی۔ لڑکی والوں سے اس سلسلہ میں بات ہو چکی تھی۔ دونوں فریق شادی کی مجوزہ تاریخ پر متفق تھے۔ لیکن اب عاصمہ نے باقاعدہ طور پر اپنے سب قریبی عزیزوں کو بلایا تھا۔ تاریخ کے متعلق سب کی رائے لے کر حتمی فیصلہ کرنا تھا۔ پھر تاریخ طے کرنے کی رسم ادا کرنے خاندان کے چیدہ چیدہ لوگوں کو لے کر لڑکی والوں کے ہاں جانا تھا۔

خاندان کے چیدہ چیدہ لوگ جن میں تائی اور تایا جان سرفہرست تھے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ گپ شپ ہو رہی تھی ___ مہندی بارات اور ولیمے کی جو تاریخیں عاصمہ اور اس کے میاں نے طے کی تھیں۔ سب نے ان سے اتفاق کیا تھا۔ برادری میں دو ایک اور بھی شادیاں ہو رہی تھیں۔ اس لئے خیال رکھا گیا تھا۔ کہ تاریخوں کا ان سے ٹکراؤ نہ ہو ___

اسی لئے سب ان سے متفق تھے ___

خاندان کے لڑکے لڑکیاں بھی ایک کمرے میں جمع تھے۔ آج تو ببین بھی وقت پر آگئی تھی ___ اس نے بہت خوبصورت لباس پہن رکھا تھا۔ طیب بھائی سے ویسے بھی اس کی دوستی تھی۔ اس لئے ان کی خوشی میں وہ خوشدلی سے حصہ لینا چاہتی تھی۔ حالانکہ آج منیب نے اسے بھی ماہ نور کے ساتھ لنچ کے لئے مدعو کیا تھا۔ لیکن اس نے معذرت کر دی تھی۔ ایک تو اس لئے کہ وہ طیب بھائی کے ہاں فنکشن میں ضرور آنا چاہتی تھی۔

دوسرے

اسے پتہ تھا کہ لنچ پر منیب نے مصطفیٰ کو بھی مدعو کیا ہوگا۔

اور

وہ کسی طور ایسی جگہ نہ جانا چاہتی تھی۔ جہاں مصطفیٰ کے ہونے کا امکان ہو۔

طیب طلحہ صبیحہ ثمن اسماعیل اور نذر وغیرہ سے گپ شپ لگاتے ہوئے وہ بہت خوش تھی۔ سب ہی مسرور اور شاداں تھے۔ شادی کے پروگرام بن رہے تھے۔ مہندی کا فنکشن تو بڑے دھوم دھڑکے سے منانے کی باتیں ہو رہی تھیں۔ خاندان کے پہلے لڑکے کی شادی جو تھی۔

"سبین ___" باتوں کے دوران طیب نے سبین کو مخاطب کیا

"جی" وہ اس کی طرف متوجہ ہوگئی

"تمہیں شادی کی تاریخیں سوٹ کرتی ہیں نا"

"بالکل" سبین نے مسکرا کر کہا ___ "آپ کی شادی کی تو جو بھی تاریخ طے ہوتی مجھے سوٹ کرتی ___ ویسے اچھا ہی ہوا جو یہ تاریخیں مہینے کی آخر کی ہیں ___"

"کیوں" طلحہ نے جلدی سے پوچھا "مہینے کے شروع کی ہوتیں تب کیا تھا"

"ٹکراؤ ہو جاتا" سبین مسکرائی۔

"کس سے" ثمن نے جلدی سے کہا

"ان کا اپنا کوئی پروگرام ہوگا" اسماعیل قدرے ناراضگی سے بولا۔

طلحہ نے سر ہلایا اور بولا "وہ تو ہمیشہ ہی ہوتا ہے"

"واقعی" طیب بولے "میری منگنی پر یہ کراچی سدھار گئی تھیں"

"اور میری منگیتر کو جب سب دیکھنے جا رہے تھے۔ ان کی اپنی کوئی تقریب تھی" طلحہ نے گلہ کیا۔

سب سبین کے اچانک بننے والے پروگراموں کی باتیں کرتے ہوئے شاکی انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔

وہ صرف مسکرائے جانے پر اکتفا کئے تھی۔ خوش تھی۔ کہ ایسی تقریبات میں اس کی عدم موجودگی کو کم از کم اس کے کزن تو محسوس کرتے ہیں۔

"اگر میری شادی میں شریک نہ ہونے کا تم کوئی بہانہ بناتیں نا۔ تو میں تم سے ساری عمر بھی نہ بولتا" طیب نے ناراضگی ظاہر کی۔

"طیب بھائی" وہ بولی "میں نے کہا نا۔ کہ شکر ہے تاریخوں کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا۔ مہینے کے شروع میں ___"

"کیوں مہینے کے شروع میں کیا پروگرام ہے" ثمن نے پوچھا

"ہمارا گروپ مری جا رہا ہے" سبین نے اطمینان سے جواب دیا۔

"مری" تقریباً سبھی بولے۔

"ہاں" اس نے جواب دیا۔

"کتنے دن کے لئے"

"صرف ایک دن کے لئے۔ یہاں سے رات کو کوچ لیں گے صبح مری پہنچیں گے۔ دوپہر تک گھومیں پھریں گے لنچ بھوربن کے پی سی میں کرکے واپس مری لوٹ آئیں گے۔"

رات تک وہیں سیر سپاٹا ہوگا اور پھر واپس ___ صبح لاہور پہنچ جائیں گے" اس نے اپنا پروگرام بتایا ___

"کتنے لوگ جا رہے ہو" طلحہ نے کچھ ناگواری سے اسے دیکھا

"آٹھ دس ___" وہ بولی۔

"لڑکے لڑکیاں" ثمن نے آہستگی سے کہا

"ہاں" سبین اعتماد سے بولی۔ "ہمارا گروپ لڑکے لڑکیوں پر مشتمل ہے"

"سب ڈاکٹر ہیں" صبیحہ نے کہا

"نہیں مریم اور عائشہ ڈاکٹر نہیں ہیں ___"

"میں ان سے مل چکی ہوں" ثمن بولی۔

"اکثر میرے ہاں آئی ہوتی ہیں" سبین نے کہا۔ "تائی اور پھپھو بھی ملی ہوئی ہیں ان سے ___ بہت اچھی لڑکیاں ہیں ___"

"جی ہاں" طیب ناگواری سے بولے "تمہارا سارا گروپ بہت اچھا ہے"

"طیب بھائی" بیین نے منہ بنایا "اتنے طنز کی کیا ضرورت ہے۔ کیا خرابی ہے ہمارے گروپ میں ___"

"سب مادر پدر آزاد ہیں۔" طلحہ نے بے جھجک کہا۔

بیین کو طلحہ کی بات اچھی نہیں لگی۔ بولی "مادر پدر آزاد آپ مجھے تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ میرے ماں باپ ہیں ہی نہیں ___ باقیوں کے متعلق یہ کہنا زیب نہیں دیتا۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں اپنے ماں باپ کی اجازت سے کرتے ہیں ___"

طلحہ چپ ہو گیا۔

بیین کے لہجے کی تلخی سب نے محسوس کی۔ کوئی بھی نہیں چاہتا تھا کہ خوشی کے اس موقع پر کوئی بدمزگی ہو۔ اس لئے طیب نے باتوں کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔

"ہاں تو ثمن ذرا امی سے جا کر پوچھو آج کھانا ملے گا یا نہیں ___"

"جاتی ہوں۔ میرا خیال ہے کھانا لگ چکا ہے"

وہ اٹھی ہی تھی۔ کہ ملازم نے دروازے سے اندر جھانک کر کہا "آیئے جی بیگم صاحب کھانے کے لئے بلا رہی ہیں ___"

"سخت بھوک لگ رہی ہے" طیب نے کہا۔

"وقت بھی تو کافی ہو گیا ہے" نذر بولا۔

"چلو جلدی قدم اٹھاؤ" طیب نے سب سے کہا۔ بیین سب سے پیچھے تھی۔

طلحہ اس کے ساتھ ساتھ قدم اٹھا رہا تھا ___ بیین کچھ چپ چپ ہو گئی تھی۔ اس لئے طلحہ نے پوچھا "بیین میری بات کا برا تو نہیں منایا"

بیین نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور بولی "یہ کوئی نئی بات تو نہیں تھی۔ برا مانوں گی بھی تو کسی کا کیا جائے گا۔ جی اپنا ہی جلے گا"

"سوری بیین۔" طلحہ متاسف تھا۔

"کوئی بات نہیں" بیین آگے بڑھ گئی ___

کھانا بڑا شاندار اور پر تکلف تھا۔ تائی یا پھپھو کے ہاں جب بھی ہفتے وار کھانا ہوتا۔ پر تکلف ہی ہوتا تھا۔ آج تو خاص تقریب بھی تھی۔ اس لئے اہتمام کچھ زیادہ ہی کیا ہوا تھا۔

لوگ زیادہ تھے۔ کھانا تو ڈائننگ ٹیبل پر ہی چنا گیا تھا۔ لیکن لاؤنج اور کھانے کے کمرے کا درمیانی بڑا سا چوبی دروازہ بھی کھول دیا گیا تھا۔ بڑے بزرگ تو میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں اور بچے اپنی اپنی پلیٹوں میں کھانا لے کر لاؤنج میں آ گئے۔ خوشگوار ماحول اور خوش گپیوں میں کھانا کھایا گیا۔

کھانے کے بعد قہوے کا دور چلا ___ باتیں بھی ہوتی رہیں۔ جانے کس نے بیین کے مری کے پروگرام کی بات بھی بڑوں تک پہنچا دی۔ بیین کھانے کے بعد تھوڑی دیر رکی پھر گھر واپس چلی گئی۔

تو

اس کے مری کے پروگرام پر خوب ہی لے دے ہوئی۔ حسب عادت باتیں بنیں۔ لعن طعن کی گئی ___ پیٹھ پیچھے اس کی برائیاں کرنے کی تو اس خاندان کی عادت تھی

___

لیکن

اسے نہ تو کبھی کوئی منع کرتا تھا

نہ ہی روکتا ٹوکتا تھا ___

بیین کا دل اسی بات سے تو جلتا تھا۔

لیکن اب وہ ان ساری باتوں کی عادی ہو چکی تھی۔ لاشعوری طور پر وہ خاندان والوں سے ان کی سرد مہری اور بے رخی کا یوں انتقام لیا کرتی تھی۔ نت نئے پروگرام بنانا اسی لئے اچھا لگتا تھا۔

مری کا پروگرام بھی اس نے بنایا تھا۔ ایک دن کینٹین میں وہ ذکی عمیر اسد اور ماہ نور کے ساتھ بیٹھی چائے پی رہی تھی کہ مری کا ذکر چھڑ گیا۔ عمیر کے چچا زاد بھائی اور ان کے

دوست مری گھوم پھر کر آئے تھے۔ مارچ کے مہینے میں مری کے خاموش حسن کی تعریفیں
اس انداز میں کی تھی کہ اس کا جی بھی بیساختہ چاہا تھا مری جانے کو ــــ

چائے پیتے ہوئے عمیر نے ان کے مری کے خوشگوار ٹرپ کی بات کی۔ تو ثمین جھٹ
سے بولی "چلو ہم بھی چلتے ہیں ــــ"

"واقعی چلتے ہیں ــــ" عمیر نے پیالی واپس رکھتے ہوئے کہا "آج کل وہاں کا موسم
بڑا ہی دلفریب ہے"

"ٹھنڈ ہوگی" ماہ نور بولی۔

"ٹھنڈ ہی میں تو جانے کا مزہ ہے" ذکی بولا۔

"یار ابھی تو یہاں ہی اتنی ٹھنڈ ہے۔ وہاں تو قلفی جم جائے گی" اسد نے کہا۔

"تو تم نہ جاؤ ــــ" عمیر نے کہا۔

"بارش نہ ہو تو مزہ رہے گا۔ بڑی نکھری ہوئی چمکیلی دھوپ ہوتی ہے ان دنوں" ماہ
نور نے کہا۔

"پہلے پروگرام تو بناؤ" ثمین نے کہا۔ "اگر جانا ہے تو موسم جیسا بھی ہو جائیں گے"

"ٹھیک ہے" ذکی بولا۔

پھر سب پروگرام بنانے لگے تھے۔

پروگرام جلد ہی بن گیا۔ آٹھ دس لڑکے اور لڑکیاں تیار ہو گئے۔ عائشہ اور مریم کو
ثمین نے جانے کے لئے رضامند کرلیا۔ سب خوشی خوشی تیاریوں میں لگ گئے ــــ

اس پروگرام کا جب اور ساتھی ڈاکٹروں کو پتہ چلا۔ تو وہ بھی جانے کے لئے تیار
ہوگئے "جس کی مرضی ہے جائے ــــ" ثمین نے سب سے کہا "ہمیں کیا فرق پڑتا
ہے۔ چاہے پوری بس ہی ہم جیسے ہاؤس جاب کرنے والے ڈاکٹرز بھر کر جائے۔ اپنا اپنا
خرچہ اپنی اپنی ذمہ داری ــــ"

"ٹھیک ہے" سب نے تائید کی۔

یوں ثمین وغیرہ کے اپنے گروپ کے علاوہ بھی کچھ لڑکے لڑکیاں جانے کو تیار

ہوگئے۔ پروگرام یہی طے پایا کہ دونوں راتیں سفر میں گزاری جائیں اور دن مری میں۔ لنچ
سب ہی نے بھوربن میں کرنے کا فیصلہ کیا۔

ماہ نور اس پروگرام سے خوش تو تھی۔ لیکن اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اس ٹرپ میں
منیب بھی ساتھ ہو ــــ چنانچہ اس نے ثمین سے کہا۔ "ایک بات کہوں ثمین ــــ"

"کیا"

"ہم لوگ مری جارہے ہیں نا"

"ہاں"

"کیا اچھا ہو جو کچھ اور لوگوں کو بھی دعوت دی جائے"

"اور لوگوں کو؟"

"ہاں" ماہ نور نے شوخ سی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

"تمہارا مطلب؟"

منیب اور مصطفیٰ بھی ساتھ چلیں تو ــــ"

ثمین ایک دم ہی سنجیدہ ہو کر بولی "منیب کو ساتھ لے جانے کی تمہاری خواہش تو
سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن مصطفیٰ ــــ"

ماہ نور نے اس کی بات کاٹی اور بولی "تم مصطفیٰ سے ناراض ہو"

ثمین نے اس کی طرف دیکھا اور بولی "ناراضگی کا کوئی حق نہیں بنتا"

"بات کیا ہے" ماہ نور سر ہوگئی۔

"کچھ بھی نہیں" ثمین نے لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔

"کہاں تو اتنی بے تکلفی اور اتنی دوستی ــــ اور کہاں یہ بیگانگی ــــ" ماہ نور نے
اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اپنی طرف گھمایا۔ خوبصورت چہرہ جس پر سنجیدگی
کی دبیز تہہ چڑھی تھی۔ لیکن اس دبیز تہہ کے باوجود اداسی بے طرح چھلک رہی تھی۔

"ماہ نور" ثمین نے چند لمحے چپ رہنے کے بعد کہا

"ہاں"

"بہتر ہو گا۔ کہ آئندہ تم یہ ذکر نہ ہی چھیڑو"

"کیوں؟"

"بس"

"یہ کیا بات ہوئی۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ تم نے اپنے بڑھتے قدم ایک دم روک لئے ہیں"

"اسی میں مصلحت تھی"

"آخر بات کیا ہوئی تھی ___ مجھے بھی تو کچھ بتاؤ ___ تم ڈاکٹر مصطفیٰ سے کترانے لگی ہو۔ اس دن میں نے دیکھا تھا"

"کیا؟"

"پرلے برآمدے میں۔ جب وہ سامنے سے آرہے تھے۔ تم نے ادھر ہی جانا تھا لیکن تم نے جلدی سے راستہ بدل لیا تھا"

"یہ کوئی بڑی بات نہیں ___ مجھے ایک کام یاد آگیا تھا۔ اس لئے پلٹ آئی تھی۔"

"جھوٹ ___ صاف جھوٹ ___"

"اچھا ___ تو پھر ___"

اتنے دن ہو گئے نہ تو تم ان سے ملی ہو۔ نہ ہی وہ تم سے ___"

"ہمارے مراسم اتنے نہیں تھے۔ کہ ملنا جلنا ضروری ہوتا۔ وہ ایک سینئر ڈاکٹر ہیں ان کا احترام ہم پر لازم۔ جب ملیں گے سلام کر لوں گی ___ بس؟"

ماہ نور نے بے یقینی سے اسے دیکھا ___ دونوں کے درمیان بڑھتی ہوئی دوری کو، کئی دنوں سے محسوس تو کر رہی تھی۔ لیکن آج تک اس سلسلے میں سبین سے بات کرنے موقع نہ ملا تھا ___ کچھ تو اپنی مصروفیات۔ کچھ منیب نے اپنے گھریلو چکروں سے اسے کچھ آگاہ کر دیا تھا۔ اس لئے اپنی ہی پڑی تھی ___ گو معاملہ مایوس کن نہ تھا۔ منیب نے اپنے ابو کو اپنا ہمنوا بنا لیا تھا۔ اس لئے کامیابی کی امید بندھ گئی تھی۔ پھر بھی ماہ نور کسی کسی وقت بے چینی آن گھیرتی تھی۔

"اتنی اچھی دوست ہو۔ دکھ سکھ کی ساتھی ہو ___ لیکن اپنا آپ اتنا چھپائے رکھتی ہو" ماہ نور نے قدرے خفگی سے اس کی طرف دیکھا "میں نے اپنی کوئی بات کبھی تم سے چھپائی ہے۔ منیب کی ایک ایک بات تمہیں بتا دیتی ہوں ___ اور تم ___"

"میری کوئی بات ہو تو تمہیں بتاؤں نا" سبین اس کی خفگی پر مسکرا دی۔

"اب جھوٹ بولتی چلی جاؤ۔ تو میں کیا کر سکتی ہوں" وہ اسی لہجے میں بولی "میرے سر کی قسم کھا کر کہو۔ کہ مصطفیٰ تمہیں اچھے نہیں لگتے"

سبین چند لمحے چپ رہی پھر بولی "وہ اچھے انسان ہیں۔ سب کو اچھے لگتے ہیں"

"میں تمہاری بات کر رہی ہوں"

"اپنی ہی کہہ رہی ہوں۔ اب ضروری تو نہیں۔ کہ وہ مجھے اچھے لگیں۔ تو میں بھی انہیں اچھی لگوں"

"تم انہیں اچھی لگتی ہو۔ اور سنجیدگی کی حد تک اچھی لگتی ہو"

سبین اس کی بات پر ہنس پڑی ___ پھر بولی "اچھا چھوڑو یہ قصہ۔ اپنی کہو۔ منیب کو بھی ساتھ مری لے جانا چاہتی ہو ___"

"اکیلے منیب کو نہیں ___ مصطفیٰ کو بھی دعوت دینا چاہتی ہوں تمہاری طرف سے"

"نہیں" سبین نے دو ٹوک انکاری لہجے میں کہا ___ تو ماہ نور اس کا منہ تکنے لگی۔

بہرحال

دونوں کی لمبی چوڑی گفتگو اور بحث کا فیصلہ یہ ہوا۔ کہ ان دونوں سینئر ڈاکٹرز کو مری جانے کی دعوت نہ دی جائے ___

اس کے بعد ماہ نور اور سبین کے درمیان اس سلسلے میں کوئی بات نہ ہوئی۔

مقررہ دن سب نے اپنا اپنا بیگ تیار کیا اور رات کو بس سٹینڈ پر ٹولیوں کی صورت پہنچ گئے۔ سبین وغیرہ کے اپنے گروپ کے علاوہ بھی چند لڑکے اور لڑکیاں وہاں موجود تھے۔

سفر شروع ہو گیا۔ سب اپنی اپنی سیٹوں پر براجمان ہو گئے۔ گھنٹہ دو گھنٹہ کوچ میں

خوب شور و غل رہا۔ کبھی سب مل کر گانے لگتے۔ کبھی لڑکے اٹھ کر رقص کی کوشش کرتے۔ لطیفہ گوئی بھی ہوتی رہی ___ شعروشاعری کا بھی دور چلا ___ سب لطف اٹھاتے رہے محظوظ ہوتے رہے۔ ساتھ لائی ہوئی کھانے پینے کی چیزیں ایک دوسرے سے چھین جھپٹ کر کھاتے پیتے رہے۔

گویہ سب لوگ رات رات بھر ڈیوٹی دیتے ہوئے جاگنے کے عادی تھے۔ لیکن کوچ میں سیٹوں پر دھچکے کھاتے انہیں اونگیں آنے لگیں۔ آہستہ آہستہ شور شرابا ختم ہونے لگا۔ قہقہوں کی بوچھاڑیں مدھم پڑنے لگیں ___ اونچی آوازوں میں ہوتی باتیں کھسرپھسر میں بدل گئیں ___

اور

پھر

کوچ میں خاموشی چھاگئی ___ تقریباً سب ہی سیٹیں پیچھے کرکے نیم درازی کے عالم میں نیند وادیوں میں پہنچ گئے۔ جنہیں نیند نہ بھی آئی وہ آنکھیں بند کرکے پڑے رہے۔

سبین کی جب آنکھ کھلی۔ تو کوچ مری کی پیچ و خم کھاتی سڑکوں پر گھومتی اوپر ہی اوپر جارہی تھی۔ کشادہ سرمئی سڑک کے ایک طرف سرخ مٹی اور بڑے بڑے پتھروں کے سرسبز درختوں سے لدے پہاڑ تھے۔ دوسری طرف نیچے چھوڑ کر آنے والی گھاٹیاں تھیں ___ صبح جلوہ افروز ہو رہی تھی۔ ایک نورانی اجالا سرمئی اور سرسبز پہاڑوں پر پھیل رہا تھا۔ آسمان نیلا اور صاف و شفاف تھا۔ کہیں کہیں کناروں پر بادل ابھر رہے تھے چمکیلی دھوپ نکلنے کا قوی امکان تھا۔ دور پہاڑوں پر سفید برف جمی تھی۔ جو ابھرے سورج کی نورانی کرنوں سے چمک رہی تھی۔ بے حد خوبصورت سماں تھا۔ سبین بہت محظوظ ہوئی۔ قدرت کے حسین نظارے کثرت سے دیکھنے کو مل رہے تھے۔ اس نے بے خبر سوئی مریم کو ٹھوکا دے کر جگایا اور اگلی سیٹ پر بیٹھی ماہ نور اور عائشہ کو بھی ہلا کر بیدار کیا۔ قدرت کے حسن کو اپنے اندر اتارنے کا یہ موقعہ وہ سب بھی کھونا نہیں چاہتی تھیں ___ اس لئے آنکھیں ملتی سب بیدار ہوگئیں۔ سب بل کھاتی سڑکوں کے خطرناک گھماؤ اور

اردگرد پھیلے سبزے کہیں کہیں رک کر بہتے پہاڑی چشموں اور جگہ جگہ پھسلتی چٹانوں سے لطف اٹھاتیں خوف کھاتیں انجوائے کرتی چلی گئیں۔

مری پہنچ کر سب نے مرحبا میں قیام کیا۔ کچھ لوگ ناشتے کے لئے باہر نکل گئے۔ کچھ نے وہیں ناشتہ کیا ___ لڑکے تو انہیں کپڑوں میں ملبوس رہے۔ ہاں لڑکیوں نے وہاں باتھ رومز میں جاکر لباس تبدیل کئے سب نے شوخ رنگوں کے دیدہ زیب لباس پہنے۔ سبین نے جامنی رنگ کیولاٹ پہنا تھا۔ اس پر چائنیز کام والا ٹاپ۔ گلے میں گرم سکارف۔ وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی ___ سبین ماہ نور مریم اور عائشہ مال پر گھومنے نکل گئیں۔ مرحبا کے نیچے اترنے والے بازار سے انہوں نے کچھ کپڑے بھی خریدے۔ کین کی ٹوکریاں بھی لیں ___ جوس بھی پیا۔ پکوڑے بھی کھائے اور آئس کریم بھی لی۔ آزادی سے گھوم پھر کر سب نے خوب لطف لیا۔ کیمرے حرکت میں تھے۔ جگہ جگہ تصویریں اتاری گئیں۔

دوپہر سب بھوربن پہنچ گئے ___ یہاں جنگل میں منگل کا سا سماں تھا۔ پی سی کی شاندار عمارت بڑی تمکنت سے کھڑی تھی ___ یہاں بڑی چہل پہل تھی ___ کئی نئے جوڑے ہنی مون کے لئے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ کئی لوگ صرف گھومنے پھرنے آئے ہوئے تھے۔ کچھ سرکاری افسران کی میٹنگز تھیں جو مختلف سجے سجائے کمروں میں ٹھہرے ہوئے تھے ___ ہال بھرے ہوئے تھے۔ بوفے چل رہا تھا ___ باہر برآمدوں میں میزوں کے گرد لوگ بیٹھے تھے۔ ٹرانسپیرنٹ چھتوں اور دیوار گیر شیشوں سے روشنی اندر آرہی تھی۔ باہر وسیع چبوترے پر میزیں لگی تھیں۔ جہاں لوگ کوک۔ جوس اور چائے کافی کے ساتھ سنیکس لے رہے تھے ___ بڑی رنگین و حسین دنیا تھی۔

سامنے سرمئی پہاڑوں کے سلسلے تھے۔ جن کے سروں پر سفید برف کے چمکتے دمکتے تاج سجے تھے۔ آج چمکیلی دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ ٹھنڈ کافی تھی۔ لیکن پریشان کن نہیں تھی ___ سب نے یہ علاقہ گھوم پھر کر دیکھا۔ ہوٹل کے جس جس حصے میں جاسکتے تھے گئے۔ خوب خوب انجوائے کیا۔ سوئمنگ پول میں تو سب کا دل چھلانگیں لگانے کو چاہا۔

لیکن صرف دیکھ کر ہی رہ گئے

شام مری واپس لوٹ کر سب ٹولیوں میں بٹ گئے۔ جس نے جہاں جی چاہا چائے
ذکی عمیرہ ماہ نور مریم عائشہ اور ثمین نے سمیز میں چائے پی۔ رات کھانا بھی سب نے ا
اپنی پسند کا کھایا ۔۔۔

کوچ کی روانگی کے وقت سے دس پندرہ منٹ پہلے ہی سب اڈے پر پہنچ گئے آج ب
میں بیٹھ کر سب ادھم نہ مچا سکے۔ دن بھر کے تھکے ہوئے تھے۔ گھنٹے کے اندر ہی سب
خواب ہو گئے۔



وہ راؤنڈ کے بعد اپنے طے شدہ کام کر رہی تھی۔ بس اب ایک مریض کو الٹرا ساؤنڈ
کے لئے لے جانا تھا۔ جو آدھے گھنٹے کا کام تھا۔ اس کے بعد اس کا ارادہ گھر جانے کا تھا
۔۔۔ کچھ ذاتی کام بھی نپٹانا تھے۔ طیب کی شادی کے لئے کپڑے سینے کو دے رکھے تھے۔
آج درزی سے لینے جانا تھا۔ دو ڈریس اور بھی سلنے کیلئے دینا تھے۔ ان کے ڈیزائن اس
نے فیشن میگزین میں دیکھ رکھے تھے۔ ان میں تھوڑی سی تبدیلی کروانا تھی ۔۔۔ اس کا
ٹیلر بڑے اچھے کپڑے سیتا تھا ۔۔۔ جیسا ڈیزائن دیتی ویسا ہی بنا دیتا ۔۔۔ اس نے اسے
کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا ۔۔۔ نت نئے فیشن کے کپڑے ڈیزائن کرنا اس کی ہوبی
تھی ۔۔۔ ٹیلر اچھا تھا۔ اس لئے جو بھی ڈیزائن وہ کرتی۔ ہو بہو ویسا ہی بنا دیتا ۔۔۔
الٹرا ساؤنڈ کے لئے پیشنٹ کو ساڑھے گیارہ بجے لے جانا تھا ۔۔۔ اپنے کام نپٹا کر اس
نے گھڑی دیکھی۔ ابھی گیارہ ہی بجے تھے۔ پہلے سوچا کہ کینٹین میں جا کر چائے پی لے۔
کوئی نہ کوئی کولیگ تو وہاں ہو گا ہی ۔۔۔

لیکن

پھر

خیال آیا کہ ماہ نور سے مل لے۔ کل سارا دن وہ نظر نہیں آئی تھی اور خود وہ بھی
مصروف رہی تھی۔

یہ خیال آتے ہی وہ اٹھی ۔۔۔ اوور آل اٹھایا سٹیتھو سکوپ ہاتھ میں پکڑی۔ بیگ
کندھے پر ڈالا اور ڈاکٹرز روم کی طرف چل دی۔ برآمدے میں اسے دو ایک نرسوں ایک
آیا اور دو وارڈ بوائے ملے۔ سب نے اسے بڑے ادب سے سلام کیا ان کو سر کے
اشارے سے جواب دیتی وہ ڈاکٹرز روم میں داخل ہوئی۔

لیکن

دروازے ہی میں تیزی سے باہر آتی ماہ نور سے ٹکرا گئی۔

"اوئی" ماہ نور دبی آواز میں چیخی

سبین نے فوراً اسے تھام لیا۔ ورنہ وہ گر جاتی۔

کمرے میں موجود ڈاکٹرز ہنسنے لگے۔

"ذرا سنبھل کے بھئی" ڈاکٹر سمہ نے آواز لگائی۔

ماہ نور ان کی پرواہ کئے بغیر سبین کو دھکیل کر باہر آگئی ـــــ

وہ بڑی پر جوش لگ رہی تھی۔

خیریت" سبین نے اسے کندھے سے پکڑ کر کہا "کیا لاٹری نکل آئی؟"

ماہ نور کے چہرے پر رنگ بکھرے تھے۔ لب مسکرا رہے تھے۔ قدرے جھینپ کر بولی اے نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ـــــ"

"تو پھر اتنی بے قابو کیوں ہو رہی ہو" سبین نے ہنس کر کہا۔

"وہ ـــــ دراصل میں تمہیں ہی بتانے آرہی تھی ـــــ"

"کیا؟"

"بارہ بجے ہم آواری جا رہے ہیں ـــــ"

"کیوں؟"

"ہائپر ٹینشن کے ٹاپک پر "کیمپرل" والوں کی کانفرنس ہے۔ سارے میڈیکل یونٹس کو بلاوہ ہے ـــــ آواری میں ـــــ" وہ ذرا رکی سبین نے اس کی بات سن کر اس کے گلگوں چہرے پر نگاہ ڈالی اسے اندازہ ہوگیا کہ ماہ نور کی اس بے بہا خوشی کا سبب کیا ہے۔ ضرور منیب بھی وہاں جارہا ہوگا۔

وہ گہرا پرسکون سانس لیتے ہوئے سبین کے گال پر ہاتھ تھپکتے ہوئے بولی "بہت سے ڈاکٹرز جا رہے ہیں۔ منیب اور مصطفیٰ بھی ـــــ انہوں نے ہم دونوں کو خاص طور پر دعوت دی ہے ـــــ اچھا ہے نا فری میں کھانا بھی ہو جائے گا۔"

ایسی کانفرنسیں اکثر ہوتی رہتی تھیں۔ ملک کے مایہ ناز ڈاکٹروں کو کسی ایک ٹاپک پر بولنے کی دعوت دی جاتی تھی۔ پھر اس کی لائن آف ٹریٹمنٹ ڈسکس ہوتی تھی۔ اچھی معلوماتی کانفرنسیں ہوتی تھیں۔ ڈاکٹرز ایک دوسرے سے متعارف بھی ہو جاتے تھے اور ایک دوسرے کے خیالات سے بھی آگاہی ہوتی تھی۔ آخر میں شاندار کھانا بھی دیا تھا

ماہ نور کو ہوٹلوں میں کھانا کھانے کا کچھ زیادہ ہی شوق تھا ـــــ لیکن آج اس کی خوشی کے رنگ بتا رہے تھے۔ کہ وہ صرف کھانا کھانے کے لئے ہی اتنی خوش نہیں منیب کا ساتھ خوشیوں کا باعث ہے۔

"چلو گی نا" ماہ نور نے سبین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"ہاں" سبین نے فوراً رضامندی دے دی

"سچ" ماہ نور نے بے یقینی سے اسے دیکھا

"یقین کیوں نہیں آرہا ـــــ" سبین نے کہا

"تمہارا موڈ بدلتے دیر نہیں لگتی نا ـــــ" ماہ نور نے کہا تو سبین ہنس دی۔

"جو کام کرنا ہے کرلو" ماہ نور نے کہا "ٹھیک بارہ بجے جانا ہے۔ میرا خیال ہے ہم چاروں ایک ہی گاڑی میں چلیں گے ـــــ"

"سنو" سبین نے جلدی سے کہا

"ہاں"

"میں نے ایک پیشنٹ کو ساڑھے گیارہ بجے الٹرا ساؤنڈ کے لئے جانا ہے"

"تو کیا ہوا۔ بارہ بجے تک فارغ ہو جاؤں گی"

"کیا پتہ کچھ دیر لگ جائے"

"ہوں ـــــ مجھے پتہ تھا"

"کیا؟"

"کہ تم کوئی نہ کوئی کام نکال لوگی"

"پاگل ___ میں غلط تو نہیں کہہ رہی ___ یوں کرو"

"کیا"

"تم تینوں چلے جانا بارہ بجے۔ میں فارغ ہو کر آجاؤں گی ___ تھوڑی لیٹ ہو
___ تو کوئی بات نہیں ___"

ماہ نور نے متذبذب نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر بولی "ہم تمہارا انتظار کریں گے"

"اوں ہوں ___ میرے ساتھ سب کا پروگرام خراب کرنا ضروری ہے۔ تم لوگ
چلے جانا۔ میں بعد میں آجاؤں گی ___ الٹرا ساؤنڈ کے لئے ٹائم لے رکھا ہے۔ مریض
چھوڑا نہیں جاسکتا ___"

ماہ نور نے اسے شک بھری نظروں سے دیکھا ___ تو وہ اس کے کندھے پر زور سے
ہاتھ مار کر بولی "آجاؤں گی ___ آجاؤں گی ___ تم لوگ ٹھیک وقت پر پہنچ جانا ___
سیٹیں بھی تو لینا ہوں گی ___ دیر سے سب گئے ___ تو اچھی جگہ بیٹھنے کو کسی کو بھی
نہیں ملے گی"

ماہ نور کی سمجھ میں یہ نقطہ آگیا۔ واقعی دیر ہو جانے کی صورت میں اچھی جگہ سیٹوں
کا ملنا مشکل تھا ___

سبین اپنے وارڈ کی طرف چلی گئی ___

اور

ماہ نور منیب اور مصطفیٰ کے پاس آگئی۔ منیب اس وقت مصطفیٰ کے دفتر ہی میں بیٹھا
تھا۔

اسے اکیلے واپس آتے دیکھ کر مصطفیٰ کو قدرے مایوسی ہوئی۔ انہوں نے تو کچھ نہیں
پوچھا

ہاں

منیب جلدی سے بولا "سبین نہیں آئیں"

"نہیں ___" ماہ نور نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا

"کیوں؟۔ کانفرنس میں نہیں جا رہیں وہ"

"جائے گی ___ دراصل اس نے ساڑھے گیارہ بجے اپنے ایک پیشنٹ کو
الٹرا ساؤنڈ کے لئے لے جانا ہے ___ وہاں سے فارغ ہو کر آواری آجائے گی۔ پندرہ بیس
منٹ لیٹ آئے گی۔ ہم اس کے لئے سیٹ رکھ لیں گے"

لیکن

سبین آدھے گھنٹے بعد بھی آواری نہ پہنچی۔

اس کانفرنس میں وہ شریک ہی نہ ہوئی۔ ماہ نور کا موڈ بے طرح خراب ہو گیا۔

دوسرے دن وہ سبین پر برس پڑی "نہیں آنا تھا۔ تو وعدہ ہی کیوں کیا تھا ___ میری
ساری خوشی غارت کر دی۔ منیب اور مصطفیٰ بھی مایوس ہوئے ___ میں تو بہت ہی بور
ہوئی"

سبین نے ہنس کر اسے دیکھا اور بولی "جھوٹ مت بولو۔ منیب ساتھ ہوں اور تم بور
ہوتی رہو ___"

"چلو ہٹو ___ میں نہیں بولتی تمہارے ساتھ"

"ہائے ماہ نور ___ تم سمجھتی کیوں نہیں۔ الٹرا ساؤنڈ سے فارغ ہوتے ہوتے ایک
بج گیا تھا۔ اتنی دیر میں تو کانفرنس بھی ختم ہونے والی ہو گی۔ کیا میں صرف کھانا کھانے
آجاتی۔"

ماہ نور نے منہ بنایا۔ اسے سبین کی بات پر یقین نہ تھا۔ لیکن سبین اسے یقین دلا دلا کر
مناتی رہی ___

"آئندہ کبھی تم نے ایسا کیا تو یاد رکھنا" ماہ نور نے غصے سے کہا۔ تو سبین ہنس پڑی۔

لیکن

ایسا

پھر بھی ہوا ___

ہسپتال کی گھٹن اور بور زندگی کے جمود کو توڑنے کے لئے ڈاکٹرز اکثر نئے

پروگرام بنایا کرتے تھے۔ کبھی ٹرپ کہیں جا رہا ہے۔ کبھی پارٹیز ہو رہی ہیں۔

اور

کبھی

ایک وارڈ کا دوسرے وارڈ کے ڈاکٹروں سے فٹ بال والی بال اور کرکٹ کا میچ رکھ جا رہا ہے۔

رمضان کے مہینے میں تو روٹین کی زندگی واقعی ڈل ہو جاتی تھی۔ مریضوں کی تعداد کچھ کم ہو جاتی تھی۔ سرقوم اکثر ہاؤس جوبین کو بتایا کرتے تھے۔ کہ رمضان کے بعد مریضوں کا رش ہو جاتا ہے۔ مہینہ بھر روزے رکھنے کے بعد لوگ بے تحاشا کھاتے پیتے ہیں۔ اور زیادہ تر پیٹ کی بیماریوں میں مبتلا ہو کر ہسپتالوں کا رخ کرتے ہیں۔

رمضان شروع ہو گیا تھا۔

اس لئے وقت گزاری اور کچھ رونق اور ہلچل بڑھانے کے لئے سبین کے وارڈ کے رجسٹرار نے دوسرے وارڈ کے ڈاکٹرز سے کرکٹ میچ رکھا تھا۔

چونکہ روزے تھے۔ اس لئے میچ دس دس اوورز کا تھا۔ وہ بھی افطاری سے ایک گھنٹہ پہلے ___ اس کے بعد افطاری کا اچھا انتظام تھا۔ سب ڈاکٹرز نے پول کر کے افطاری بنوائی تھی ___

ماہ نور اور سبین نے بھی دوسرے ڈاکٹرز کی طرح پیسے جمع کروا دیئے تھے۔

ایک شام پہلے ماہ نور نے منیب کو فون کیا اور میچ میں شریک ہونے کے لئے کہا

وہ فون کر کے واپس آئی تو سبین نے مسکرا کر پوچھا "کیا کہہ رہے تھے منیب"

ماہ نور خوش ہو کر بولی "کہہ رہے تھے ضرور آئیں گے۔ انہیں مصطفیٰ کی طرف سے پہلے ہی دعوت مل چکی ہے ___ انہیں کی ٹیم کی طرف سے آئیں گے"

مصطفیٰ کے نام پر سبین کا دل ایک لحہ کو بے طرح دھڑکا۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ وہ بڑے سکون سے بولی ""مصطفیٰ کی ٹیم؟""

"ہاں" ماہ نور جلدی سے بولی "تمہیں نہیں پتہ؟ وہ بھی کھیل رہے ہیں ___"

"اچھا" سبین نے حیرت کا اظہار کیا۔

"سنا ہے بہت اچھا کھیلتے ہیں" ماہ نور نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"اچھا" سبین نے لمبی سے اچھا کی تو ماہ نور بولی "ہاں ہاں۔ مذاق تو نہیں کر رہی میں ___ تم دیکھ لینا خود ہی ___"

"کھیلتے ہونگے۔ میں کونسا انکار کر رہی ہوں" سبین زیر لب مسکرائی ___

میچ والے دن ہسپتال کے عملے میں بڑا جوش و خروش پایا جا رہا تھا۔ ہر کوئی اپنا کام ختم کر کے میچ دیکھنے کی تیاری کر رہا تھا۔ صرف ڈیوٹی پر موجود رہنے والی نرسیں آیائیں۔ وارڈ بوائیز اور کچھ ڈاکٹرز شش و پنج میں تھے۔

ماہ نور اپنے وارڈ میں تھی ___ اس کی ڈیوٹی تو نہیں تھی۔ پھر بھی وہیں بیٹھی تھی۔

سبین اسے ڈھونڈتی ادھر آئی ___ "یہاں کیوں بیٹھی ہو ___"

"کہاں بیٹھوں" اس نے مسکرا کر کہا۔

"ہوسٹل چلتے ہیں۔"

"اوں ہوں"

"کیوں"

"بات یہ ہے سبین" ماہ نور نے اٹھ کر اس کے قریب آتے ہوئے کہا "منیب پہلے ادھر آئیں گے ___ میں ان کے ساتھ جاؤں گی میچ کے لئے ___"

"توبہ ___" سبین نے ناک قدرے اوپر کھینچی "ایک تو میں اس لیلیٰ مجنوں سے تنگ آ گئی ہوں"

"اے" ماہ نور اسے دھکیلتی دروازے سے باہر لے آئی "آئندہ مجھے ایسی بات نہ کہنا خبردار جو ہمیں لیلیٰ مجنوں کہا ___"

"خیریت" سبین نے حیرت سے اسے دیکھا "بھئی تم لوگ تو ایسے القابات سے بہت خوش ہوتے ہو۔ فخر سے پھول جاتے ہو ___"

"نہیں بھئی۔ ہوتے ہونگے لوگ خوش۔ لیکن میں نہیں ___"

"بھلا کیوں"

تمہیں پتہ نہیں لیلیٰ مجنوں مل کر بچھڑ گئے تھے۔ میں لیلیٰ بن کے بچھڑنا نہیں چاہتی سیمن"

ماہ نور خلاف توقع سنجیدہ ہوگئی۔ تو سیمن نے اسے ساتھ لپٹا کر بڑے پیار سے کہا

"اللہ نہ کرے جو تم لوگ کبھی اس منزل پر آؤ ___"

"خطرہ ابھی پوری طرح ٹلا نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

ماہ نور نے سیمن کو منیب کی امی کے متعلق بتایا "منیب کہتے ہیں۔ وہ متاثر اور مرعوب ہونے کے باوجود مان نہیں رہیں۔ ان کے ابو اور نوشی پوری طرح رضا مند ہوگئے ہیں۔ لیکن"

"فکر نہ کرو۔ وہ بھی بالآخر رضا مند ہو ہی جائیں گی ___ شادی تو منیب نے کرنی ہے نا ___"

"وہ تو اپنے طور پر سرتوڑ کوششوں میں لگے ہیں ___"

"پھر تم غم نہ کرو۔ ہنستی مسکراتی ہی اچھی لگتی ہو۔ یوں سنجیدہ بننے کی کوشش مت کرو"

"میں جانتی ہوں۔ منیب یہ معرکہ سر کرکے رہیں گے ___"

"امید تو مجھے بھی بہت ہے اور منیب بھی یہی کہتے ہیں ___"

"چلئے دو اس قصے کو۔ تب تک تم اپنی ہاؤس جاب مکمل کرلینا" سیمن ہنسی تو ماہ نور بھی مسکرانے لگی۔

"اچھا تو میں پھر گھر ہی چلتی ہوں" سیمن جانے کے لئے مڑی ___ تو ماہ نور نے کہا۔

"وقت پر گراؤنڈ میں پہنچ جانا"

"اوکے" اس نے مڑے بغیر ہاتھ ہلایا ___

"سیمن وقت سے کچھ پہلے ہی آجانا۔ گپ شپ لگائیں گے" ماہ نور نے پیچھے سے زور

سے پکارا۔

وہ پلٹے بغیر اچھا کہتے ہوئے چلی گئی ___

ماہ نور وارڈ میں چلی گئی ___

منیب آیا تو وہ اٹھ کر باہر آگئی ___ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیئے۔

برآمدے میں باتیں کرتے ہوئے ٹہلنے لگے ___

تھوڑی ہی دیر میں جواں سال ڈاکٹروں کا ٹولہ سا آگیا۔ طارق فہد، سمہ عمیر، صائمہ نور اور خٹک منیب اور ماہ نور کے قریب آگئے۔ سب میں علیک سلیک ہوئی پھر یہ قافلہ گراؤنڈ کی طرف چل پڑا ___

وہاں بڑی چہل پہل تھی۔ لوگ جمع ہو رہے تھے۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے یا وارڈ دور دور ہونے کی وجہ سے جو لوگ مہینوں نہ مل پائے تھے۔ آج مل رہے تھے۔ احوال پرسی کے ساتھ ساتھ گلے شکوے بھی ہو رہے تھے۔

ماہ نور بھی اپنی پرانی کلاس فیلوز سے گھل مل گئی۔ باتوں میں وقت کا پتہ نہ چلا اور میچ شروع ہوگیا۔ ماہ نور نے سیمن کو ڈھونڈنے کے لئے گراؤنڈ پر نگاہ ڈالی ایک چکر بھی لگایا۔

لیکن

وہ کہیں نظر نہ آئی۔

وہ منیب کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔

میچ بہت ہی سنسنی خیز تھا۔ اوورز کم تھے۔ اس لئے شروع سے آخر تک دلچسپی برقرار رہی۔ کھلاڑی جی داری سے کھیل رہے تھے۔ چوکے چھکے لگ رہے تھے۔ سارے گراؤنڈ میں اپنی اپنی ٹیم کا دل بڑھانے کو نعرے گونج رہے تھے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ کا کھیل بلاشبہ بہت عمدہ رہا تھا۔ سفید پینٹ اور گرین دھاریدار شرٹ میں وہ ہیرو بنے ہوئے تھے۔ بہت سی لڑکیوں کی توجہ کھیل سے زیادہ ان کی طرف تھی۔

اور

وہ بھی

جب کوئی زوردار ہٹ لگاتے تو میدان پر چاروں طرف نگاہیں ضرور دوڑاتے۔ شاید انہیں خیال آتا تھا۔ کہ سبین ضرور ان کے شاٹ پر زوردار داد دے رہی ہوگی۔

اذان سے کوئی پانچ منٹ پہلے کھیل ختم ہوگیا۔

پھر اذان ہوتے ہی سب افطاری کے لئے میزوں کی طرف لپکے۔ جس کو جو کچھ ملا۔ پلیٹ میں ڈالا اور روزہ افطار کیا ___ جلدی جلدی افطاری کرکے زیادہ لوگ نماز کے لئے چلے گئے ___

مصطفیٰ بھی ماہ نور اور منیب کی طرف آئے ___ انہوں نے دو تین بار ہراساں سی نظروں سے ان دونوں کو دیکھا تو ماہ نور بولی "سبین پتہ نہیں کیوں نہیں پہنچی"

مصطفیٰ کچھ بدمزہ سے ہوگئے ___ ہولے سے بولے "انہیں پتہ تھا آج میچ ہے"

"ہاں۔ میں نے کہا بھی تھا وقت سے پہلے آجانا" ماہ نور نے کہا

"اور وہ نہیں آئیں ___" منیب نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ مصطفیٰ کے چہرے پر سائے سے لہرا گئے ___

"تو آج کا پروگرام ٹھپ ___" چند لمحوں بعد منیب نے مصطفیٰ سے کہا

"کیسا پروگرام؟" ماہ نور جلدی سے بولی ___

"وہ ___ ہمارا پروگرام تھا ___ کہ ہم چاروں آج کہیں باہر اچھا سا کھانا کھائیں گے لیکن وہ آپ کی سہیلی صاحبہ ___"

"پتہ نہیں کیا ہوگیا ___ وہ کیوں نہیں آئی"

جو ہوگیا تھا

وہ مصطفیٰ اور منیب دونوں ہی جان گئے تھے۔ مصطفیٰ خاصے مایوس لگ رہے تھے۔

"بڑی بری بات ہے" ماہ نور بڑبڑائی۔

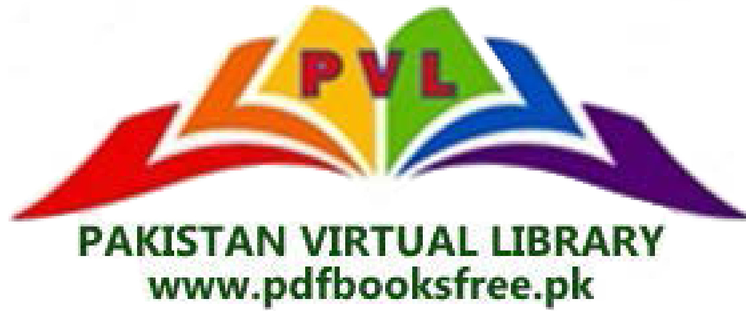
"چلو پھر کبھی سہی" منیب نے کہا۔

"پھر کب؟" مصطفیٰ بے صبری سے بولے۔ تو منیب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی ___ لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔

لوگ واپس جارہے تھے۔ اس لئے وہ تینوں بھی واپس لوٹے۔ ماہ نور تو دوسری لڑکیوں کے ساتھ ہوسٹل چلی گئی ___

منیب اور مصطفیٰ اپنی گاڑیوں کی طرف آگئے۔

○ ○ ○



چوٹ لگے تو درد کا احساس ہوتا ہے۔

مصطفیٰ

درد کو شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ سیمن کے رویے اور بیگانہ پن نے جو چوٹ دل پر لگائی تھی۔ وہ اسے کسی طور جھٹلا نہ سکتے تھے۔ ایک بار نہیں اس نے کئی بار انہیں نظر انداز کیا تھا۔ بسنت والا دن ان کی نگاہوں میں گھوم رہا تھا۔ اس کے بعد وہ دو دفعہ ان کے سامنے سے کترائی تھی۔ پھر کانفرنس میں شرکت نہ کی تھی۔

اور

کل

میچ دیکھنے بھی نہ آئی تھی

انہیں دکھ ہو رہا تھا ___

بے چینی اور اضطراب نے آلیا تھا ___ اپنی ایسی کیفیت تو انہوں نے پہلے کبھی محسوس نہ کی تھی۔ سیمن کی محبت کا ادراک ہوا ہی تھا۔ لیکن اسے مانا نہیں تھا۔ لگتا تھا اپنے خیالات و جذبات پر پوری طرح حاوی ہیں۔ اس نازک سی لڑکی سے وہ مرعوب نہیں ہوسکتے۔

لیکن

اب

انہیں لگ رہا تھا۔ کہ مرعوب تو وہ اسی دن ہو گئے تھے۔ جب اسے پہلی بار ٹرین میں دیکھا تھا۔ وہ تو غیر محسوس طریق سے ان کی نس نس میں اترتی چلی گئی تھی۔ اب وہ اس کے بغیر سانس بھی نہ لے پا رہے تھے۔ وہ انہیں کتنی اچھی لگتی تھی۔ کتنی عزیز تھی کتنی

پیاری تھی۔ اپنی بے چین بے تابیوں سے اس کا اندازہ ہو رہا تھا۔

اب تک وہ اسی زعم میں مبتلا تھے۔ کہ امی کی پسند کردہ لڑکیوں میں کوئی ایک ان کے معیار اور پرکھ پر پوری اتر آئے گی ___

لیکن

سیمن نے تو معیار اور پرکھ کے انداز ہی بدل ڈالے تھے۔ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے

وہ

ان کی اپنی تھی۔

اور

اس پر صرف ان ہی کا حق تھا۔ اس کے نظر اندازی کے بیگانہ رویے نے جتنی تکلیف انہیں دی تھی۔ ایسی تکلیف انہوں نے پہلے کب سہی تھی۔

وہ بے کل اور بے چین تھے۔ یہ کیفیت کل شام سے تھی۔ جب وہ میچ کے بعد افطاری کر کے گھر لوٹ آئے تھے۔ رات شاید وہ کھانا بھی نہ کھاتے۔ لیکن ان کی بہن فردا اور بہنوئی آگئے تھے۔ جی نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ساتھ کھانا زہر مار کرنا پڑا تھا۔

فردا نے انہیں اکھڑا اکھڑا محسوس کیا ___ تو مسکرا کر پوچھا "کیا بات ہے بھائی ___ لگتا ہے روزہ کچھ زیادہ ہی لگتا ہے تمہیں ___"

"نہیں یہ بات نہیں فردا۔" وہ بھی جواباً مسکرائے تھے۔

"تو پھر کیا ہوا۔ بہت تھکے ہوئے ہیں کیا ___"

"ہاں۔ شاید ___ آج میچ کھیلا تھا ___ تھکاوٹ ہو رہی ہے۔"

وہ بہن اور بہنوئی سے ادھر ادھر کی باتیں کچھ بے دلی سے کرتے رہے۔ اعجاز ان سے زیادہ بے تکلف تو نہیں تھا۔ پھر بھی ہنس کر بولا "تنہائی تو نہیں کاٹتی ___؟"

مصطفیٰ نے بہنوئی کی طرف مسکرا کر دیکھا اور بولے "کبھی کبھی تنہائی بہت اذیت دیتی ہے۔"

"تو دور کرلو نا اسے۔" فردا ہنس کر بولی "امی تو چاہتی ہیں کنیزہ کی شادی کے ساتھ تمہارے فرض سے بھی سبکدوش ہو جائیں ___"

"اچھی بات ہے۔" اعجاز نے کہا ___ "کیسی ہیں جو اس گھر میں اکیلے رہتے ہیں میں تو چند دن بھی نہ رہ پاؤں ___"

پھر وہ فردا کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھ کر بولا "ابھی یہ کراچی جو اتنے دن کر آئی ہے نا ___ میں ہی جانتا ہوں وہ دن میں نے کیسے گزارے ___"

مصطفیٰ اس کی بات پر مسکرا دیئے ___

فردا بولی "ان کی تنہائی دور کرنا کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ امی نے اتنی اچھی اچھی لڑکیاں دیکھ رکھی ہیں۔ بس ان کی ہاں کی دیر ہے۔"

پھر

فردا اعجاز کو امی کی پسند کی ہوئی لڑکیوں کی تفصیل بتانے لگی۔ مصطفیٰ نے کوئی دلچسپی ظاہر نہ کی۔ تو اعجاز نے ان کی طرف دیکھ کر کہا "مصطفیٰ ڈاکٹر ہیں۔ اپنے لئے یقیناً ڈاکٹر لڑکی ہی پسند کریں گے ___ یہ جو تم نے لڑکیاں بتائی ہیں۔ ان میں شاید ڈاکٹر تو کوئی بھی نہیں۔"

"مصطفیٰ بھائی کے لئے ڈاکٹر بیوی کا ہونا کوئی ضروری تو نہیں۔" فردا بولی "اللہ کا دیا بہت کچھ ہے ___ ان کی بیوی پیشہ ور خاتون نہیں ہونی چاہئے ___"

"بھئی ___ کچھ ذہنی ہم آہنگی کے تقاضے بھی تو ہوتے ہیں۔" اعجاز بولا ___ "ڈاکٹر کی شادی ڈاکٹر ہی سے ہونی چاہئے۔ کیوں مصطفیٰ؟"

مصطفیٰ نے اثباتی انداز میں سرہلایا۔ ان کے اندر اس قسم کی باتوں سے بڑی کھلبلی سی مچ رہی تھی ___

فردا اور اعجاز اس موضوع پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگے۔ مصطفیٰ وہاں سے اٹھ گئے۔ انہوں نے ڈینو سے چائے بنالانے کو کہا۔ اور واپس آکر ٹی وی آن کر دیا۔ وہ ڈش کے مختلف چینل گھمانے لگے۔

چائے کے بعد وہ دونوں چلے گئے۔ جمعہ کو افطاری کے لئے اپنے گھر مصطفیٰ کو مدعو بھی کیا ___

ان کے جانے کے بعد بھی وہ کافی دیر تک ٹی وی کے سامنے بیٹھے رہے۔ وہ ٹی وی دیکھ نہ رہے تھے صرف بار بار چینل بدل رہے تھے۔ خیالات کی ڈوری ثمین کے رویوں کے ساتھ ہی بندھی تھی ___

اپنی بے چینی مٹانے کے لئے انہوں نے کراچی فون بھی کیا۔ امی ابو مجتبیٰ اور کنیزہ سے باتیں کیں۔ دل بہلانے کو کنیزہ سے باتیں کیں۔ دل بہلانے کو کنیزہ سے مذاق بھی کئے۔ وہ ان دنوں شادی کی تیاریوں میں جو مشغول تھی۔

لیکن دل ایسا نامراد تھا۔ کہ کسی حیلے کسی بہانے بہل ہی نہ رہا تھا۔ بار بار ثمین کا گریز اور اعتنائی ڈس رہی تھی ___ وہ اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کبھی سوچتے ساری رکاوٹیں پھلانگ کر خود ثمین کے پاس جا پہنچیں۔ اپنے فرار کے رویوں کا ازالہ کریں۔ اس کے اجتناب کی شکایت کریں۔ دل کی ساری باتیں اس کے سامنے کھول کر رکھدیں۔

کبھی

سوچتے منیب سے حال دل کہہ دیں۔ منیب بھی تو ان دنوں خوب گھنہ بنا ہوا تھا۔ ثمین کے متعلق ان سے کبھی کوئی بات ہی نہ کی تھی۔ شاید وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہا تھا۔ یا اپنے رومانس سے ہی فرصت نہ ملتی تھی۔

خیالات کے تانے بانے بنتے جانے کب نیند نے انہیں آلیا۔ خواب بھی انہی خیالات کا پرتو تھے۔ کبھی امیدوں کی طرح چمکتے دمکتے تھے اور کبھی ناامیدی کے اندھیروں میں گھرے ہوئے نظر آتے تھے۔

تین چار دن اسی طرح گزر گئے ___

بے چینیاں بڑھتی چلی گئیں۔ ان دنوں ثمین انہیں دور نزدیک کہیں نظر ہی نہ آئی۔

اس دوپہر

وہ سو کر اٹھتے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی

مصطفیٰ نے بیڈ پر لیٹے لیٹے ہی ہاتھ بڑھا کر ریسور اٹھالیا۔

"ہیلو" انہوں نے کہا۔

غیب بول رہا ہوں۔" جواباً آواز آئی

"کیسے ہو۔"

"بالکل ٹھیک۔ تم سناؤ ــــ"

"بس سب ٹھیک ہی ہے۔"

"تین چار دن میں تمہیں مل ہی نہیں سکا۔ کام بہت زیادہ تھا۔"

"شکر ہے فون کرنے کی تو فرصت ملی ــــ"

"یہ بھی کرنا ہی پڑا۔"

"خیریت۔"

"بالکل۔ وہ یار تمہیں بتانا تھا کہ کل سبین کے ہاں ون ڈش پارٹی ہے۔"

"کیا؟" مصطفیٰ بیڈ میں اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"بہرے ہو ــــ سنتے نہیں۔ کہہ رہا ہوں۔ کل سبین کے ہاں ون ڈش پارٹی ہے۔ اپنے چند دوستوں کو بلایا ہے۔ ان میں تم بھی ہو اور میں بھی ــــ کل آٹھ دس ہونگے۔"

مصطفیٰ چند لمحوں کے لئے گم صم سے ہوگئے۔ پھر بے یقینی سے پوچھا۔ مجھے بھی۔"

"ہاں ــــ ہاں ــــ کیا ہوگیا ہے تمہیں۔ نہ جانا چاہو۔ تو دوسری بات ہے۔"

"نہیں۔ نہیں ــــ"

"تو پھر کل ملیں گے۔"

"اے سنو تو ــــ"

"ہاں۔"

"ون ڈش پارٹی کا کہہ رہے تھے تم۔"

"ہاں ــــ"

"کیا لے جانا ہوگا۔"

"جو تمہاری مرضی ــــ اپنی مشکل تو ماہ نور نے حل کردی ہے۔"

"میں ــــ کیا لے جاؤں۔"

"تم ــــ یوں کرو طباق سے چکن روسٹ لے لینا ــــ"

"ٹھیک ــــ کتنے لوں۔"

"میرا خیال ہے تین کافی ہونگے۔"

"آٹھ دس لوگوں میں کم نہ پڑ جائیں۔"

"نہیں بھئی ــــ میرے خیال میں آدھی تو لڑکیاں ہونگی۔ جانتے ہو کتنا نپا تلا کھاتی ہیں۔ ویسے بھی اور لوگ بھی تو لے کر ہی آئیں گے کچھ نہ کچھ ــــ"

"ہوں۔"

"ٹھیک۔"

"کتنے بجے جانا ہے۔"

"افطاری سے گھنٹہ بھر پہلے۔ گپ شپ کے لئے اور سنو۔ میں اور ماہ نور تو شاید تین بجے تک چلے جائیں ــــ ماہ نور اس کی مدد کے لئے جلدی جائے گی۔ کہو تو تمہیں بھی ساتھ لے چلیں ــــ۔"

"میں خود ہی آجاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے ــــ اس کے گھر کا پتہ معلوم ہے؟"

"نہیں ــــ"

"میں بتاتا ہوں۔" غیب نے انہیں پوری طرح سبین کے گھر کا پتہ سمجھایا۔ پتہ آسان ہی تھا ــــ

چند اور باتوں کے بعد فون رکھ دیا گیا ــــ مصطفیٰ نے ہاتھ اٹھا کر انگڑائی لی ــــ پھر ہاتھ گرا دیئے۔

وہ خاصے مسرور نظر آنے لگے۔ خدا نے سبین تک پہنچنے کے راستے خود ہی بنا دیے
تھے۔

دوسرے دن وہ سبین کے ہاں جانے کے لئے تیار تھے۔ سوچا تو تھا۔ کہ افطاری سے
تھوڑی دیر ہی پہلے جائیں گے۔ لیکن ٹھیک سوا چار ان کی گاڑی سبین کے گیٹ کے اندر
داخل ہو رہی تھی ___ گھر ڈھونڈنے میں دقت پیش نہ آئی تھی ___

لیکن

یہاں پہنچ کر وہ کچھ متذبذب سے ہو گئے۔ کار پورچ میں ایک ہی لال گاڑی کھڑی
تھی۔ جو یقیناً سبین کی تھی۔ انہوں نے گاڑی سے نکلتے ہوئے ساتھ والے گھر پر نگاہ
ڈالی۔ جو اسی گھر کا حصہ لگتا تھا۔ وہاں دو تین گاڑیاں کھڑی تھیں ___ مصطفیٰ سمجھے کہ کار
پارکنگ کا ادھر بھی انتظام ہے۔ سبین کا پورچ چھوٹا تھا ___

کچھ مطمئن ہو کر انہوں نے روسٹ والا لفافہ نکالا اور گاڑی بند کر کے دروازے کی
طرف آئے ___ انہوں نے کال بیل دبا دی۔

خاصی دیر کے بعد دروازہ کھلا ___

دروازہ کھلتے ہی مصطفیٰ کچھ گھبرا سے گئے۔ انہیں پتہ چل گیا۔ کہ منیب کے بچے نے
ان کے ساتھ ٹھیک ٹھاک مذاق کیا ہے ___

ملگجے کپڑوں میں اپنی نیند سے بوجھل آنکھوں کو ملتی سبین ان کے سامنے کھڑی تھی
___ ظاہر تھا کہ یہاں افطار پارٹی قسم کی کوئی تقریب نہیں۔ ایک لمحہ کے لئے انہیں
خجالت اور ندامت سے دوچار ہونا پڑا ___ سبین سے نظریں چراتے ہوئے دائیں بائیں
دیکھا

"آ ___ آپ ___" سبین کی نیند کی مدہوشی ٹوٹ چکی تھی اور وہ جاگتی آنکھوں
سے دیکھ رہی تھی کہ مصطفیٰ اس کے سامنے کھڑے ہیں۔

مصطفیٰ نے قدرے جھکا ہوا سر اونچا کر کے سبین کو دیکھا۔ جس کی حسین آنکھیں
حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں ___ اور وہ پلکیں جھپکائے بنا انہیں تکے جا رہی تھی۔

وہ کوشش کر کے قدرے مسکرائے اور بولے "جی ہاں۔ میں مصطفیٰ ہی ہوں۔ یقیناً
آپ جاگتے میں خواب نہیں دیکھ رہیں ___"

سبین کی حیرت دور نہ ہوئی تھی۔ وہ اب بھی اسی انداز میں ان کے سراپا پر نظریں
ڈال رہی تھی۔ ان کے ہاتھ میں پکڑا بڑا سا لفافہ اسے پریشان کر رہا تھا۔

مصطفیٰ نے زچ ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔

جیسے انہیں یقین تھا۔ کہ ابھی منیب اور ماہ نور کسی جھاڑی یا گیٹ کے پیچھے سے قہقہے
لگاتے ہوئے نکل آئیں گے۔

لیکن

وہاں کوئی نہیں تھا۔

انہوں نے ایک گہری سانس لی اور سبین کی طرف دیکھا۔ جو اب اپنی حیرت پر
قدرے قابو پا چکی تھی ___

"آپ نے کہیں اور تو نہیں جانا تھا۔ غلطی سے یہاں آ گئے ___۔" سبین نے
دروازے سے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔ اسے قوی یقین تھا۔ کہ مصطفیٰ غلطی سے اس
کے ہاں آ گئے ہیں

مصطفیٰ نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے جلدی سے کہا "اندر آنے کے لئے
نہیں کہیں گی۔"

"آئیے۔" اس نے آہستگی سے کہا ___

مصطفیٰ اندر داخل ہوئے وہ ان سے دو قدم کا فاصلہ رکھے لاؤنج میں آ گئی ___

مصطفیٰ نے خجل خجل سے انداز میں اسے دیکھا۔ لفافہ میز پر رکھ دیئے ___ انہوں
نے زندگی میں اپنے آپ کو اتنا بے وقوف کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ جتنا اس وقت کر رہے
تھے۔

انہوں نے ایک معذرتی نگاہ سبین پر ڈالی۔ جو کبھی انہیں اور کبھی لفافے کو دیکھ رہی
تھی ___

'' اسے سنبھال لیجئے۔'' خفت بھرے لہجے میں مصطفیٰ نے لفافے کی طرف اشارہ کیا۔

'' یہ ___ یہ ہے کیا۔'' اس نے لفافے میں جھانک کر دیکھا۔ چکن کی خوشبو آرہی تھی وہ اور متذبذب اور پریشان ہوگئی۔ اس کی آواز قدرے اونچی ہوگئی ___ '' یہ یہ۔'' وہ حقیقتاً نہ سمجھ پارہی تھی۔ کہ یہ سب کیا ہے۔ اب تو اسے پختہ یقین ہو رہا تھا۔ کہ مصطفیٰ غلطی سے اس کے ہاں آگئے ہیں۔ وہ کہیں اور جانے والے تھے۔

اس نے دوبارہ وہی بات کہی '' آپ یقیناً غلطی سے یہاں آگئے ہیں۔''

اب مصطفیٰ نے حقیقت کا انکشاف کرنے ہی میں عافیت سمجھی۔ ان کا خیال تھا کہ ساری بات سن کر وہ بیساختہ ہنس پڑے گی۔

لیکن

جب اس نے بات سنی تو اس کے چہرے پر بڑی ہی بے رحم سنجیدگی پھیل گئی۔

''اوہ۔ تو یہ ماہ نور اور منیب صاحب کا مذاق تھا ___ ''

مصطفیٰ نے جواباً اس کا سرتاپا جائزہ لیا۔ وہ سنجیدگی میں بھی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اتنے دنوں کے اجنبی رویے کے بعد وہ اسے اپنے اتنا قریب کھڑے پاکر کچھ مدہوش سے ہونے لگے۔ خجالت رہی نہ ندامت بلکہ اچانک ملن کی خوش رنگ مسرتوں سے ہمکنار ہوکر ان کا چہرہ دمک اٹھا۔

وہ اسے ایک ٹک تکے جارہے تھے۔

'' آپ کو بڑی تکلیف اٹھانا پڑی ان دونوں کے بے موقع مذاق سے۔'' وہ بدستور سنجیدہ تھی اور آہنی لہجے میں بول رہی تھی '' وہ بعض اوقات انتہائی بیوقوفانہ مذاق کرجاتے ہیں۔ یہ سوچے بغیر کسی کو اس سے کتنی کوفت ہوگئی۔ کتنی تکلیف کا باعث ہوگا مذاق۔''

''کوفت ___ ؟ تکلیف ؟''

''جی ہاں۔''

''کیسے ہوئی کوفت اور تکلیف۔''

''آپ کو اور کیسے ؟''

''بالکل بھی نہیں سبین ___ آں ڈاکٹر سبین۔''

سبین لاتعلقی سے اسی انداز میں بولی ''اب آپ ان کی بیوقوفی سے یہاں آہی گئے ہیں تو بیٹھئے۔''

اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا اور بڑا سا بھاری لفافہ اٹھا کر کچن میں لے گئی۔

وہ واپس آئی

تو۔

مصطفیٰ بڑے صوفے پر بڑے سہل انداز میں بیٹھے تھے۔ وہ اپنی بدحواسی اور گھبراہٹ سے مکمل طور پر نجات پاچکے تھے۔ دل ہی دل میں منیب کے مذاق کی داد بھی دے رہے تھے جس نے سبین سے اکیلے میں بیٹھنے اور باتیں کرنے کا موقع فراہم کردیا تھا۔''

سبین نے انہیں آرام سے بیٹھے دیکھا تو بولی ''آپ روزے سے ہیں ؟۔''

''ادھر آیئے ___ یہاں بیٹھئے '' انہوں نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''بتایئے نا روزہ نہیں ہے تو چائے بنالاؤں۔'' وہ کھڑے کھڑے بولی۔

''پہلے آپ یہاں آکر آرام سے بیٹھ جایئے ___ '' انہوں نے سبین کو مسکرا کر دیکھا۔ ''پھر آپ کی کسی بات کا جواب دوں گا ___ ''

وہ ان کے سامنے والے صوفے پر آبیٹھی۔ جہاں بھر کی سنجیدگی اس کے چہرے پر اب بھی چھائی تھی۔ دل گو ان کی موجودگی کے احساس سے کئی بار زور زور سے دھڑکا تھا۔ لیکن وہ اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھی ___

''سبین۔'' انہوں نے بڑی ہی بے تکلفی سے کہا۔ تو سبین نے بڑے غور سے انہیں دیکھا۔ لیکن بولی کچھ نہیں۔

''میں۔'' مصطفیٰ اپنی ٹائی درست کرتے ہوئے پہلو بدل کر بولے ''میں یہ بتانا چاہوں گا۔ کہ جب کل منیب نے مجھے فون کیا۔ تو ایک لمحہ کو مجھے خیال آیا۔ کہ وہ کہیں مذاق نہ کررہا ہو۔ لیکن اس نے اتنی زبردست ایکٹنگ کی۔ کہ آپ کو کیا بتاؤں ___ پھر بھی میں

نے سوچا کہ آپ کو فون کرکے تسلی کرلوں۔ کہ پارٹی ہے یا نہیں ___"

"وہ

چند لمحے رکے پیار بھری خوبصورت نظروں سے سبین کو دیکھا۔ جو اب بھی کسی حد تک سنجیدہ بیٹھی تھی۔

"لیکن ___" وہ خود ہی بولے "میں نے کنفرم کرنے کا ارادہ ترک ہی کر دیا۔ پارٹی ہوئی تب بھی تیری نہ ہوئی تب بھی ___ مجھے آپ کے پاس آنا ہی تھا ___"

"کیوں؟" سبین ایک دم سے بولی ___ اس کے لہجے میں حیرانگی اور طنز گھل مل تھا۔

مصطفیٰ نے شوخ سی نگاہ اس پر ڈالی۔ سر آہستگی سے ہلایا اور پھر ملائمت سے بولے "اس لئے کہ دل چاہتا تھا ___"

سبین کی آنکھوں میں حیرتوں کے طوفان تھے۔ اس نے پھر بھرپور نگاہ ان پر ڈالی او جانے کیسے اس کے منہ سے نکل گیا۔ "دل کو الٹے راستوں پر چلنے کی کیا سوجھی ___"

مصطفیٰ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولے۔ "سبین دل جب پوری ایمانداری اور خلوص سے کچھ کرنے کو کہے۔ تو اس کی بات ماننا ہی پڑتی ہے۔"

سبین کے گال قدرے سرخ ہوگئے۔ اس کی آنکھیں جھک گئیں۔ ان میں نمی تیرنے لگی وہ پاؤں سے قالین کو کریدتے ہوئے سر جھکائے بیٹھی رہی۔

چند لمحے مصطفیٰ خاموشی سے اسے تکتے رہے۔ پھر اٹھے اور گھوم کر اس کے صوفے کی پشت پر آگئے ___ دونوں ہاتھ پشت پر رکھ کر قدرے جھکے اور آہستگی سے بولے "سبین انسان غلطی کرے۔ اس کی سزا بھی بھگت لے۔ کیا تب بھی غلطی کی معافی نہیں ہو سکتی ___"

"آپ۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں ___" سبین کے گلے میں پھندہ سا پڑ گیا۔ اس نے سر ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر رکھ لیا ___ آنکھوں کی نمی سوتے بن کر ابلنے لگی تھی۔

"سبین۔" مصطفیٰ بے طرح بے چین ہوگئے ___ "میں اپنے ان الفاظ پر نادم

ہوں۔ جو میں نے آپ کے سامنے غیب سے کہے تھے۔ لیکن بخدا آپ اس کی مجھے کافی سے زیادہ سزا دے چکی ہیں ___ آپ نے تو اپنی راہیں ہی میری راہوں سے جدا کرلیں۔"

سبین ایک دم اٹھ کر کھڑی ہوگئی ___ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔ گال بھیگے ہوئے تھے۔ مصطفیٰ اس کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔

سبین نے بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ جی چاہا زور زور سے کہے مصطفیٰ میں بڑی کچی اور کھری لڑکی ہوں ___ میں اپنی انا کے معاملے میں بھی بڑی حساس ہوں۔ مجھے تم نے کیا سمجھا تھا۔

لیکن وہ کچھ بھی بول نہ پائی ___ گو وہ بڑی جرات مند اور کچی بات دو ٹوک کرنے والی لڑکی تھی۔ پھر بھی مصطفیٰ کے رویے نے۔ ان کی باتوں نے گنگ کر دیا۔

"سبین۔" مصطفیٰ جو اس سے دو فٹ کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ بے اختیاری سے بولے "کیا تم مجھے معاف نہیں کروگی؟"

سبین کے آنسو بڑے تواتر سے گالوں پر پھسلنے لگے۔ مصطفیٰ کو روتی ہوئی سبین اتنی پیاری لگی۔ کہ جی چاہا اسے سینے میں سمولیں۔ ان کے ہاتھ اٹھے بھی۔ لیکن بارگاہ حسن میں گستاخانہ جرات نہ کرسکے۔

اپنے دونوں ہاتھ مسلتے ہوئے انہوں نے بڑے دلفگار انداز میں اپنے رویے کی سبین سے معافی چاہی ___ اپنی محبت کا اعتراف کیا۔ اپنی بے چینیوں کا ذکر کیا ___ سبین نے جو ان سے غیریت کا رویہ اپنا لیا تھا۔ اس سے انہیں کتنی کوفت ہوئی تھی۔ وہ بغیر کچھ چھپائے بتاتے رہے۔

سبین گنگ سی کھڑی تھی آنسو اب بھی بہہ رہے تھے۔ جنہیں وہ بار بار ہاتھوں سے صاف کر رہی تھی۔

"تمہاری اس گھمبیر چپ اور اس طرح آنسو بہانے سے کیا سمجھوں سبین۔" جب ان کی مسلسل باتوں کے جواب میں بھی وہ کچھ نہ بولی۔ تو بڑی ہی بے چارگی سے مصطفیٰ نے

کہا۔

ثمین بے بسی سے تڑپی۔ لیکن اب بھی اس کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔
مصطفیٰ مایوس سے نظر آنے لگے ___ اسے یاس بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے "شاید میں نے یہاں آکر غلطی ہی کی ہے۔ مجھے معاف کر دینا تمہیں تکلیف دی۔ میں واپس چلا جاتا ہوں۔ ایک بات کہتا چلوں۔ میں نے جو کچھ بھی کہا ہے خلوص دل اور نیک نیتی سے کہا ہے۔ کبھی میری کوتاہی معاف کر سکو ___ تو ___ مجھے ___ آواز دے لینا ___"

وہ واقعی جانے کو مڑے

لیکن

ابھی تین چار قدم ہی اٹھائے تھے۔

کہ

بے ساختہ ثمین کے دونوں ہاتھ پھیل گئے اور وہ انتہائی بے قراری سے چیخی "مصطفیٰ۔"

مصطفیٰ اس آواز پر برق کی سی تیزی سے پلٹے۔ لپک کر ثمین کے سامنے آ کھڑے ہوئے

جو دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

وہ

چند ثانئے اسے تکتے گئے۔

ہچکیوں کے جھٹکے اس کے نازک وجود کو ہلا رہے تھے۔

"ثمین۔" مصطفیٰ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "تم نے مجھے آواز دی اور میں لوٹ آیا۔

کیا لوٹ آنے والوں کا سواگت اس طرح کرتے ہیں ___۔"

ثمین نے دوپٹے سے آنکھیں پونچھیں ___ یہ خوشی کے آنسو تھے جو آپوں آپ

بے جا رہے تھے۔ روتی آنکھوں ہی سے اس نے مصطفیٰ کو دیکھا۔ انہیں یوں لگا جیسے برستے بادل چھٹ گئے ہیں اور بڑی چمکیلی اور نکھری ہوئی دھوپ نکل آئی ہے۔

"بیٹھو۔" چند لمحے اسی انداز میں کھڑے رہنے کے بعد مصطفیٰ نے کہا تو وہ ہاتھوں سے اپنے بے قابو آنسو پونچھتے ہوئے بیٹھ گئی ___

"اب روئے ہی جاؤ گی۔ یا کچھ کہو گی بھی۔" مصطفیٰ اس کے عین سامنے صوفے پر بیٹھ گئے۔

ثمین نے بھیگی پلکیں اٹھائیں ___ اس کا چہرہ مسکرا رہا تھا ___ مصطفیٰ مسحور سے ہو گئے۔

کئی لمحے یوں ہی بیت گئے ___ مصطفیٰ کی نگاہوں کا والہانہ پن اور ثمین کی نگاہوں کا جھکنا اٹھنا ایک دلفریب انداز میں جاری رہا ___ دونوں کچھ نہیں بولے۔ لیکن ان گنت کہانیاں کہہ سن لی گئیں۔

پھر

سکوت ٹوٹا۔ جمود ٹوٹا۔ خمار ٹوٹا

تو

دونوں باتیں کرنے لگے۔ مصطفیٰ ہی زیادہ بولے گئے۔ ثمین تو ہوں ہاں ہی کرتی رہی۔

ہاں اس کا آنسوؤں سے دھلا چہرہ لوئیں دے رہا تھا اور اس کی حسین آنکھوں میں ستاروں کی چمک بھری تھی۔

روزہ کھلنے سے کوئی بیس پچیس منٹ پہلے اماں فضیلت ثمین کی افطاری بنانے کے لئے آئی۔ تو ثمین نے اس سے کہا "اماں ڈاکٹر صاحب بھی افطاری کریں گے۔"

"جی بہت اچھا۔" فضیلت نے اس نئے چہرے پر اک نگاہ ڈالی اور کچن کی طرف چلی گئی۔

اسے افطاری بنانے کا تردد نہیں کرنا پڑا ___

منیب اور ماہ نور افطاری کے لئے ڈھیر ساری چیزیں لے کر آ گئے تھے۔

آتے ہی منیب نے قہقہہ لگا کر مصطفیٰ سے کہا "کیسی رہی ون ڈش پارٹی والی بات۔"

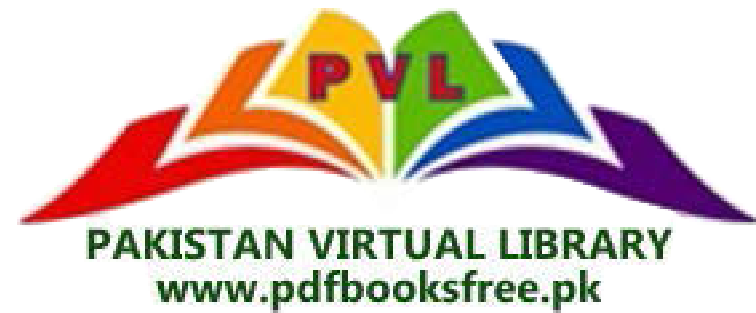
مصطفیٰ ہنس کر بولے "میں تمہارا ممنون احسان ہوں۔ میری مشکل تم نے حل کر دی۔"

انہوں نے ہاتھ بڑھایا۔ منیب نے ہنستے ہوئے ان کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا "مانتے ہو نا ___"

"مانتا ہوں یار مانتا ہوں۔" مصطفیٰ ہنسے اور ماہ نور کو دیکھ کر بولے "انہیں بھی مانتا ہوں تمہاری شریک کار کو ___"

سب ہنسنے لگے ـ ـ سبین کی مسکراہٹ بڑی شرمیلی تھی۔ ماہ نور خوشی سے اس سے لپٹ گئی۔

○ ○ ○



اگلے پانچ سات دن مصطفیٰ اتنے مصروف رہے۔ کہ سبین سے مل ہی نہ سکے۔ ہاں اس دن کی ملاقات کا سرور اور نشہ ابھی تک حواس پر چھایا تھا۔ ملاقات اب بے شک نہ ہوئی تھی۔ لیکن فون پر رات کو بات ہو جاتی تھی۔ سبین بھی بہت مصروف تھی۔ اس لئے ملنے کا موقع ہی نہ نکال پائی تھی۔

پھر بھی

دونوں بیحد خوش تھے۔

ایک دوسرے کے ہو جانے کا اقرار جو کر لیا تھا ___

اور

اپنی

انہی خوشیوں میں وہ اتنے مگن تھے۔ کہ منیب کے اداس چہرے کو دیکھ کر بھی نہ جان سکے۔ کہ کوئی سنجیدہ بات اس کی طبیعت کی شوخی کو ڈس رہی ہے۔ وہ اس دوران دو تین بار اسے ملے تھے۔ ایک دن فون پر بات ہوئی تھی۔ لیکن کچھ جانا بوجھا نہیں تھا۔

اس دن مصطفیٰ اپنے آفس میں بیٹھے ڈاکٹر طارق سے سرجری کے یونٹ کے متعلق کچھ باتیں کر رہے تھے۔ کہ منیب آ گیا۔

"ہیلو۔" مصطفیٰ نے پرتپاک انداز میں اس سے ہاتھ ملایا۔ ڈاکٹر طارق نے بھی اس سے مصافہ کیا ___

"کیسے آئے۔" مصطفیٰ نے پوچھا

"بس ___" منیب نے اداس سے لہجے میں کہا "فارغ تھا۔ سوچا تمہیں مل لوں۔"

"آپ دونوں ملئے میں چلتا ہوں۔" ڈاکٹر طارق اٹھتے ہوئے مسکرا کر بولا ___

"بیٹھیں آپ ___ " منیب نے کہا "کافی دنوں بعد آپ کو دیکھا ہے۔"

"کیا کریں۔ کام اتنا ہے کہ دم لینے کی فرصت نہیں۔ سرجیکل یونٹ کے کام کا آپ کو پتہ تو ہے۔"

"ہاں۔" منیب نے سرہلایا۔ مصطفیٰ اور اس نے ڈاکٹر طارق سے مصافحہ کیا۔ پھر وہ خدا حافظ کہتے ہوئے آفس سے نکل گیا ___

مصطفیٰ نے سامنے رکھی فائل بند کرکے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا "یہیں بیٹھو گے؟"

"ظاہر ہے روزے سے ہوں۔ کینٹین تو نہیں جاسکتا۔"

"ہوں ___"

منیب چپ ہوگیا ___ مصطفیٰ نے دائیں ہاتھ رکھے دو تین فارم سٹیپلر سے نتھی کرکے ایک طرف رکھ کر منیب کو دیکھا۔ تو آج پہلی بار اس کے چہرے پر کچھ دھندلکے سے نظر آئے۔ وہ لائیٹر کو ہوا میں اچھال اچھال کر پکڑ رہا تھا ___

مصطفیٰ نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ متوجہ نہ ہوا ___ اپنے کھیل میں مصروف رہا

تو

وہ بولے "منیب۔"

"ہوں۔"

"کیا بات ہے۔"

"کیوں۔"

"کچھ اپ سیٹ سے لگ رہے ہو ___"

منیب نے لائیٹر میز پر رکھ کر اس پر ہاتھ رکھتے ہوئے مصطفیٰ کو دیکھا اور بڑی الجھی آواز میں بولا "ہوں تو۔"

مصطفیٰ قدرے آگے کو جھک کر بولا "خیریت۔"

"ابھی تک تو نہیں۔" منیب نے مسکرانے کی ناکام سی کوشش کی۔

"کیا مطلب؟ کیا ماہ نور سے لڑائی ہوگئی ہے۔" انہوں نے ہوا میں تیر چھوڑا

"آں ___ " منیب نے پھر لائیٹر ہاتھ میں لے لیا۔ "لڑائی تو نہیں ہوئی۔"

"تو پھر ___"

"شاید ہو جائے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو ___ کھل کر کہو کیا ہوا ہے۔ معاملہ کچھ سنجیدہ لگتا ہے۔"

"بالکل ___"

"یعنی ___"

"یعنی یار۔" اس نے پھر لائیٹر اچھالا۔ "وہی بک بک۔ ماہ نور کے متعلق امی سے بات کی تھی ___"

"تم نے بتایا تھا ___ پھر کیا ہوا ___"

"پہلے تو ان کو اعتراض تھا۔ کہ جس لڑکی کا انہیں کچھ اتہ پتہ نہیں۔ وہ اس کی بات بھی کرنا سننا نہیں چاہتیں ___"

"تو پھر ___"

"پھر میں نے اتہ پتہ کروا کے انہیں بتا دیا۔ یار ماہ نور کسی امیر کبیر گھرانے کی لڑکی نہیں ایک متوسط گھرانے سے اس کا تعلق ہے۔ والد کرنل کامران کو پچیس سال پر ریٹائرمنٹ مل چکی ہے۔ اب وہ اسلام آباد میں کسی کمپنی میں جاب کر رہے ہیں۔ ریٹائرمنٹ پر ایک ایس۔ڈی وی ہاؤس یہاں لاہور میں ملا ہوا ہے۔ جسے کرایہ پر دے کر اسلام آباد میں ایک کوٹھی کا پورشن کرائے پر لے کر رہ رہے ہیں۔ ماہ نور کے دو چھوٹے بھائی ہیں۔ ایک میڈیکل کے تھرڈ ایئر میں ہے۔ اے ایم سی پنڈی میں دوسرا فرسٹ ایئر میں ہے۔ تینوں بچے لائق ہیں۔ ماہ نور نے کے ای سے میڈیکل کیا۔ کرنل صاحب کے پاس ایک کنال کا پلاٹ یہاں ڈیفنس میں ہے جو انہوں نے بیٹی کی شادی اور بچوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے رکھا ہوا ہے۔

مصطفیٰ چند لمحے چپ رہے

"پھر بولے۔" کہو تو میں ___ میں آنٹی سے بات کروں۔"

"تمہیں بھی وہ پٹ سے جواب دے دیں گی۔ کہ گھر میں رشتہ موجود ہے۔"

"وہ ___ وہ تمہاری کزن ___"

"وجیہہ کا ___ جس کے مزاج اور میرے مزاج میں زمین آسمان کا بعد ہے۔"

"تو یہ بات آنٹی سے کہو نا۔"

منیب پھیکی سی مسکراہٹ سے بولا ___ "کوئی ایک دفعہ کہی ہے ___"

"پھر بھی مصر ہیں ___"

"ہاں۔ ان کا خیال ہے۔ کہ اکلوتی اور لاڈلی ہونے کی وجہ سے وہ اس طرح کی ہے۔ ورنہ اس میں کوئی برائی نہیں ___"

"اور تمہارے ابو کیا کہتے ہیں ___"

"انہیں بھی وجیہہ پسند ہے۔ ظاہر ہے بھتیجی ہے۔ لیکن وہ امی کی طرح اپنے فیصلے کو آخری فیصلہ بنانے والے نہیں۔ میری مرضی کو بھی نگاہ میں رکھ کر رشتہ طے کرنے کے حامی ہیں۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔"

"لیکن امی ___ ضد پر اڑ جائیں تو کسی دوسرے کی نہیں سنتیں ___ انا کا مسئلہ بنا لیتی ہیں ___"

مصطفیٰ نے سرہلایا۔

"پرسوں تو امی بھڑک اٹھیں ___ غصے میں کہہ دیا۔ کہ جاؤ کرلو اپنی پسند کی شادی۔ اس میں ہم لوگ نہ تو شریک ہونگے۔ نہ تمہاری بیوی ہمارے گھر میں آئے گی۔"

"تو بات یہاں تک جاپہنچی ہے۔"

"تو اور ___" منیب نے گہری سانس لی "اور پریشانی کس بات کی ہے۔ یار مصطفیٰ میں ہر معاملے میں اپنی من مانی کرلیتا ہوں۔ لیکن شادی اسی طرح کرلوں یہ نہیں ہو سکتا

ہاں یہ ہے ان کی ساری کائنات۔ شرافت میں اس خاندان کا جواب نہیں۔ سب سے پوچھا تعریف ہی کی۔ میں خود بھی کرنل صاحب سے مل چکا ہوں۔ انتہائی نیک نفس انسان ہیں۔"

"آنٹی کو بتایا یہ سب کچھ ___"

"یہی تو کہہ رہا ہوں۔ سن نہیں رہے۔"

"پھر وہ کیا کہتی ہیں ___"

"کیا کہیں گی ___ ان کے امیر کبیر خاندان کے اکلوتے ڈاکٹر سپیشلسٹ بیٹے کے لئے یہ رشتہ کیسے موزوں ہو سکتا ہے؟"

"حد ہے یار ___ پتہ نہیں ہمارے بزرگوں کی سوچ کب اور کیسے بدلے گی۔"

"اسی کا تو رونا ہے۔ انہوں نے تو صاف انکار کر دیا ___۔"

"ماہ نور کو بتایا تم نے۔"

"اسے کیا بتاؤں۔ وہ بیچاری پہلے ہی ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی ہے۔ اس دن میں نے ذرا سی مایوسی ظاہر کی کہ امی کو منانا مشکل ہوتا جارہا ہے۔ تو اس نے رو رو کر برا حال کرلیا ___"

"ہوں ___"

دونوں چند لمحے چپ رہے۔ پھر مصطفیٰ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے۔ کچھ سوچتے رہے پھر بولے "ایک نصیحت کروں۔"

"کرو کوئی مشورہ دو ___ اسی لئے تو تمہارے پاس آیا ہوں۔"

"یار کچھ ہو جائے ___ ماہ نور کا ہاتھ پکڑا ہے تو چھوڑنا نہیں ___ سوائے اس کے کہ اس کے والدین امیر کبیر نہیں۔ اس لڑکی میں کیا برائی ہے ___ وہ ہرگز معمولی لڑکی نہیں۔ کے ای کی گریجوایٹ ہے۔"

"سب ٹھیک ہے۔ مجھے تو اس کے پس منظر سے قطعاً کوئی سروکار نہیں لیکن ___ امی ___"

___ میں کسی طور اپنے ماں باپ سے بغاوت نہیں کر سکتا ___"

"اور ان کی بات بھی نہیں مان سکتے۔"

"ہاں۔ میں ماہ نور سے بے وفائی کا مرتکب بھی نہیں ہو سکتا۔ ایک شریف اور معصوم لڑکی نے جو اعتماد مجھ پر کیا ہے۔ اسے بھی توڑنا میرے لئے ناممکن ہے۔"

"ہوں۔"

"ایک بار میں آنٹی سے مل کر کوشش کروں؟"

منیب نے نفی میں سر ہلایا پھر بولا "کچھ فائدہ نہیں۔ تم انہیں قائل نہیں کر سکو گے۔"

مصطفیٰ چپ رہے پھر اپنی کرسی پر آبیٹھے۔ وہ بار بار سر ہلا رہے تھے۔ منیب کے مسئلے کا حل انہیں سمجھ نہ آرہا تھا ___ وہ ماہ نور کے متعلق بھی سوچ رہے تھے۔ وہ کس حد تک منیب کی طرف بڑھ چکی تھی وہ جانتے تھے۔ مایوسی اس پر قیامت بن کر ٹوٹے گی۔ اس کا بھی انہیں احساس تھا۔

"منیب۔" وہ لمحوں کے توقف کے بعد بولے

"ہوں۔"

"ماہ نور کو ابھی امی کے صاف انکار کا نہ بتانا۔"

"یہی تو کشمکش ہے ___ اسے بتایا تو وہ ڈھے جائے گی۔ ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔"

"تم اپنی کوششیں جاری رکھو۔ ماہ نور کو تھوڑا بہت آگاہ کرتے رہو۔ اسے تسلی بھی دیتے رہو ___"

"وہ بڑی حساس ہے۔"

"مخلص لڑکیاں حساس ہوتی ہیں۔"

"ہوں۔"

منیب پھر میز کی سطح پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ مصطفیٰ گم صم بیٹھے رہے ___

"چلو چھوڑو یار ان باتوں کو۔" منیب نے کرسی پر پہلو بدلا "یہ معاملہ تو چلتا رہے

رہے گا۔ امی اگر کسی طور بھی نہ مانیں۔ تو میں بھی شادی نہیں کروں گا۔ ماہ نور سے نہیں ہوگی تو وجیہہ سے بھی نہیں کروں گا۔ تجرد کی زندگی کا تجربہ ہی سہی" وہ پھیکی سی ہنسی ہنسا۔ تو مصطفیٰ بھی زیرِ لب مسکرا دیئے۔

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد منیب نے کہا "ہاں تو تمہارا عید کا کیا پروگرام ہے۔ کراچی جارہے ہو ___"

"آں ___" مصطفیٰ نے ہاتھ بالوں میں پھیرتے ہوئے کہا "نہیں ___ عید یہاں ہی ہوگی ___"

"بیگم کی وجہ سے۔" منیب نے شوخی سے کہا

"اوہ نہیں یار ___ دراصل کنیزہ کی شادی عید کے مہینے کے آخر میں ہے۔ دو دو بار تو کراچی نہیں جاسکتا۔ شادی کے لئے چھٹی بھی لینا ہے۔ عید کی دو تو چھٹیاں ہیں۔ اس کے ساتھ چھٹی بھی نہیں لے سکتا ___"

"اچھی بات ہے ___ یہ عید ہمارے ساتھ منانا۔"

"ظاہر تم لوگوں کے ساتھ ہی مناؤں گا۔ دینو تو جارہا ہے اپنے بیوی بچوں کے پاس ___ پہلے تو اس کا ارادہ نہیں تھا ___ کیونکہ اس کا باپ اس کے بیوی بچوں کو لے کر آرہا تھا ___"

"اب کیا ہوا ___"

"باپ کچھ بیمار ہے ___ دینو عید بھی وہاں کرے گا۔ پھر بیوی بچوں کو لے بھی آئے گا۔"

دونوں کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر مسز انجمن کوئی فائل لے کر اندر آگئی

مصطفیٰ تھوڑی دیر کے لئے اس طرف متوجہ ہوگئے۔ منیب اٹھنے لگا۔ تو مصطفیٰ نے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا "فارغ ہو تو بیٹھو ابھی۔ یہ چند منٹ کا کام ہے۔"

منیب بیٹھ گیا۔

مصطفیٰ نے نازک سے سنہری فریم والی عینک لگا کر فائل دیکھی۔ مطلوبہ صفحے کو غور سے پڑھا۔ پھر اس پر اپنے دستخط کر دیئے۔

انہوں نے فائل سسٹر انجمن کی طرف بڑھا کر کہا "سر قیوم کے پاس لے جاؤ۔"

"یس سر۔" سفید کپڑوں والی نرس نے قدرے سر کو خم کیا اور کمرے سے نکل گئی۔

"ہوں۔" وہ منیب کی طرف متوجہ ہوئے۔ "مجھے تو تم نے پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ میں ماہ نور سے متعارف نہ ہوا ہوتا۔ تو شاید اتنی الجھن نہ ہوتی ___"

"ہاں منیب۔" جھٹ سے بولا "سنو ___"

"کیا۔"

"ثمین سے ابھی کچھ نہ کہنا۔ اس بات کا ذکر بھی نہ کرنا۔ وہ دونوں بڑی بے تکلف سہیلیاں ہیں۔ ثمین نے کہیں اسے بتا دیا تو ماہ نور ___"

مصطفیٰ نے بات کاٹی۔ "تم بے فکر رہو۔ میں سمجھتا ہوں سب کچھ ___ پہلے کہہ چکا ہوں نا مخلص لڑکیاں بڑی حساس ہوتی ہیں ___"

"ہاں۔"

چند لمحے دونوں پھر چپ ہو گئے ___ کئی لمحوں کے بعد منیب نے مسکرا کر مصطفیٰ کو دیکھا

اور

بولا "یار تمہیں خواہ مخواہ پریشان کر دیا ___ ہاں یہ تو بتاؤ تم اپنا مقدمہ عدالت عالیہ میں کب پیش کر رہے ہو ___"

مصطفیٰ مسکرائے تو منیب بولا "تمہیں اس سلسلے میں تو کوئی پریشانی نہیں _ "

مصطفیٰ ہنس کر بولے "ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا ___"

"ویسے تمہیں فیملی بیک گراؤنڈ کی تو کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔ ڈاکٹر ثمین کمشنر کی پوتی ہے۔ صاحب جائیداد ہے۔ تایا بیوروکریٹ ہیں اور رشتہ دار بھی میرے خیال میں سنہری پس منظر والے ہیں ۔ _ ثمین خود ڈاکٹر ہے ___"

مصطفیٰ نے مسکرا کر کہا "سب ٹھیک ہے اور یہ اس معاملہ میں پلس پوائنٹ بھی ہے۔"

"پھر تمہاری مشکل تو مشکل نہ ہوگی۔"

"شاید نہ ہی ہو ___" وہ بولے "لیکن ایک بات ہے۔"

"کیا۔"

"میری امی نے اپنی پسند اور معیار کی کسوٹی پر چار پانچ لڑکیاں پرکھ رکھی ہیں۔ یہ ٹکراؤ نہ ہو جائے ___"

"ہاں وہ بھی انا کا مسئلہ بنالیں تو پھر مشکل ہوگی۔"

"انا کا مسئلہ شاید نہ بنائیں۔"

"اچھا؟"

"ہاں ___ بھئی ہمارا خاندان پہلے ان معاملوں میں بڑا قدامت پسند تھا ___ ہماری ایک پھپھو ___ عفت پھپھو کا نام تو تم نے سنا ہوگا۔"

"ہاں۔ وہ جو آج کل کینیڈا میں ہیں ___"

"اس بیچاری نے کہیں اپنی پسند کی شادی کی تھی۔ بس ہمارے خاندان میں کہتے ہیں قیامت بپا ہو گئی تھی ___ ابو اور تایا نے جب تک اسے برباد کرکے گھر نہیں بٹھالیا تھا۔ چین سے نہیں بیٹھے تھے ___"

"اوہو ___ پھر تو تمہارا معاملہ؟"

"مجھے یقین ہے۔ کہ میرا معاملہ سہل رہے گا ___"

"کیسے؟"

"بھئی اب گھر والوں کا ایک ویک پوائنٹ ہے نا۔"

"وہ کونسا ___"

"فردا کی شادی کا ___ فردا کی شادی بھی پسند کی تھی۔ رولا غولا تو خوب مچا تھا۔ لیکن آخر سب مان گئے اور اب تو فردا کو اپنے گھر میں خوش و خرم دیکھ کر پھولے نہیں

سماتے۔ اعجاز کو تو سب سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ شاید عفت پھپھو کے ساتھ زیادتی کرکے سب کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ اب سارے کافی روشن خیال ہوگئے ہیں ___ دادو تو خاص کر۔ اپنی بیٹی کے ساتھ کی ہوئی زیادتی انہیں اب بھی بڑا دکھ دیتی ہے ___"

"عفت پھپھو کینیڈا میں کیا کرتی ہیں؟"۔

"ان کی شادی کردی تھی دادو نے ___ اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ وہاں رہتی ہیں۔ تئیس چوبیس سال ہوگئے وہاں ___ صرف ایک دفعہ دادی اماں کے مرنے پر آئی تھیں ___ بے اولاد ہیں وہ ___"

منیب نے مسکرا کر مصطفیٰ کو دیکھا اور بولا "خاصے لکی ہو ___ معاملہ امید افزا ہے۔"

"کافی حد تک ___ بات منوانے کے لئے یہی کافی ہے۔ کہ فردا اپنی پسند کی جگہ شادی کر سکتی ہے۔ تو میں کیوں نہیں ___"

"ہاں بھئی بات معقول ہے۔"

"ویسے ہمارے خاندان میں دو ایک کیس ایسے ہو بھی چکے ہیں۔ تایا ابو سب سے زیادہ پرانی روایتوں کے علمبردار ہیں۔ لیکن ان کے بیٹے ظہیر نے اپنی پسند کی شادی کی ہے۔ سارہ تایا ابو کے ایک دوست کی بیٹی ہے ___ لیکن ظہیر اور سارہ کی دوستی ہوگئی تھی ___ حالانکہ تایا ابو اس کی شادی میری ایک دوسری کزن سے کرنا چاہتے تھے۔ ایک اور کزن نے بھی اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کی ہے ___"

"تو تمہارا خاندان اس معاملے میں خاصہ روشن خیال ہو چکا ہے۔ تمہیں کوئی فکر نہیں کرنا چاہئے۔"

"نہیں ایسی بات بھی نہیں۔ امی اپنی بات منوانے کی کوشش تو ضرور کریں گی۔ اتنی دیر سے لڑکیاں تلاش کر رہی ہیں ___"

"لیکن تمہیں امید تو ہے کہ بالآخر منوا لوگے اپنی بات۔"

"بہت حد تک ___"

"سبین کے متعلق وہ لوگ کچھ جانتے تو نہ ہونگے۔"

"نہیں ___ ہاں کنیزہ سے کبھی اس کی کوئی بات کہہ دیتا ہوں۔ غائبانہ تعارف کروا دیا ہے اس سے ___"

"امی کو کب بتاؤ گے؟"

"کنیزہ کی شادی ہو جائے پھر اپنی بات کروں گا۔"

"اچھا بھائی ___ خدا تمہیں شادو آباد رکھے۔ ہمارے لئے بھی دعا کرنا ___"

"تم سے زیادہ میں ماہ نور کے لئے دعا کروں گا منیب۔ خدا اسے اپنے حفظ وامان میں رکھے اور کوئی دکھ نہ دے۔"

"آمین۔" منیب نے کہا۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا ___ اٹھتے اٹھتے بولا "آج افطاری باہر نہ کی جائے ___"

"چلو ___ چلیں گے۔" مصطفیٰ بولے

"سبین کو فون کر دینا۔ میں ماہ نور سے کہدوں گا" اس نے کہا۔ پھر ہوٹل اور وقت کا تعین کرکے منیب نے مصطفیٰ سے ہاتھ ملایا "شام ملیں گے۔"

"او کے۔" مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

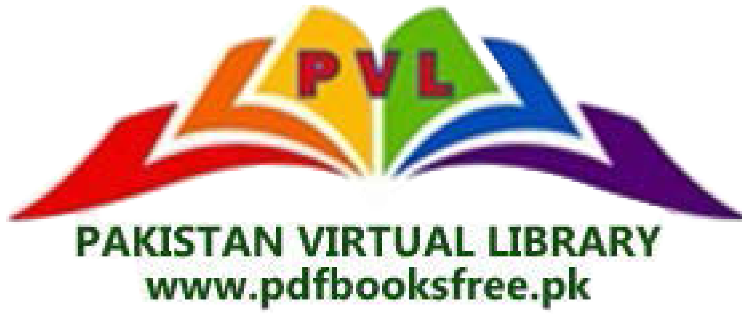
وہ آفس سے نکل گیا اور مصطفیٰ کرسی میں گر سے گئے۔ منیب کے حالات کی پریشانی نے انہیں آلیا ___

○ ○ ○

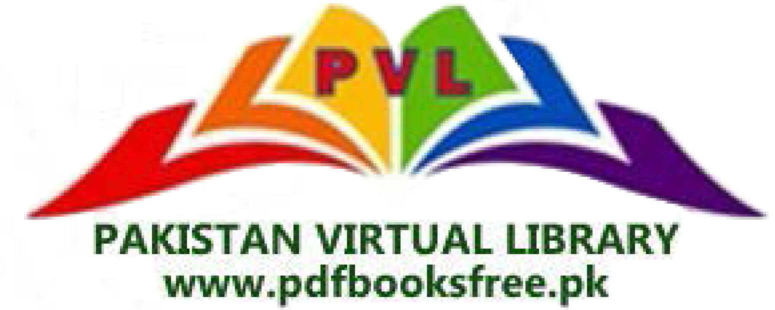
سبین

حصہ دوم

رضیہ بٹ



مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک انارکلی لاہور



میں ڈاکٹر بشرہ کی ممنون احسان ہوں جنھوں نے ہسپتال کے ماحول اور ڈاکٹری اصطلاحات سے میری مدد کی

"ماہ نور۔"

"جی۔"

عید کا کیا پروگرام ہے؟"

"میں اسلام آباد جا رہی ہوں۔ بدھ کو جاؤں گی۔"

"عید یہاں نہیں کر سکتیں۔"

"ہائے نہیں۔ عید تو گھر پہ ہی ہوگی۔ ویسے بھی گھر گئے مجھے تقریباً" دو ماہ ہو چکے ہیں۔"

"ہوں ___"

منیب اپنی انگلی کے گرد گاڑی کی چابی والا رنگ گھمانے لگا۔ وہ تھوڑی ہی دیر پہلے ماہ نور کے وارڈ کی طرف آیا تھا ___ تو وہ اپنا اوور آل پہنے سیتھو سکوپ ہاتھ میں لئے بیگ کندھے پر ڈالتی باہر آ رہی تھی۔

منیب کو دیکھ کر اس کے چہرے پر بہاروں کے رنگ آ گئے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے منیب کے چہرے کے دھندلکوں نے یہ رنگ مدھم کر دیئے ___

علیک سلیک کے بعد دونوں چلتے ہوئے برآمدے سے باہر آ گئے ___ اس طرف رش نہیں تھا۔ نہ ہی مریضوں کے لواحقین کی بھیڑ بھاڑ تھی اور نہ ہی نرسوں کی آمد و رفت ایک نیم خستہ سی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر منیب نے ماہ نور سے عید کے پروگرام کے متعلق پوچھا تھا۔ اسے پہلے ہی یقین تھا کہ وہ عید منانے اپنے گھر اپنے والدین اور بھائیوں کے پاس جائے گی ....

"آپ کی عید تو یہیں ہوگی نا۔" ماہ نور نے پوچھا "گھر یہاں ہے والدین رشتے دار

یہاں ہیں ___"

"ہاں ___ لیکن عید بے کیف ہی گزرے گی۔"

ماہ نور کے چہرے پر خوشی کے سائے لہرا گئے۔ اس کے بغیر منیب کی عید واقعی کیف ہی گزرے گی۔ لیکن اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے پوچھا "کیوں کیف گزرے گی۔"

منیب نے غور سے اس کو دیکھا۔ چند لمحے تکتا ہی رہا۔

ماہ نور جھینپ کر بولی "کیا ایک ٹک تکے جا رہے ہیں؟"

منیب نے ایک گہری سانس لی اور بولا "دیکھنے پر پابندی ہے کیا؟"

وہ مسکرا دی۔

تو منیب بولا "ماہ نور۔ میں آج کل بڑا اپ سیٹ ہوں۔"

ماہ نور کچھ سنجیدہ نظر آنے لگی۔ ڈرتے ڈرتے بولی "امی سے پھر جھگڑا تو نہیں ہوا۔'

منیب زہر خند سے بولا "وہ تو اس وقت تک ہوتا رہے گا۔ جس وقت تک ہم دونوں میں سے کوئی ہتھیار نہ ڈال دے۔"

ماہ نور اداسی سے بولی "منیب ہمارا کیا ہوگا ___ اگر آپ کی امی نہ مانیں تو ___"

"یہی بات تو مجھے پریشان کرتی رہتی ہے ___ ابو اور نوشی بھی میرے ساتھ ہیں۔ لیکن امی ___"

ماہ نور پریشان نظر آنے لگی۔

"لیکن ___" منیب سیدھا کھڑے ہوتے ہوئے بولا "ہتھیار ڈالنے والا میں بھی نہیں ___"

وہ مسکرایا

تو

ماہ نور کو کچھ حوصلہ ہوا ___

چند لمحے دونوں چپ رہے۔ پھر منیب نے جانے کو قدم اٹھاتے ہوئے اس سے پوچھا

"فری ہوگئی ہو ___"

"ابھی نہیں ___"

"کب تک کام ہے۔"

"دو گھنٹے تک۔"

"ٹھیک ہے۔" منیب نے گھڑی دیکھی اور بولا "دو گھنٹے بعد میں آجاؤں گا۔"

"کہاں۔"

"تمہیں لینے۔"

"کہیں جانا ہے۔"

"لبرٹی چلیں گے۔"

"کیوں؟۔"

"جاؤ گی تو پتہ چل جائے گا۔"

"کیا مطلب۔"

"بھئی عید آرہی ہے۔ دوستوں رشتہ داروں کے لئے کچھ تحائف لینے ہیں۔ تم پسند کرنے میں میری مدد کرنا ___"

ٹھیک ہے۔"

"اچھا میں چلتا ہوں۔ ٹھیک دو گھنٹے بعد آجاؤں گا ___۔"

"ہوں۔"

دونوں ساتھ ساتھ چلتے برآمدے تک آئے۔ پھر ماہ نور سامنے والے وارڈ میں چلی گئی۔ اسے ڈاکٹر سلیم انور سے ملنا تھا

منیب اپنی راہ پر گامزن ہوگیا ___

شام دونوں لبرٹی میں تھے۔ ماہ نور نے بھی اپنے بھائیوں کے لئے چھوٹے چھوٹے تحفے لینا تھے۔ منیب نے پتہ نہیں کیا کچھ لینا تھا۔

دو ایک دکانوں میں گھومنے پھرنے کے بعد منیب اسے ایک بوتیک میں لے آیا ___

عید کے لئے نیا مال آیا ہوا تھا۔ نئے فیشنوں اور ڈیزائنوں کے رنگا رنگ زنانہ ملبوسات ہینگروں پر منگے ریوالونگ سٹینڈوں پر لٹک رہے تھے۔ بوتیک کے اندر کافی رش تھا۔ عورتیں اور لڑکیاں سٹینڈوں کو گھما گھما کر مختلف لباس دیکھ رہی تھیں۔ کچھ خرید رہی تھیں۔ کچھ کاؤنٹر پر کپڑے پیک کروا رہی تھیں۔ کچھ بھاؤ تاؤ کر رہی تھیں ___

"کوئی اچھا سا ڈریس دیکھو۔" منیب نے ماہ نور سے کہا۔

"کس کے لئے لینا ہے؟" ماہ نور نے ہینگر ادھر ادھر کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم پسند تو کرو ___ "

"بھئی جب تک پتہ نہ چلے کس عمر کی خاتون کے لئے لینا ہے ڈریس۔ میں کیسے پسند کر سکتی ہوں ___ "

منیب مسکرایا اور ہولے سے بولا "اپنی عمر کے لئے پسند کرو ___ جو تم پر سوٹ کرے۔"

"ہائے نہیں ___ " ماہ نور ایک دم سے پیچھے ہٹ گئی۔

"ہائے کیوں نہیں۔" منیب نے اس کی نقل اتاری۔ ماہ نور کچھ جھینپ سی گئی ___ لیکن اس کے نہ نہ کے باوجود منیب نے اس کے لئے خوبصورت کڑھائی والا جوڑا خود ہی پسند کر لیا ___ پھر پیک کروا کے اسے دیتے ہوئے بولا "عید کا چھوٹا سا گفٹ۔"

ماہ نور نے لفافہ تھام تو لیا۔ لیکن وہ ہچکچا رہی تھی۔ منیب کاؤنٹر پر ادائیگی کر کے اس کی طرف مڑ ہی رہا تھا۔ کہ اس کی نظر اپنی کزن وجیہہ پر پڑی۔ جو پتہ نہیں کتنی دیر سے یہاں تھی اور منیب اور ماہ نور کو دیکھ رہی تھی۔

ایک لمحہ کو منیب کھسیانہ سا ہوا۔ پھر ماہ نور کی طرف دیکھتے ہوئے دونوں کا تعارف کروانے کے لئے بولا "میری کزن وجیہہ اور یہ ڈاکٹر ماہ نور ___ میری کولیگ۔"

اس نے وجیہہ کے چہرے پر نگاہ ڈالی جس پر کوئی خوشگوار تاثرات نہ تھے۔

اس نے بڑے طنزیہ انداز میں ماہ نور کو دیکھا اور منیب سے بولی "آپ کی دوست سے میں پہلے بھی مل چکی ہوں "

"ہاں۔" ماہ نور نے جلدی سے کہا "آپ کے ہاں بسنت کے دن نوشی نے ان سے ملوایا تھا۔"

"خوب۔" منیب نے مسکرا کر کہا۔ لیکن وجیہہ کے چہرے پر سنگین سے تاثرات تھے۔ وہ ماہ نور کو اچھی نظروں سے نہ دیکھ رہی تھی۔ ماہ نور خود بھی خفت محسوس کر رہی تھی۔ جانے کیوں اسے یہ احساس ہو رہا تھا۔ کہ چوری کرتے پکڑی گئی ہو ___

وجیہہ بالوں کو اک جھٹکے سے پیچھے کرتی بڑے سے بیگ کا سٹریپ کندھے پر ٹھیک کرتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ نہ تو اس نے منیب سے نہ ہی ماہ نور سے الوداعی الفاظ کہے۔

وہ دونوں بوتیک سے باہر نکل آئے۔

"یہ غالباً آپ کی رشتہ دار ہیں۔" ماہ نور نے لفافہ سنبھالتے ہوئے پوچھا

"میری فرسٹ کزن ہے ___ اور ___ ۔" منیب کچھ کہتے کہتے رک گیا

"اور ___ ؟" ماہ نور نے برآمدے میں چلتے چلتے پوچھا

"اور میری امی کی پسندیدہ ___ ان کی خواہش کے مطابق ان کی ہونے والی بہو۔" منیب نے تلخی کو تمسخر میں ڈھالتے ہوئے کہا

ماہ نور کے چہرے کی روشنیاں ایک لمحہ کو گم ہو گئیں۔ چند لمحے وہ چپ چاپ قدم اٹھائے گئی۔ وہ ذہنی آنکھوں سے وجیہہ کو دیکھ رہی تھی۔ جینز پر مردانہ شرٹ پہنے۔ کندھوں تک کٹے بالوں والی ماڈرن سی لڑکی ___ جو منیب کی کزن بھی تھی اور اس کی امی کی پسندیدہ بھی ___ پتہ نہیں کیوں اس مغرور سی خوبصورت لڑکی کے سامنے اسے اپنا آپ بڑا بودہ سا لگا ___

اس کی چپ کو منیب نے محسوس کیا۔ تو تسلی دینے کے لہجے میں بولا "کن بھول بھلیوں میں گم ہو گئیں۔ وجیہہ کو دیکھ کر تم اتنی متفکر مت ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہولے سے کہا "مشکل ہی لگتا ہے "

منیب مسکرا کر بولا "ہے تو مشکل۔ لیکن ہر مشکل آسان ہونے ہی کے لئے تو ہوتی ہے۔"

"پتہ نہیں ___"

"جب پتہ نہیں تو پیش از وقت افسردہ ہونے سے کیا فائدہ ___ ہنستے کھیلتے ہمیں اس مشکل کا سامنا کرنا ہے ___"

وہ چپ ہو گئی ___

دونوں کچھ دیر وہیں گھومتے پھرتے رہے۔ چند دکانوں سے چھوٹی موٹی چیزیں لیں۔ پھر گاڑی کی طرف آ گئے ___

منیب گاڑی نکال رہا تھا۔ کہ برآمدے سے آتی وجیہہ پر پھر نظر پڑی۔ وہ دونوں کو ساتھ بیٹھے دیکھ رہی تھی ___ منیب محسوس کر رہا تھا۔ کہ اب گھر میں کوئی بڑا طوفان ضرور اٹھے گا۔ لیکن اپنا خدشہ اس نے ماہ نور پر ظاہر نہیں کیا ___

ماہ نور بھی اب بہل گئی تھی۔ وہ یہاں گھومنے پھرنے سے محظوظ ہو رہی تھی۔ عید کا رش تھا۔ لوگ عید کی خریداریوں میں مصروف تھے۔ جوان بوڑھے بچے سب خوشی خوشی عید کے لئے چیزیں خرید رہے تھے ___ ہر دکان پر رش تھا ___ برآمدوں کے دروں میں رکھے ہوئے چھوٹے چھوٹے کھوکھوں پر بھی خریداروں کا ہجوم تھا۔ جوں جوں شام ڈھل رہی تھی اور رات اتر رہی تھی رش بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

منیب ماہ نور کو کھانے پر بھی لے گیا۔ دونوں نے کھانا چائنیز ریسٹورانٹ تائیوا میں کھایا ___

جب ماہ نور واپسی لوٹی تو رات کے دس بج رہے تھے۔ وہ ہوسٹل میں اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ کہ ثمین کے کمرے میں بتی جلتی نظر آئی۔ اس کی نائٹ ڈیوٹی تھی اس لئے گھر جانے کی بجائے یہیں رہ گئی تھی۔

ماہ نور شاپنگ بیگ اٹھائے ادھر ہی چلی آئی۔

ثمین کمرے ہی میں تھی اور کوئی موٹی سی کتاب کرسی میں بیٹھی پڑھ رہی تھی۔

ماہ نور نے اندر آتے ہی پرجوش طریق سے سلام کرتے ہوئے کہا "آج نائٹ ڈیوٹی ہے۔"

ثمین نے یہ کتاب بند کر کے اسے دیکھا اور اس کے جوشیلے سلام کا جواب دیتے ہوئے بولی "کہاں گئی تھیں تم ___"

"لبرٹی۔"

"اکیلی؟"

وہ ادائے دلربائی سے بولی "اکیلی جا سکتی ہوں؟۔"

"کس کے ساتھ گئی تھیں۔" ثمین نے اس کی طرف دیکھا۔ جو لفافے ثمین کے بستر پر رکھتے ہوئے خود بھی بیٹھ رہی تھی۔ ثمین کے سوال پر مسکرا کر بولی۔ "کس کے ساتھ جا سکتی ہوں۔"

ثمین نے سر ہلایا اور شوخ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "اچھا۔ ڈاکٹر منیب کے ساتھ تھیں۔ کھانا بھی ضرور کھا کے آئی ہو گی ___"

"بالکل ___ تائیوا میں کھایا ___" وہ اترائی

"اور خرید و فروخت کیا کی۔" ثمین اٹھ کر چارپائی کے قریب آ گئی ___

"میں نے بھائیوں اور امی ابو کے لئے چھوٹی چھوٹی چیزیں خریدیں۔"

"یہ لفافہ تو کافی بڑا ہے۔"

"یہ ___ یہ۔" ماہ نور نے لفافے میں سے ریڈی میڈ سوٹ نکالا ___ "یہ سوٹ ہے۔"

"دکھائی دے رہا ہے۔"

"کیسا ہے۔"

ثمین نے سوٹ پھیلا کر دیکھا۔ رنگ اور کڑھائی دونوں ہی اسے پسند آئے "کتنے کا ہے؟۔"

"پتہ نہیں۔" ماہ نور مسکرائی۔

"کیوں۔" ثمین نے حیرانگی سے اسے دیکھا

"یہ گفٹ ہے۔ منیب نے عید کا پریزنٹ دیا ہے۔" وہ مسکرائے جارہی تھی۔

ثمین نے سوٹ واپس رکھ دیا ___ اسے ماہ نور کی بات کچھ اچھی نہ لگی۔ ماہ نور آنکھیں بند کئے جس طرح منیب کی طرف بڑھ رہی تھی وہ جانتی تھی۔ منیب کے گھریلو حالات جیسے تھے اس کا بھی اسے علم تھا۔ مصطفیٰ نے منیب کے خدشے اور وسوسے اسے بتائے ہوئے تھے۔ ان حالات میں ماہ نور کا منیب سے اتنا بے تکلف ہونا کچھ ٹھیک نہ تھا ___ اگر منیب کی امی اپنی بات پر اڑی رہیں اور ماہ نور کو قبول کرنے سے انکار حقیقت بن گیا تو ماہ نور کی پوزیشن کیا ہوگی ___ کیا وہ اتنا آگے بڑھ کر واپس لوٹ سکے گی۔ یہ سچائی اس کے لئے کتنی تلخ ہوگی۔ رسوائی کا باعث بھی بن سکتی تھی۔ اس لئے ثمین کے خیال میں اسے بہت محتاط رہنا چاہئے تھا۔ لوگ تو ویسے بھی بات کا بتنگڑ بنا لیتے ہیں ___ ناکامی کی صورت میں تو کہانیاں گھڑی جائیں گی ___

ثمین یہ ساری باتیں چپ کھڑی سوچ گئی۔ لیکن ماہ نور سے کچھ نہیں کہا۔ اس کا اپنا معاملہ بھی تو ایسا ہی تھا۔

مصطفیٰ اور وہ دونوں بھی تو اتنے قریب آچکے تھے۔ کہ اب دوری محال تھی۔ منیب نے تو معاملہ ماں باپ کے سامنے رکھ دیا تھا۔

لیکن

مصطفیٰ نے تو ابھی اپنی پسند اور اپنی محبت کا تذکرہ اپنے گھروالوں سے کیا ہی نہ تھا۔ کیا پتہ اس سلسلے میں ان کا رویہ کیسا ہوگا۔ بیٹے کی پسند کو وہ بھی قبولیت کا درجہ دینے کو تیار ہونگے یا نہیں۔ دیکھا اکثر یہی گیا تھا ___ کہ آج کل بھی روشن خیالی کے باوجود ماں باپ شادی بیاہ کے معاملے میں بچوں پر اپنی پسند ٹھونسنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔

اگر

مصطفیٰ کے والدین بھی ایسے ہوئے ___ تو۔

ثمین نے گھبرا کر سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔

ماہ نور کپڑے تہہ کرتے ہوئے نظریں اٹھا اٹھا کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"ثمین۔" کچھ دیر بعد وہ بولی

"ہوں۔" ثمین کرسی کی طرف پلٹی۔

"میرا گفٹ لینا تمہیں اچھا نہیں لگا نا۔"

"نہیں ___ ایسی تو کوئی بات نہیں ___"

ماہ نور اس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے بولی "میں کب لے رہی تھی۔ وہ تو منیب نے زبردستی اپنی پسند سے یہ خرید لیا۔"

ثمین نے معاملے کی تلخی نگلتے ہوئے قدرے مسکرا کر کہا "تم اسے کیا دو گی۔"

ماہ نور مسکرائی۔ پھر ایک چھوٹا سا ڈبہ اٹھا کر اسے دکھاتے ہوئے بولی "یہ عام سا پرفیوم لیا ہے۔ میرے پاس زیادہ پیسے ہی نہیں تھے"

ثمین ہنس پڑی

پھر

بولی "ٹھیک ہے حصہ بقدر جسہ۔"

دونوں کچھ دیر باتیں کرتی رہیں۔ پھر ماہ نور نے شوخی سے کہا "تمہارے لئے بھی تو مصطفیٰ پریزنٹ لائیں گے ___"

ثمین نے سر ہلا کر کہا "کوئی ضروری نہیں۔ ان کی طرف سے ایک کارڈ ہی کافی ہوگا۔"

"اور تمہاری طرف سے۔"

"صرف عید کارڈ۔"

"دیکھ لونگی۔" ماہ نور نے اپنے پیکٹ سمیٹے۔ "تم دونوں ہی مالدار آسامیاں ہو۔ اچھے تحائف کا یہ تبادلہ ہوگا ___"

"ہونا تو نہیں چاہئے۔" ثمین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"ماہ نور۔"

"ہوں۔"

"ہم دونوں ڈولتی کشتیوں میں سوار ہیں۔ کیا پتہ یہ کشتیاں کنارے لگتی ہیں۔ درمیان ہی میں ڈوب جاتی ہیں ___ "

ماہ نور تھوڑی دیر کیلئے چپ ہو گئی ___ پھر اٹھتے ہوئے بولی "ڈوبنا ہوا تو ڈو جائیں گے۔ کنارے لگنا ہوا تو لگ جائیں گے۔ مستقبل کا سوچ سوچ کر حال کی خوشیوں کیوں گلے نہ لگائیں۔"

یمین مسکرا دی ہولے سے بولی "بڑی بہادر ہو ___ "

"جب قدم اٹھا ہی لئے ہیں۔ تو بہادری سے فاصلے طے کرنے چاہئیں۔"

"خوب۔" یمین نے ماہ نور کو مسکرا کر دیکھا۔ وہ اپنے کمرے میں جا رہی تھی

"شب بخیر۔" ماہ نور نے کہا

جواباً یمین نے بھی شب بخیر کہا۔ ماہ نور کمرے سے نکل گئی۔

یمین واپس کرسی میں آ بیٹھی۔ گھڑی پر وقت دیکھا۔ ابھی وارڈ میں جانے میں تھی۔ وہ بستر میں لیٹنا نہیں چاہتی تھی۔

مبادا

نیند آ لے اور وہ یہیں پڑی سوتی رہ جائے۔

اسی لئے

اس نے کتاب اٹھائی۔ اور وہی باب کھول کر پڑھنے لگی۔ جسے ماہ نور کے آنے چھوڑا تھا۔ اس کے ایک بیڈ پر آج کل چالیس بیالیس سالہ خون کے سرطان کا مریض ہوا تھا۔ اس وقت وہ اسی کے حوالے سے کتاب میں لیقومیا کے متعلق ہی پڑھ رہی تھی ماہ نور کے آنے سے پہلے وہ پوری توجہ سے اس خوفناک بیماری کے متعلق پڑھ ر تھی۔

لیکن

اب

دھیان اس طرف نہیں تھا۔

وہ

اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

کیا

وہ مصطفیٰ کو پالے گی ___

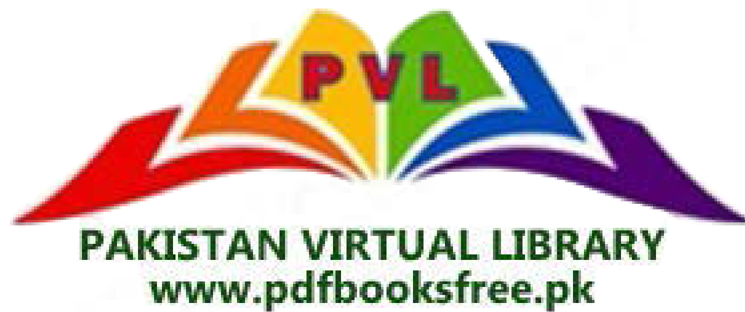
مصطفیٰ جو اب اس کی زندگی کا سب سے بڑا اثاثہ تھے۔ جنہیں وہ دل کی گہرائیوں سے پیار کرنے لگی تھی ___

جو اس کا سب کچھ تھے

اور

جن کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں تھی۔

○ ○ ○



مصطفیٰ اس وقت ڈاکٹرز کے ریٹائرنگ روم میں تھے۔ سیمن بھی ان کے بلانے پر
آگئی تھی۔ وہ خوبصورت پرنٹ کے کپڑوں پر سفید اوور آل پہنے تھی۔ بیگ اور
سکوپ ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے۔ جنہیں کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے درمیانی میز پر ر
تھا۔ اتفاق سے اس وقت وہاں وہ دونوں ہی تھے۔ ویسے بھی اس کمرے میں سینئر ڈا
بیٹھتے تھے۔ آج آخری ورکنگ ڈے تھے۔ کل سے عید کی چھٹیاں ہو رہی تھیں ___
لئے سب اپنے کام میں لگے تھے۔ اس کمرے میں تو وہ لوگ فرصت کے وقت ہی
تھے۔

آج موسم خاصہ خوشگوار ہوگیا تھا۔ رات آندھی اور جھکڑ چلنے کے بعد خاصی
بارش ہوئی تھی۔ جس سے ایکا ایکی بڑھتی گرمی کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ اس وقت بھی آسما
بادلوں کے اودے نیلے اور سفید ٹکڑے تیرتے پھر رہے تھے۔ جو کبھی آپس میں گھ جو
لیتے تو سورج کا چہرہ ڈھانپ لیتے۔ چمکتی دھوپ مدھم پڑ جاتی اور گرمی کی حدت و شد
میں کمی آجاتی۔ ہلکی ہلکی ہوائیں بھی چل رہی تھیں۔ جن کے سینے میں رات کی بارش
وجہ سے ٹھنڈک اتری ہوئی تھی۔ کھلی کھڑکیوں سے جب لہرا کر اندر آتیں۔ تو ان
ساتھ باہر لگے درختوں اور پودوں کی ہلکی سی مہک بھی اندر در آتی۔ سبزے اور پھولوں
مہک کا امتزاج دلوں کو بے حد بھا رہا تھا۔

سیمن نے ڈاکٹر مصطفیٰ کی طرف دیکھا۔ جو فان کلر پینٹ کے ساتھ آف وائٹ قمیـ
پہنے بڑے سمارٹ نظر آرہے تھے۔ ان کی شخصیت تو ویسے بھی جاذب نظر تھی۔ سیمن
نظریں جس زاویے سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ ان کا اپنا ہی انداز تھا۔ بس دل بـ
اترے جارہے تھے۔

مصطفیٰ پر بھی کچھ ایسی ہی کیفیات کا اثر ہو رہا تھا۔ ایک ٹک اسے تکے جارہے تھے۔
گل من موہنی۔ کیسی گریس فل اور کتنی حسین لگ رہی تھی وہ
"سیمن۔" وہ اس کے قریب آکر بولے
"جی۔" اس نے ان کی طرف مسکرا کر دیکھا
"اس وقت فارغ تھیں نا۔"
"جی ___ سر قیوم راؤنڈ لے کر جاچکے تھے۔ میں نے بھی اپنے سارے پیشنٹس دیکھ
لئے۔"
"میں فارغ تھا۔ اس لئے تمہیں بلا بھیجا ___ تم سے باتیں کرنے کو جی چاہ رہا

سیمن کے گال کچھ تمتما اٹھے ___ وہ الہڑ لڑکی نہیں تھی۔ پچیس سالہ میچور ڈاکٹر
تھی۔ لیکن فطری حیا اپنی جگہ تھی۔ مصطفیٰ سے اب گو بے تکلف تھی۔ پھر بھی کبھی کبھی
ان کی باتوں سے حجاب آجاتا تھا۔
مصطفیٰ گھوم کر دوسری کرسی پر آن بیٹھے ___ پھر دونوں ہاتھ الجھاتے ہوئے بولے
"کل سے عید کی چھٹیاں ہیں ___"
"جی ___ لیکن میری تو عید کی رات کو ڈیوٹی ہے۔"
"اچھا۔"
"ہاں۔"
مصطفیٰ ہنس کر بولے "مدد کی ضرورت ہو تو میں آجاؤں گا ___ میں تو یہیں ہوں
یہیں پر گھر نہیں جارہا ___"
سیمن سنبھل کر بولی "جی شکریہ۔ میں اپنی ڈیوٹی بخوبی دے لیتی ہوں۔ ویسے آپ کو
کیا یہ کچھ بور لگے گی؟"
وہ جھٹ سے مسکرا کر بولے "تم چاہو تو نہیں بھی لگ سکتی۔"
وہ انہیں دیکھ کر صرف مسکرا دی۔

"بھی پردیسی ہوں۔ یہاں والوں کا فرض ہے۔ کہ ہمیں بھی انٹرٹین کریں۔"

"بالکل ___"

"کیا کر سکتی ہوں میرے لئے"

وہ مسکرائی "جو آپ چاہیں"

"میں تو چاہوں گا۔ تم سارا دن میرے ساتھ گزارو ___"

اس نے مسکراتے ہوئے شوخ نظروں سے انہیں دیکھ کر نفی میں سر ہلایا اور

"صبح سے دوپہر کے کھانے تک تو میں فارغ نہیں۔ عید کا کھانا تایا جان کے ہاں ہوتا
سب لوگ وہیں جمع ہوتے ہیں۔ گو میری وہاں موجودگی عدم موجودگی برابر ہوتی ہے
بھی میں اپنا فرض مستعدی سے نبھاتی ہوں ... کزنز کے ساتھ وقت اچھا گزر
ہے۔"

مصطفیٰ اس کی بات پر چند لمحے چپ رہے
پھر
اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولے "بیٹی ___ تمہارے ان عزیزوں کا تمہار
ساتھ ایسا رویہ کیوں ہے؟"

وہ ایک دم کچھ نہ کہہ سکی۔ چہرے پر افسردگی لہرا گئی۔ اس نے سر جھکا لیا۔ اس
اپنے ان عزیزوں کے سلوک کے متعلق تھوڑا بہت مصطفیٰ کو بتایا ہوا تھا۔

"ہوں۔" مصطفیٰ اب بھی اسے غور سے دیکھ رہے تھے ... بولے "تم ایک ا
لڑکی اور اتنا بھرا پرا کنبہ ... رہتی بھی اکیلی ہو۔ حالانکہ تمہارے تایا تائی ساتھ والے گ
میں رہتے ہیں تمہیں وہ اپنے ساتھ بھی رکھ سکتے ہیں ___"

وہ بولی "دراصل میں اپنے دادا جان کے ساتھ یہاں ہی رہتی تھی۔ اماں فضیلت ا
چوکیدار بابا کے ساتھ ... ان کے فوت ہونے کے بعد بھی معمولات وہی رہے ___"

"جو بھی تھا۔ دادا جان کے بعد تم اکیلی رہ گئی تھی۔ کیا ان لوگوں نے تمہیں ا
ہاں رہنے کے لئے نہیں کہا ___"

اس نے سر اٹھایا اور اداس نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"حیرانی کی بات ہے۔ کیسے لوگ ہیں یہ"

"پتہ نہیں ___ میں بھی بہت سوچا کرتی تھی ان کے رویے کے بارے میں ___
شان ہوا کرتی تھی رویا کرتی تھی۔ لیکن کبھی کچھ سمجھ نہ پائی ... اسی مفروضے پر یقین
لیتی۔ کہ میرے ماں باپ حادثے میں مرگئے ... اس لئے روایتی سوچ والوں کی طرح
لوگ مجھے منحوس سمجھنے لگے ہوں گے۔"

"لیکن تمہارے دادا نے تو ___"

"ہاں۔" وہ بات کاٹ کر بولی "اس میں کوئی شک نہیں میرے دادا نے مجھے بہت
ار دیا۔ ماں باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ ان لوگوں کے اس سرد اور بے مہر رویے
ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے ___ کہ دادا ان کے بچوں سے زیادہ مجھے پیار کرتے
ے۔"

"دادا کی کمی تو تم نے بہت محسوس کی ہوگی۔"

"اب تک یہ کمی محسوس ہوتی ہے۔ دادا بےحد شفیق اور پیار کرنے والے انسان
ے۔"

"ان کے ہوتے تو یہ لوگ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہ کر سکتے ہوں گے ___"

"آں ... زیادتی تو اب بھی نہیں کرتے ___ بس پتہ نہیں ___ ان کے رویوں
کیا نام دوں۔ بس میری کسی بات میں دخل نہیں دیتے۔ کسی بات سے منع نہیں کرتے
کسی برائی سے روکنے کے لئے سمجھایا کبھی نہیں روکا ٹوکا نہیں ___ بس بے مہر سا
ہوتا ہے۔ پیٹھ پیچھے خوب برائیاں کرتے ہیں۔ یہ میں جانتی ہوں ___ اس کی ایک
یہ بھی سمجھ میں آتی ہے۔ کہ دادا ابو نے میرے والدین کی جائیداد میں سے جو حصہ
ے نام بنتا تھا ... وہ میرے نام رجسٹر کروا دیا ___ دو حصے میرے بھائی کے نام ایک
میرے نام ___"

"تمہارا ___ تمہارا بھائی بھی ہے۔"

وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی "ہاں۔ مجھ سے سات آٹھ سال بڑا ہے۔ جب امریکہ گیا ہے لوٹا نہیں۔ اب تو سنا ہے اس نے کسی گریک عورت سے شادی بھی ہے۔ برسوں بعد کبھی فون کر لیتا ہے۔"

مصطفیٰ کو اس بیچاری سی سبین پر بڑا ہی ترس آیا۔ کیسے ناخوشگوار حالت میں و رہی تھی ___ دل چاہا اس کی ساری بیچارگیاں اپنے اندر اتار لیں۔

کچھ دیر دونوں یہی باتیں کرتے رہے۔ جب مصطفیٰ نے محسوس کیا۔ کہ سبین زیادہ ہی افسردہ ہوتی جارہی ہے۔ تو وہ کرسی سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے۔ سبین میں رکھے اپنے نرم و خوبصورت ہاتھ مسلتی رہی۔

"سبین۔" بالآخر مصطفیٰ نے کہا

"جی۔" اس نے جھکا ہوا سر اٹھا کر بھیگی بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھا

"اوہ ___" وہ جلدی سے اس کی کرسی کی پشت پر آکر اس پر اتنا جھک گئے۔

ان کا چہرہ سبین کو کندھے سے مس ہوتا محسوس ہوا۔ وہ کرسی میں پہلو بدل کر بیٹھ گئی۔

"سبین دیکھو۔ تم تو بڑی بہادر لڑکی ہو۔ سالہا سال سے ان حالات کا مقابلہ کر ہو۔

تمہاری آنکھوں میں نمی نہیں آنی چاہیے۔ حالات سے نپٹنے کا عزم ہونا چاہیے۔ نے چاہا تو بہت جلدی تمہاری ان محرومیوں کا ازالہ ہو جائے گا ___"

پھیکے سے تبسم سے سبین نے مصطفیٰ کو دیکھا اور بولی "وہ کیسے؟"

"میں جو ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کے سامنے آن کھڑے ہوئے "بہت تمہیں اس اذیت کدے سے نکال لے جاؤں گا ___"

سبین نے پوری آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا ___

"ہوں۔" مصطفیٰ نے یقین دہانی کو سر ہلایا ___

"لیکن۔" سبین کے ہونٹ کانپے

"کیا۔" وہ آگے کو جھک کر ہمہ تن گوش ہوئے ___

وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی "جو ہمارا حال بھی ڈاکٹر منیب اور ماہ نور سا ہوا؟"

"نہیں سبین۔" وہ بے صبری سے بولے "ایسا نہیں ہوگا۔"

"آپ کو اتنا یقین ہے۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا

"ہاں بھروسہ ہے اعتماد ہے اپنے آپ پر ___" وہ بھرپور تیقن سے بولے۔

سبین نے گوشہ چشم سے انہیں دیکھا۔ جی بے اختیار چاہا کہ ان کی بات پر یقین کر کے شادمانیوں کو گلے لگا لے ___

لیکن

اس نے اب تک اپنے حق میں تقدیر کے اتنے خوش کن فیصلے ہوتے کب دیکھے تھے۔ جو مصطفیٰ کے پر اعتماد فیصلے پر یقین کر لیتی ___

"سبین۔" چند لمحے ادھر ادھر ٹہلنے کے بعد وہ پھر سبین کے برابر والی لکڑی کی کرسی پر آن بیٹھے۔

"جی۔" وہ اوور آل کے بٹن سے کھیلتے ہوئے بولی۔

"ہمارا معاملہ منیب جیسا نہیں ہوگا۔"

"کیا کہا جاسکتا ہے ___ ہو سکتا ہے آپ کی امی نے بھی ان کی امی کی طرح کوئی لڑکی۔"

مصطفیٰ اس کی بات کاٹ کر ہنستے ہوئے بولے "کوئی ایک لڑکی نہیں سبین۔ میری امی نے تو اکٹھی چار پانچ لڑکیاں منتخب کر رکھی ہیں میرے لئے ___"

"جی۔" وہ گھبرا گئی

"ٹھیک کہہ رہا ہوں ___" وہ کرسی میں سہل انداز سے بیٹھتے ہوئے بولے "ہر ماں کو اپنے بیٹے کی شادی کرنے کا شوق ہوتا ہے اور یہ شوق اکثر مائیں اپنے معیار پر پوری اترنے والی لڑکیوں کو گھر لاکر پورا کرنے کی شوقین ہوتی ہیں ___"

سبین چپ رہی

مصطفیٰ اسے تکتے ہوئے بولے "لیکن کبھی کبھی بیٹوں کی پسند کا بھی انہیں احترام کرنا

پڑتا ہے ___"

"جو نہ کریں تو۔"

"کیوں نہ کریں۔"

"زینب کی امی کو دیکھ لیں ___ کسی طور وہ ماں ہی نہیں رہیں ___"

"ہاں اس کا معاملہ کچھ گڑبڑ ہو رہا ہے ___"

"پھر آپ کا ___"

وہ ہنس کر بولے "میرا نہیں ہو گا ___ مجھ پر اعتماد کرو ___ ٹھیک ہے میری امی نے کچھ لڑکیاں دیکھ رکھی ہیں۔ ان کی پرکھ کا معیار بھی میں جانتا ہوں ___ لیکن۔"

وہ چپ ہوئے تو سبین نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ بڑی پیار بھری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

سبین نے پھر سر جھکا لیا۔ تو وہ بڑی رسانیت سے بولے "سبین تم ان منتخب لڑکیوں سے کسی طور کم نہیں ___ میری نظروں سے امی تمہیں نہ بھی دیکھیں۔ پھر بھی تم ان کے معیار پر پوری اترو گی ___"

وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے انہیں تکنے لگی۔

مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔ شوخی سے نگاہیں اس پر گاڑ دیں۔ پھر ہولے سے گنگنانے لگے۔ "ایسی نظروں سے نہ دیکھو کہ پیار آجائے ___"

سبین نے نگاہیں جھکالیں ___ اس کے چکنے چمکتے گال ہلکے گلابی ہو گئے۔

تھوڑی دیر مصطفیٰ اس سے ہلکے پھلکے مذاق کرتے رہے ___

پھر

وہ سنجیدہ سے ہو گئے اور بولے "میری بہن کی شادی اگلے ماہ کی پچیس کو ہو رہی ہے۔ میں شادی کا انتظار کر رہا ہوں۔ امی اس سے فارغ ہو جائیں۔ تو اپنی درخواست ان کے حضور پیش کروں گا ___ رخنہ اندازی کی امید تو نہیں۔ پھر بھی اگر انہوں نے اپنی منوانے کی کوشش کی۔ تو میں صاف صاف کہدوں گا ___ کہ ___"

"کہ ___" سبین نے سر اٹھا کر پھر انہیں دیکھا۔

"کہ میں اس لڑکی کے بغیر جو پہلے نٹ کھٹ سی تھی۔ اب سنجیدہ ہوتی جا رہی ہے۔ جی نہیں سکتا ___"

ان کی شوخی پر سبین مسکرائی نہیں تو وہ تسلی دیتے ہوئے بولے "سبین اب ہمارا خاندان خاصہ روشن خیال ہو گیا ہے۔ میری بہن فردا نے پسند کی شادی کی ہے۔ مجھے بھی کوئی نہیں روک سکے گا ___"

سبین نے قدرے اطمینان کا سانس لیا۔

تو

مصطفیٰ بولے "پہلے ہمارا خاندان بھی روایتی خاندانوں کی طرح تھا۔ میں تو کہتا ہوں خاصہ قدامت پسند تھا۔ پسند کا لفظ تو بڑوں کی لغت میں تھا ہی نہیں۔ تب ہماری چھوٹی پھپھو نے اس لفظ کا سحر توڑنا چاہا ___ خاندان سے ٹکرلی ___ لیکن ہمارے بڑوں نے بیچاری کو تباہ و برباد کر دیا ___"

سبین کا سانس جیسے اٹک سا گیا۔ پھیلی پھیلی نظروں سے مصطفیٰ کو تکنے لگی

مصطفیٰ نے پھپھو عفت کی روئیداد اسے بھی سنا ڈالی۔

"بیچاری مظلوم عورت ___" اس کے لبوں سے بیساختہ نکلا

"لیکن ___ ان پر جو ظلم ہمارے خاندان والوں نے کیا۔ اسی کا ردعمل ہے۔ کہ ب ان کی سوچیں لبرل ہو گئی ہیں۔ کچھ نئی نسل بھی اپنے حقوق کے لئے زیادہ تیز ہو گئی ہے ___ ظلم سہنے کی روایت ہی مٹا ڈالی ہے ___ اس لئے سبین میں کسی طرح بھی شان نہیں ہوں ___"

پھر وہ بڑے پیار سے اس کی طرف جھکتے ہوئے بولے "تمہیں اپنایا ہے۔ تو صدق سے اپنایا ہے ___ اب ہم دو نہیں ایک ہیں سبین ___ کیا تم ایسا محسوس نہیں تیں۔"

سبین نے اطمینان بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

مسکرائی

اور

پھر

اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا ___

مصطفیٰ نے اس شوخ ادائی پر دل و جان نچھاور کر دی۔ لیکن روزے سے تھے۔

اسے ہاتھ لگا سکے۔ نہ پیار کر سکے ___

کچھ دیر کی حسین اور بولتی خاموشی کے بعد

دونوں

باتیں کرنے لگے۔

اب موضوع منیب اور ماہ نور تھے۔

"ان کے حالات بدلتے نظر نہیں آتے ___" کافی دیر باتیں کرنے کے بعد مصطفیٰ

نے متفکر انداز میں کہا ___ "منیب ماہ نور کو تو پوری بات بتاتا نہیں۔ لیکن مجھے سار

صورت حال سے آگاہ کرتا رہتا ہے۔ اس کی امی کسی طور راضی نہیں ہو رہی ہیں ___

"ہائے بیچاری ماہ نور ___ کیا بنے گا اس کا ___ وہ ___ وہ تو منیب کے بغیر شا

رہ ہی نہ پائے۔"

"سیمن رہ سب ہی جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ دکھ زندگی کو نچوڑ کے رکھ دیتا ہے او

جب کوئی لڑکی یا مرد ایک جگہ پسند کی مہر لگا دے تو پھر کسی دوسرے کے ساتھ نبھاہ تو شا

ہو جائے زندگی لطف و انبساط سے نہیں گزرتی ___"

"بیچاری ماہ نور کا کیا بنے گا ___"

"منیب بیچارہ بھی بہت پریشان ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا۔ کہ اس کی کزن وجیہ

نے اس دن دونوں کو لبرٹی میں اکٹھے دیکھ لیا ___ شاید منیب نے ماہ نور کو پریزنٹ بھ

لے کر دیا۔"

"ہاں ماہ نور نے بوتیک سے لایا ہوا جوڑا مجھے دکھایا تھا ___ جو حالات جا رہے ہیں

ان میں ماہ نور کو یہ پریزنٹ نہیں لینا چاہئے تھا ___"

"اور یہ پریزنٹ منیب کی کزن نے دیکھ بھی لیا۔ سب کچھ شاید کچھ بڑھا کر بھی اس نے منیب کی امی کو بتا دیا ___ بیچارے کی شامت آ گئی ___"

سیمن چپ ہو گئی۔

مصطفیٰ ہی اس سلسلے میں بولتے رہے۔ بہت سی گھریلو باتیں جو منیب نے انھیں بتائی تھی۔ سیمن کو بتا دیں۔

سیمن متفکر نظر آنے لگی۔ ماہ نور کی بے پایاں محبت اور توقعات کا سوچ کر وہ پریشان ہونے لگی۔

"ماہ نور پنڈی چلی گئی ہیں نا۔" مصطفیٰ نے پوچھا

"ہاں ___ بہت خوش گئی ہے" وہ بولی۔ پھر چند لمحے چپ رہ کر بولی "ڈاکٹر منیب کو چاہئے۔ کہ ماہ نور کو ساری صورت حال سے باخبر کر دیں ___"

"اس سے کیا ہو گا۔"

"وہ جہاں ہے وہیں رک تو جائے گی۔"

"بڑھے قدم روکے جا سکتے ہیں؟"

مصطفیٰ نے سیمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ سوال کیا ___ تو وہ دکھے انداز میں سر نفی میں ہلا کر بولی "بے شک قدم روکے تو نہیں جا سکتے۔ لیکن حقیقت کو جان لینے کے بعد اپنے آپ کو ناکامی کا سامنا کرنے کے لئے تیار تو کیا جا سکتا ہے۔"

مصطفیٰ نے سر ہلایا ___

پھر

مصطفیٰ نے اس تلخ موضوع سے ہٹنے کو بات بدلی قدرے مسکرا کر بولے "عید کے دن کی بات تو بیچ ہی میں رہ گئی ___ کیا تم سارا دن ہی فارغ نہ ہو گی۔"

"نہیں۔ میں فارغ ہی ہوتی ہوں ___ صرف کھانا تایا ابا کے ہاں ہوتا ہے۔ یا صبح عید ملنے وہاں جانا پڑتا ہے۔ میرے ہاں بھی لوگ عید ملنے آتے ہیں۔ کچھ دوست کچھ

"مریض ___"

"مریض۔"

"ہاں صحت مند ہونے والے کئی مریض پھول وغیرہ لے کر آجاتے ہیں ___"

"میں بھی آجاؤں؟ پھول لے کر ___"

"آپ خدانخواستہ مریض تھوڑے ہیں۔"

"مجھ سے بڑا تمہارا مریض اور کون ہوگا۔ میری حالت تشویشناک ہے۔" وہ ہنس کر بولے۔ تو ان کی شوخ ادائی پر سبین بھی ہنس پڑی۔

پھر

طے پایا

کہ سبین اور مصطفیٰ عید کی رات کھانا ولیج میں کھائیں گے۔ میزبان سبین ہوگئی۔

"واپسی پہ میں تمہیں گھر چھوڑ دوں گا۔" وہ بولے "کوئی ناراض تو نہ ہوگا۔ رات واپس آنے پر۔"

"نہیں۔" سبین نے گہری سانس لی "کوئی ناراض نہیں ہوگا۔ ہاں جب بھی میں واپس لوٹوں گی۔ تائی کی کھڑکی سرور کھلے گی اور وہ دیکھیں گی۔ کہ میں اکیلی آئی ہوں یا کوئی اور بھی ساتھ ہے۔ یہ بات پھر سارے خاندان میں پھیل جائے گی۔"

"تمہیں ان باتوں سے پریشانی نہیں ہوتی۔"

"ہوتی ہے۔ پہ بھی کبھی ... اب تو عادی ہو چکی ہوں۔"

"بیچاری لڑکی "

"اوں ہوں۔" سبین اٹھتے ہوئے بولی "میں ایسے الفاظ سے الرجک ہوں۔ میں بیچاری ہرگز نہیں ہوں۔"

"سوری۔" مصطفیٰ ہنس پڑے۔ جواباً وہ بھی خوشدلی سے مسکرا دی۔

○ ○ ○

مصطفیٰ آٹھ دس دن کے لئے کراچی چلے گئے۔ ان کی بہن فردا اپنے دونوں بچوں کے ساتھ چار دن پہلے ہی چلی گئی تھی۔ بہن کی شادی تھی۔ وہ بڑی بہن تھی۔ اس لئے شادی کے سلسلے میں کئی کام نپٹانے تھے۔ بہت سے کام تو اس نے منگنی ہوتے ہی اپنے ذمے لے لئے تھے۔ لاہور سے جہیز کے سلسلہ میں جتنی چیزیں لینی تھیں۔ وہ اس نے بنوائی اور خریدی تھیں۔

مصطفیٰ جب کراچی پہنچے تو نوید احمد صاحب کی بڑی سی شاندار کوٹھی مہمانوں سے بھری تھی۔ بڑے تایا سعید اور چھوٹے چچا رشید مع اپنی فیملیز کے آچکے تھے۔ رہتے تو دونوں کراچی ہی میں تھے۔ گھر بھی ڈیفنس ہی میں تھے۔ لیکن نوید صاحب اور ان کی بیگم شائستہ نے انہیں اپنے ہاں ہی رہنے کی پر زور دعوت دی تھی۔ نوید کی بڑی بہن عائشہ بھی مع فیملی کے حیدر آباد سے تشریف لا چکی تھیں۔ بے تحاشا بڑی کوٹھی بھی لگتا تھا مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے تنگ پڑ گئی ہے۔

شائستہ بڑی سلیقہ مند اور رکھ رکھاؤ والی خاتون تھی ___ ذاتی نوکروں کے علاوہ مہمانوں کی تعداد کے پیش نظر انہوں نے اور بھی کئی کام کرنے والی عورتوں مردوں اور لڑکوں کا بندوبست کرلیا تھا۔ تاکہ کسی مہمان کو کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے۔ سب جمع ہوئے ہیں۔ تو خوش خوش رہیں۔

کھانا پکانے کے لئے دو کک آئے ہوئے تھے۔ جو رنگا رنگ کھانے پکانے میں ماہر تھے۔ اپنی ایک بہت پرانی ملازمہ سرداراں کو بھی انہوں نے بلا لیا ہوا تھا۔ یہ بڑے بھروسے کی عورت تھی۔ اس خاندان کی پوری ہسٹری سے واقف تھی۔ اب وہ ریٹائرڈ لائف گزار رہی تھی۔ لیکن تنخواہ باقاعدہ اسی گھر سے ملتی تھی۔ تایا سعید اور چچا رشید بھی

باقاعدہ اسے ماہانہ رقم دیا کرتے تھے۔ وہ اپنے آبائی گھر میں عزت داروں کی طرح رہتی تھی۔

سرداراں کو شائستہ نے باورچی خانے کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپ دی تھی۔ ساٹھ سالہ سرداراں بڑی ذمہ داری سے یہ فرض نبھا سکتی تھی۔ اس کے دو ہی بیٹے تھے جو خود کماتے کھاتے تھے۔ ان کی بیویاں ٹھیک ٹھاک تھیں۔ لیکن سرداراں کو اس خاندان سے اتنا کچھ مل جاتا تھا۔ کہ اسے نہ تو بیٹوں کی کمائی کی ضرورت تھی۔ نہ بہوؤں کی خدمت گزاری کی۔ اس نے اپنے لئے ذاتی نوکرانی رکھی ہوئی تھی۔

اب بھی شادی کے لئے آئی تھی۔ تو ضرورت سے کہیں زیادہ ہی یہاں سے لے کر جانا تھا۔

ویسے بھی ان کی یہاں بہت عزت کی جاتی تھی۔ بڑا خیال رکھا جاتا تھا۔ چھوٹے بڑے سب عزت سے پیش آتے تھے ___ بہت سے بچوں کو تو اس نے پالا پوسا بھی تھا ___ یوں وہ اس گھر کی بڑی معتبر فرد سمجھی جاتی تھی ___ نوید سعید رشید اور شائستہ تو لگتا تھا۔ اس کے ہاتھ بندھے غلام ہیں۔ کیا مجال جو اس کے ساتھ کبھی اونچی آواز میں بھی بات کریں۔

خاندان کے دوسرے لوگ اسے ان لوگوں کی عظمت سمجھتے تھے۔ جو ایک ایک عورت کو جو اس گھر میں ملازمہ رہ چکی تھی۔ اتنی عزت دیتے تھے۔ اتنا خیال رکھتے تھے۔

مصطفیٰ گھر پہنچے تو رونق اور گہماگہمی میں اضافہ ہوگیا۔ وہ طبعاً اچھے تھے۔ سب کی عزت کرتے تھے۔ سب سے پیار کرتے تھے۔ اس لئے وہ خاندان بھر کے لاڈلے اور دلارے تھے۔ امی ابو نے تو خوش ہونا ہی تھا۔ بہن بھائی کزنز تایا چچا اور دیگر سب ہی رشتہ داروں نے انہیں گلے لگا لگا کر پیار کیا۔

"تم تو اب لاہور ہی کے ہوگئے۔"

"عید پر بھی آجاتے۔ سب نے تمہاری عدم موجودگی کو شدت سے محسوس کیا۔"

"اتنی تنخواہ پاتے ہو۔ کیا ہوا جو ہر ماہ چکر لگا جایا کرو۔ روپے پیسے کی کیا کمی ہے

تمہیں تو گھر سے بھی پیسے ملتے رہتے ہیں ___"

"تمہارا گھر کراچی میں ہے لاہور میں نہیں ___ ادھر کا زیادہ خیال رکھا کرو۔"

"تمہارے چاہنے والے بھی یہیں ہیں سمجھے۔ لاہور کا قیام عارضی ہے۔"

مصطفیٰ ان سب لوگوں کی محبتوں کا جواب مسکراتی محبتوں سے دیتے رہے۔ اپنوں میں آکر وہ واقعی بہت خوش ہو رہے تھے ___

سب لوگوں سے مل لئے تو انہوں نے کنیزہ کے متعلق پوچھا۔ وہ انہیں لوگوں کے ہجوم میں نظر نہ آئی تھی۔

"وہ چچی نسیمہ کے ساتھ بازار گئی ہوئی ہے۔ کچھ چیزیں لینا تھیں۔" تائی حشمت نے بتایا۔

"حد ہوگئی۔ شادی میں تین دن رہ گئے ہیں اور اس کی چیزیں ہی ابھی نہیں آئیں۔" مصطفیٰ ہنسے

"یہ تو ہوتا ہی ہے۔" راحت ممانی بولیں۔ "لڑکی کی شادی ہے۔ بارات آنے تک بازاروں کے چکر لگیں گے ___"

"ایک دم فضول۔" مصطفیٰ ہنسے

"اچھا جی۔" ظہیر کی بیوی سارا ہنس کر بولی "آپ کی شادی پر یہ سب فضولیات نہیں کریں گے۔"

"یہ کام کی بات کی نا سارا بھابی ___" مصطفیٰ نے تایا زاد ظہیر کی بیوی سے کہا۔ جو خاصے قیمتی کپڑوں کے ساتھ ملتا جلتا خوبصورت زیور پہنے ہوئے تھی۔

چند منٹ یہی باتیں ہوتی رہیں۔ مصطفیٰ کو کنیزہ کا انتظار تھا۔ چھوٹی اور پیاری بہن تھی۔ ملنے کی بے تابی بجا تھی ___

اس وقت بڑے سے ڈرائنگ روم میں جو بڑی نفاست اور خوبصورتی سے سجا تھا۔ سب بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ چھوٹی چھوٹی میزوں پر چاندی کی طشتریوں اور کرسٹل کے باؤلز میں کھانے پینے کی چیزیں رکھی تھیں۔ کوارٹر پلیٹیں بھی تھیں اور ٹیشو پیپر کے ڈبے بھی

چائے بھی سرو کی جارہی تھی۔ فائن کراکری تھی ___ پیالیاں تو بے حد نازک نفیس تھیں۔ ... ٹری بھی تھی۔ چمچیاں پھلوں کے باؤلز میں رکھی تھیں کانٹے ... پیسٹریوں اور دوسری نمکین چیزوں میں رکھی ہوئی تھیں۔ ملازمائیں ... میں چائے بنا بنا کر لا رہی تھیں۔ ڈھیر سارے بچے باہر لانوں میں کھیل رہے تھے۔ ... وقت یہاں دھاوا بول دیتے اور چیزیں مٹھیوں میں بھر بھر کر لے جاتے۔ مائیں پلیٹیں لینے کا کہتی ہی رہ جاتیں۔ لیکن وہ تو کھیل کود میں مشغول ... طور طریق کا اپنا ہی انداز تھا بچپن کی ان حدوں میں تھے جہاں تکلفاتی آداب پوری طرح آگاہی نہیں ہوتی۔

مصطفیٰ بھی دوسرے کزنز کے ساتھ چائے پینے لگے۔ ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ مردوں کی محفل از خود ہی الگ ہو گئی ... سیاست کی باتیں ہونے لگیں۔ لاہور حالات کے متعلق آگاہی حاصل کرنے کے لئے ظہیر انور شاید اور دیگر سوال کرنے لگے جواباً مصطفیٰ بھی کراچی کی صورت حال سے آگاہ ہونے کے لئے ان سے سوال کرنے لگے۔

عورتوں کی اپنی ہی محفل جمی تھی۔ کپڑے زیور اور شادی کی رسوم ہی کی باتیں ہونے لگی تھیں۔ لڑکیاں بالیاں دوسرے کمروں میں تھیں۔ رات پہننے والے کپڑے ... کر رہی تھیں ...

آج رات ڈھولکی کا فنکشن تائی حشمت نے اپنے ہاں رکھا تھا ___ کھانا بھی وہیں تھا۔ اگلے دن سب نے چچی نسیمہ کے ہاں جمع ہونا تھا۔ پھر رات ممانی راحت کے ڈھولکی کی تقریب تھی۔ اس کے بعد مہندی تھی ... غرضیکہ ہفتہ بھر گہما گہمی ہی تھی شادی چونکہ اپنے ہی عزیزوں میں ہو رہی تھی اور روپے پیسے کی ادھر بھی کمی نہ تھی اس لئے دونوں طرف ریل پیل تھی۔ گانے بجانے کا پروگرام تو کئی دنوں سے جاری تھا سب لوگ کبھی سسرال والوں کے ہاں جا پہنچتے۔ کبھی وہ لوگ ادھر آجاتے۔ آدھی آدھی رات تک خوب دھوم دھڑکا ہوتا رہتا۔

کھانا تیار ہو گیا۔

اماں سرداراں مہمانوں کو بلا... آ... ___ مصطفیٰ نے سرداراں کو دیکھا۔ بڑے ... اس کے ڈیزائن سے کپڑے پہنے تھے۔ ہاتھوں میں طلائی کڑے اور کانوں میں چھوٹی چھوٹی بالیاں تھیں۔ ... طور لگتی نہ تھی۔ اسی گھر کی فرد لگ رہی ...

مصطفیٰ اسے دیکھ کر اٹھے۔

اس کی نظر بھی ان پر پڑی

... کر صدقے واری ہوتی ان کی طرف بڑھی مصطفیٰ نے بھی سر جھکا کر مودبانہ ... سلام کیا۔ کہ شروع ہی سے سرداراں کے لئے ان کا یہی طریق تھا۔ گھر والوں ... سکھایا تھا۔

سرداراں نے ان کی پیشانی چومی۔ پشت پر ہاتھ پھیرا اور ڈھیروں دعائیں دیتے ہوئے

"آج ہی آئے ہو نا ___"

"ہاں اماں۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے۔ کل آتا تو آپ سے ملتا نہیں۔"

"نوکری ٹھیک ٹھاک ہے نا۔"

"ہاں اماں۔ اللہ کا احسان ہے ___ بڑی عزت ہے۔"

"جیو۔ خوش رہو ___" وہ دعائیں دینے لگی

ابھی

اماں سے باتیں کر رہے تھے۔ کہ کنیزہ اور چچی آگئیں ___

... نے بھائی کو دیکھا۔ تو تیر کی سی تیزی کے ساتھ ان کی طرف بڑھی۔ شاپنگ کے ... کرسی پر ہی پھینک دیئے ___

مصطفیٰ نے بازو پھیلا دیئے اور وہ ان میں سما کر بھائی کے سینے سے لگ گئی ___

مصطفیٰ نے پیار سے اس کی پیٹھ تھپکی۔

پھر بات کرنے کے لئے اسے الگ کرنا چاہا تو انہوں نے دیکھا ان کے سینے سے
بے اختیارانہ رو رہی تھی ___

"اے پگلی۔" مصطفیٰ کا دل بھی بھر سا آیا ___ "رو کیوں رہی ہو ___ شاد
رہی ہے خوشیاں مناؤ ___"

وہ اور زور سے رونے لگی۔ چچی نسیمہ کے آنسو بھی ڈھلک پڑے اور اردگرد
اور خواتین بھی آبدیدہ ہو گئیں۔

مصطفیٰ نے بمشکل اپنے آپ کو قابو میں رکھا۔ ورنہ آنکھیں تو ان کی بھی نم
تھیں بہن بھائی کا رشتہ بھی کتنا پیارا ہوتا ہے ___ شادی کی خوشی بھی ہوتی ہے۔
بچھڑ کر پرائی ہو جانے والی بہن خود بھی دکھی ہوتی ہے اور دوسروں کو بھی غمزدہ کر
ہے۔

مصطفیٰ کافی دیر اسے گلے لگائے رہے

پھر

حشمت چچی نے قریب آکر کنیزہ کو اپنی طرف کرتے ہوئے اس کا سر منہ چوما اور
کر بولیں

"رونا دھونا بند ___ بھائی اتنے دنوں بعد آیا ہے اس کا حال احوال پوچھو ___
نے تو آتے ہی سب کو رلا دیا ___"

نئی نویلی دلہن عظمیٰ اس کے قریب آکر ہنستے ہوئے بولی "ہائے بیچاری کنیزہ ___
نہیں چاہ رہا شادی کرنے کو تو بھئی انکار کر دو ___"

"ہٹ ___" کنیزہ اب ہنس رہی تھی ___ عظمیٰ نے اس کا منہ چڑایا "رو رہی
جھوٹ موٹ کا کس طرح دانت نکل رہے ہیں اب ___"

"بھئی تنگ نہ کرو۔ میری بچی کو۔" ممانی نے کنیزہ کو اپنی طرف کھینچا

"کھانا لگ چکا ہے جی آجایئے۔" اب اماں سرداراں کی جگہ گامی نے آکر سب

کہا ___

سب ہنستے مسکراتے اٹھے
اور ڈائیننگ ہال کی طرف جانے لگے۔

جہاں خاندان کے چند بزرگ نوید سعید اور رشید کے ساتھ پہلے سے موجود تھے۔
عائشہ انہیں کھانا پیش کر رہی تھی۔ لمبی میز کے گرد صرف انہیں بزرگوں کے لئے کرسیاں
لگی گئی تھیں ___ باقی سب پلیٹوں میں کھانا ڈال ڈال کر ٹولیوں کی صورت میں کھڑے
کھانا کھانے لگے تھے۔ بچوں کو ان کی مائیں کھانا نکال کر دینے لگیں۔ کھانا لے کر وہ
سب لاؤنج میں چلی گئیں ___

کھانا شروع ہوتے چند منٹ ہی ہوئے تھے۔ کہ عائشہ پھپھو بھی مع دونوں بچوں کے
آگئیں ___ وہ اپنے بڑے بیٹے کے سسرال ملنے گئی ہوئی تھیں۔ چھوٹے بیٹے کے لئے
بھی لڑکی دیکھ رہی تھیں۔ بطور خاص اسی لئے وہاں گئی تھیں۔ بڑی بہو کی خالہ زاد کو دیکھنا

ان کے آتے ہی علیک سلیک شروع ہو گئی۔ مصطفیٰ اپنی پلیٹ میز پر رکھ کر ان سے
ملنے کے لئے بڑھے ___ عائشہ نے انہیں لپٹا کر بڑے جوش و خروش سے پیار کیا۔
مصطفیٰ ان کے بیٹوں عمران اور کامران سے گرمجوشی سے ملے وہ دونوں بھی ڈاکٹر
تھے۔

مصطفیٰ نے ہی ان سب کو پلیٹیں پیش کیں۔ سب کھانا لینے کے لئے میز کی طرف
بڑھے۔

"اب سب اکٹھے ہو گئے ہیں ___" کسی نے عائشہ اور ان کے بیٹوں کو دیکھ کر کہا۔

"صرف ایک جوڑے کی کمی ہے۔" کسی اور نے کہا

"نفیس کی۔"

"عفت اور اس کے میاں کی ___"

"ہاں وہ نہیں آئیں ___"

"وہ آئی کب ہیں کبھی ___ صرف ماں جی کے مرنے پر دو دن کے لئے
آئی تھیں۔"

"شائستہ اور نوید بھائی نے فون تو بہت کئے ___"

"ہاں۔"

عفت کی باتیں جس گروپ میں ہو رہی تھیں۔ شائستہ جلدی سے ادھر آ گئی اور سب
کو اشارے سے اس موضوع پر بولنے سے منع کرتے ہوئے بولی "کھانا کھائیے آپ
سب۔ یہ موضوع نہ ہی چھیڑیں ___"

اس وقت تو سب چپ ہو گئے

لیکن

رات جب مہمانوں کی اکثریت تایا ابو کے گھر جا چکی تھی۔ باقی بھی جانے کے لئے
تیار ہو رہے تھے۔

تو۔

مصطفیٰ جو امی ابو کے بیڈ روم میں بیٹھے انہیں لاہور سے لائی ہوئی چیزیں دے رہے
تھے۔ کنیزہ کے لئے لایا ہوا پریزنٹ بھی امی ابو کو دکھا رہے تھے۔ تو پتہ نہیں کیسے عفت
پھپھو کا ذکر درمیان میں آ گیا۔

"ابو ___" مصطفیٰ نے پریزنٹ والا ڈبہ بند کرتے ہوئے جس میں سونے کا
خوبصورت کڑا تھا۔

کہا

"عفت پھپھو کو کنیزہ کی شادی میں تو آنا چاہئے تھا۔ یہی موقع تھا۔ سب سے ملنے
ملانے کا۔"

ابو نے ایک گہری سانس لی اور بولے "اس نے ہم سب سے قطع تعلق کرلیا ہوا ہے
___ آئے کیسے فون تو میں نے بھی بہت کئے تمہاری امی نے بھی ___"

"کچھ جواب نہیں دیتی تھیں ___؟"

"اکثر تو آواز سنتے ہی فون بند کر دیتی تھی۔" شائستہ چیزیں سنبھالتے ہوئی بولی۔ "میں
تو چاہتی ہی نہیں تھی۔ کہ اسے فون کرکے ڈسٹرب کروں ___ یہ تمہارے ابو ___"

مصطفیٰ نے ابو کی طرف دیکھا جو چہرے پر مایوسیوں کی گہری چھاپ لئے پچھتاوے کی
مکمل تصویر بنے بیٹھے تھے۔

وہ ہولے سے بولے "ہم نے اس بیچاری کے ساتھ جو کچھ کیا تھا۔ اس کا ردعمل یہی
ہونا تھا۔ وہ ہمیں بھول ہی چکی ہو تو اچھا ہے ___" انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری اور پھر
بولے "بھول بھی تو نہیں سکتی نا ___"

"ہم سب ہی اس کے مجرم ہیں ___ تایا چچا عائشہ ___ سب نے جوش جنوں میں
جو کیا تھا وہ بھلانے کے قابل نہیں ___" شائستہ نے کہا۔

"میں تو کسی وقت اتنا پریشان ہوتا ہوں۔ کہ بتا نہیں سکتا۔ پتہ نہیں خدا ہمیں معاف
کرے گا یا نہیں ___" نوید بولے "سعید اور رشید بھی اکثر اظہار افسوس کرتے
ہیں۔"

مصطفیٰ ایسی باتیں پہلے بھی کئی بار سن چکے تھے۔ ماں باپ چچا تایا کو پچھتاوے سے دو
چار ہوتے بھی اکثر دیکھا تھا۔ وہ اکثر سوچا کرتے تھے کہ پسند کی شادی کرنے پر یہ سب
اتنے ہی بپھر گئے تھے؟ اور فرض کیا اس وقت حالات کا تقاضہ ہی ایسا تھا۔ تو پھر یہ
اب تک اپنے آپ کو معاف کیوں نہیں کرپارہے تھے ___ جب عفت پھپھو کی
پھپھا کی موت سے دکھوں سے دو چار ہو گئی تھی۔ مرا ہوا بچہ پیدا ہونا بھی انتہائی دکھ
کی بات تھی۔ پھر اگر ان لوگوں نے ان کی دوسری شادی کر ہی دی۔ تو یہ بڑی اندوہناک
سی پھر بھی۔ یہ نہ غیر قانونی تھی نہ غیر اخلاقی نہ ہی مذہب کے خلاف ___

لیکن

ان لوگوں کے پچھتاوے

اور

عفت پھپھو کی ان سے ہمیشہ کے لئے علیحدگی! وہ سوچا تو کرتے تھے۔ لیکن سمجھ

نہ پائے تھے۔ ایسے پچھتاؤں کا کوئی مناسب پہلو ان کے ہاتھ نہ لگتا تھا۔

کچھ دیر یہی باتیں ہوا کیں۔ مصطفیٰ کے لئے تسکین کا کوئی پہلو نہ نکلا۔ وہ یہی سو
رہے کہ تب یہ لوگ اتنے ہی ظالم ہونگے۔ کہ پھپھو بچاری کو نشانہ ستم بنا کر ظلم تو
ہونگے۔

آخر یہ مظالم کس نوعیت کے ہونگے۔

انہیں برا بھلا کہا ہو گا؟

مارا پیٹا ہو گا؟

تعلقات منقطع کر لئے ہونگے؟

نفرت کی آگ بھڑکائی ہو گی؟

انہیں باپ کی جائیداد میں سے حصہ نہیں دیا ہو گا۔

ان کی شکل دیکھنے کے روادار نہیں ہونگے۔

یہ

سب باتیں اگر وقوع پذیر ہوئی بھی تھیں۔ تب بھی پھپھو اگر اپنی شادی سے خو
تھیں۔ تو کیا فرق پڑا ہو گا ___

پھر

پھر

یہ سب لوگ اب تک پچھتاؤں کی آگ میں کیوں جل رہے ہیں ___؟

یقیناً

یقیناً

ان سے کوئی بہت ہی بڑا ظلم سرزد ہو چکا ہے۔ جس کی تلافی ممکن نہیں۔

وہ ظلم کیا تھا

انہیں یہ کوئی نہیں بتاتا تھا۔ جب بھی مصطفیٰ کچھ کریدنے کی کوشش کرتے۔ با
گول مول کر دی جاتی۔

اب بھی وہ اسی سلسلے میں کچھ پوچھنے کو تھے۔ کہ امی نے ہوا کا رخ دیکھ کر بات بدل
امی جلدی سے بولی "تمہیں کارڈ بھیجے تھے۔ مل گئے تھے نا۔"

"اتنی دور سے آنا آسان بھی تو نہیں ___"

"یہ تو ہے۔ منیب نے آنے کا وعدہ کیا ہے۔"

"وہ ___ اصغر علی کا پوتا ___" مصطفیٰ کے ابو نے منیب نام کے حوالے سے یاد
ہوئے کہا

"جی ___ شعیب صاحب کا بیٹا ___"

"وہ سب ٹھیک ٹھاک ہیں نا۔"

"جی بالکل ___"

"منیب کی شادی ہو گئی۔"

"ابھی نہیں۔ رشتے کی بات چل رہی ہے۔"

...اور شائستہ انہی کی باتیں کرنے لگے۔ بہت دور کی رشتہ داری تھی۔ ہاں مصطفیٰ
...کی دوستی کی وجہ سے رشتہ داری قریب کی لگنے لگی تھی۔ منیب کے دادا اصغر علی
...کراچی میں تھے۔ ان لوگوں سے اکثر ملا کرتے تھے۔ جب سے لاہور گئے۔ ملنا
...نام ہی رہ گیا تھا۔ ہاں یہ بات وہ دونوں خاندان نہیں بھولے تھے۔ کہ آپس میں
...داری ضرور ہے۔ اصغر علی کے مرنے کے بعد بھی یہ برائے نام رشتہ داری قائم
...نی دیر تک مصطفیٰ امی ابو کے ساتھ مختلف موضوعات پر باتیں کرتے رہے۔
...باتیں ختم ہوئیں۔ تو کنیزہ کے جہیز کی باتیں شروع ہو گئیں۔ امی نے اس کے لئے
...یا تھا تفصیل سے بتایا۔ ابو جو کچھ کیش دے رہے تھے اس کی بھی بات ہوئی۔
مصطفیٰ سب کچھ سنتے رہے تھے۔ پھر مسکراتے ہوئے اٹھے "اپنی بیٹی ہے۔ جو جی
...یں۔ ویسے میں تو ان چیزوں کا قائل نہیں ___"

شائستہ کچھ کہنے کو تھیں۔ کہ نسیمہ اور عائشہ اندر آگئیں ___

"...ہی چلنا نہیں۔ سعید بھائی کی طرف بہت سارے لوگ تو جا بھی چکے۔"

"چلتے ہیں۔ میں یہ چیزیں تو سمیٹ لوں۔" شائستہ بولی۔

عائشہ نے ایک نگاہ کمرے پر ڈالی۔ ہر طرف ڈبے۔ پیکٹ بکس اور کھلے پ
بکھرے پڑے تھے۔

"بھابی۔" عائشہ بولی "یہ سب کچھ سمیٹنے بیٹھیں تو صبح ہو جائے گی۔ ابھی سب
اسی طرح رہنے دیں۔ کمرہ لاک کر جائیں ___ کل صبح سارا کچھ مل کر ٹھیک کر
گے۔"

"ہاں۔" نسیمہ جس نے زرق برق لباس کے ساتھ نفیس زیور پہن رکھا تھا بولی
"آپ کھانا کھاتے ہی آجایئے گا۔ ویسے گھر خالی بھی نہیں چھوڑنا چاہئے ___"

"گھر میں نوکر ہیں ___ پھر سب کی سردار بھی تو یہاں ہی ہے۔ اسے کمرے کے
نگرانی کے لئے بٹھا جائیں ___"

"ہاں بڑی ذمہ دار عورت ہے۔"

"چلیں ٹھیک ہے ___" نوید اٹھ کھڑے ہوئے شائستہ نے اپنا بیگ اٹھایا
کھڑے کھڑے بالوں میں برش کیا۔ لپ سٹک لگائی اور چیزیں ویسے ہی چھوڑ کر جانے
تیار ہو گئی ___ سرداراں کو بلایا۔ کمرہ لاک کیا اور چابی پرس میں رکھتے ہوئے بولی
"دھیان سے رہنا۔"

"ٹھیک ہے بیگم صاحب مجھ پر اعتبار کریں۔" اس نے آنکھیں اچکائیں۔

"وہ تو ہے ہی۔" عائشہ اور نسیمہ نے کہا ___ سرداراں مسرور نظر آئی
سب باہر آگئے۔ گاڑیاں کھڑی تھیں ___ کچھ لڑکیاں اور عورتیں گاڑیوں میں بیٹھ
تھی۔ مصطفیٰ نوید شائستہ نسیمہ اور عائشہ بھی جس گاڑی میں جگہ ملی بیٹھ گئے۔

○○○

شعیب صاحب اپنی بیگم ثمینہ کو بڑے آرام سے سمجھا رہے تھے۔ منیب کے رشتہ کا
طول پکڑتا جا رہا تھا۔ بات ادھر ہوتی تھی نہ ادھر۔ ثمینہ نے تو غصے سے منیب سے
بھی دیا تھا۔

"جاؤ کرلو اپنی پسند کی لڑکی سے شادی ___ لیکن یاد رکھنا تمہاری بیوی اس گھر میں
نہیں رکھ سکے گی۔"

منیب اتنا نا فرمانبردار بھی نہیں تھا۔ کہ ماں باپ کی خوشنودی اور رضامندی حاصل
یر زندگی کا اتنا اہم اور مقدس فیصلہ کرلیتا یہ اس کی سعادت مندی تھی۔ جو وہ ماں
کو ساتھ لے کر زندگی کی اس راہ پر چلنا چاہتا تھا۔

آج بھی یہی باتیں ہو رہی تھیں ___ امی بیٹے سے ناراض تھی۔ منیب ماں کے گلے
ازو حمائل کرکے انہیں منانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ لیکن انہوں نے زبردستی اس
ازو گلے سے نکال کر جھٹک دیئے تھے۔ اور انتہائی غصے سے کہا تھا "مت کیا کرو یہ
ے کا پیار۔ ایک طرف ماں کی خوشیوں پر پانی پھیر رہے ہو۔ دوسری طرف یہ
"

منیب بیچارہ افسردہ سا ہو گیا تھا ___ چند لمحے ڈھیٹ سا بنا وہیں بیٹھا رہا تھا۔ پھر اٹھ کر
ا تھا۔

اس کے جانے کے بعد شعیب صاحب نے ثمینہ کا غصہ ٹھنڈا کرکے اسے سمجھانے کی
ل کی تھی۔ شام اتر رہی تھی۔ کمرے میں ملگجا سا اجالا تھا۔ انہوں نے ٹیبل لیمپ
تے ہوئے کہا

"تم منیب سے اس طرح پیش نہ آیا کرو ثمینہ ___ وہ جوان آدمی ہے۔ سمجھدار ہے

اپنے پاؤں پر کھڑا ہے ___"

"تو کیا وہ میرا بیٹا نہیں رہا۔ مجھ سے بڑا ہو گیا ہے۔" ثمینہ غصے سے بولی۔

"بچے جوان ہو جائیں۔ تو والدین کو انہیں بے اختیار بچہ نہیں سمجھنا چاہئے۔"

"جی ہاں وہ با اختیار ہو جاتے ہیں۔ پھر جی میں جو چاہے کرتے پھریں۔ ماں باپ رضا مندی لینے کی ضرورت ہی کیا ہوتی ہے۔"

"اس لئے کہ با اختیار ہونے کے باوجود جو سعادت مند بچے ہوتے ہیں۔ وہ ایسا ضروری سمجھتے ہیں۔ ورنہ جو بچے نافرمان ہوں۔ کبھی تم نے سنا یا دیکھا کہ وہ ماں باپ خوشنودی حاصل کرکے زندگی کے اہم فیصلے کرتے ہیں؟ مادر پدر آزاد بچے ایسا ضرور نہیں سمجھتے۔ ہم لوگ تو خوش قسمت ہیں بیگم۔ جو ہمارا اتنا لائق فائق اپنے پیروں پر کھ بیٹا ہماری رضا مندی حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے ___ وہ بھی چاہتا تو من مانی کر سکتا تھا۔"

"بات تو وہی ہوئی۔" ثمینہ تنک کر بولی "کرنا تو من مانی ہی چاہ رہا ہے نا ___"

"اسے یہ حق حاصل ہے ___ زندگی اس نے گزارنی ہے۔ اگر اپنی پسند کی شریک حیات چاہتا ہے تو برائی کیا ہے۔"

"جو لڑکی ہم نے اس کے لئے پسند کی ہے اس میں کیا برائی نظر آئی اسے۔"

"برائی کی بات نہیں ___"

"تو اور کیا ہے ___ اس کا نام لیتے ہی بدک جاتا ہے۔"

شعیب صاحب چند لمحے چپ رہے۔ وہ اس وقت اپنے بیڈ میں نیم دراز تھے کو موٹی سی کتاب سینے پر الٹ رکھی تھی۔ یہ بحث مباحثہ ہونے سے پہلے وہ یہ کتاب پور توجہ سے پڑھ رہے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کر رہے تھے۔ انگریز اردو جس زبان میں بھی انہیں مستند کتاب ملتی وہ ضرور پڑھتے۔ زور بروز ان کے بک ریک میں کتابیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ انہیں شادی کے مسئلے پر بھی اسلامی نظریات آگاہی تھی۔ اسی لئے بھتیجی کا رشتہ چونکہ منیب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ بھی اسے مجبور نہیں

رہے تھے۔ جانتے تھے کہ لڑکی لڑکے کو شادی بیاہ کے معاملے میں اسلام نے پورے
ادی کے حقوق دے رکھے ہیں۔

یہ صوفے پر بیڈ کے قریب ہی بیٹھی تھی۔ منیب کے رویے اور سختی سے اپنی بات
جانے سے خاصی پریشان بھی تھی۔ وجیہہ کو تو اب اس نے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔
د تو ان لوگوں نے وجیہہ کے والدین سے اس سلسلے میں کوئی بات کی تھی۔ نہ ہی
رے کہا تھا۔ بات ابھی ثمینہ اور شعیب صاحب ہی کے درمیان تھی۔ یہ دوسری
کہ وجیہہ کے ساتھ پیار دلار کچھ زیادہ ہی تھا۔ خاندان میں اور بھی لڑکیاں تھیں۔
یہہ کی بات اور تھی۔ اسی وجہ سے رشتے کی بات بے شک نہ ہوئی تھی۔ لیکن
ں جانتی تھی اور اس کے والدین بھی کہ یہ رشتہ ہو ہی جائے گا۔

یہہ کے اور بھی کزن تھے۔ ماموں رحمان کے تو دونوں بیٹے اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر
ئے تھے۔ خالہ زاد بھی تھے۔ جن کی خاندانی بہت بڑی بزنس تھی۔ نبیل تو اسے
بت کرتا تھا ___ اس کی برتھ ڈے پر قیمتی قیمتی تحفے دینا کبھی نہ بھولتا تھا۔
ھ بھی تھا سمارٹ بھی۔ پوری دنیا گھوم چکا تھا۔ وجیہہ کی خالہ بھی بیٹے کی پسند سے
ں۔ ماں بیٹا آس لگائے بیٹھے تھے ___ لیکن وجیہہ منیب میں دلچسپی رکھتی تھی۔

تھی

رف دلچسپی کی حد تک تھی۔ اس کی طبیعت میں نخوت و غرور کا عنصر تھا۔ اس لئے
ں پہل کو اپنی ہتک تصور کرتی تھی۔

یب صاحب نے سینے پر رکھی کتاب اٹھا کر بند کی۔ پھر اسے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر
کر ثمینہ کی طرف دیکھا۔ جس کی پیشانی پر بل پڑے تھے۔ اور وہ بیزار بیزار سی
ں۔ وہ اپنے دوپٹہ میں لیس ٹانک رہی تھی۔ لگتا تھا وقت کو دھکا دینے کے لئے ایسا
ہے ___

یب صاحب کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ___ ثمینہ نے ہمیشہ حکم چلایا تھا اور

حکم منوایا تھا۔ اب خاصی بے بس ہو رہی تھی۔

"سنو بیگم۔" وہ بولے

"ہوں۔" اس نے نظریں اٹھائے بغیر کہا

"وجیہہ میری بھتیجی ہے۔ یقیناً مجھے بھی دلی خوشی ہوتی اسے بہو بنا کر۔ لیکن میں رہا ہوں۔ کہ منیب اس رخ سوچ ہی نہیں رہا۔ اب زبردستی تو وجیہہ کو اس کے پلے باندھ دینا۔ فرض کیا ہم سختی کر بھی لیں۔ وہ ہار مان بھی جائے۔ تو کیا وہ زندگی میں اید کر سکے گا ___ دونوں کی زندگی برباد نہ ہو جائے گی؟ اس کا ذمہ دار کون ہو گا ___

"کوئی نہیں ہوتی زندگی برباد ___ ٹھیک ہو جاتے ہیں سب۔"

"نہیں بیگم۔ دل کے معاملے سلجھ کر بھی الجھے رہتے ہیں ___"

"شاعری رہنے دیجئے ___"

"تو ___ تم نہیں مانو گی ___"

"اسی صورت میں مانوں گی۔ کہ وہ اپنی مرضی سے خود شادی کر لے۔ اور پھر ا اپنی بیوی کا منہ نہ مجھے دکھائے نہ میرا دیکھے ___"

شعیب صاحب بستر میں اٹھ کر بیٹھے۔ سنجیدگی سے ثمینہ کو دیکھا اور پریشان سے بولے۔ "منیب ہمارا ایک ہی بیٹا ہے۔ تمہیں اس کی خوشی دیکھنا چاہئے۔ وہ ڈاکٹر اپنی ہم پیشہ خاتون کا انتخاب اس نے کرلیا بھی ہے۔ تو یہ اچھی بات ہے۔ میں نہیں تمہیں اعتراض کیوں ہے۔ لڑکی ڈاکٹر ہے خوبصورت ہے۔ شریف ہے صرف یہ امیر کبیر نہیں۔ اے بیگم دھن دولت کی اپنے ہاں کوئی کمی ہے ___ جہیز کی چار چیز نہ لائے گی تو کیا فرق پڑے گا "

ثمینہ چپ ہو گئی

شعیب صاحب بولے "میں نے خود بھی کرنل کامران کے متعلق پتہ کروایا ہے شریف لوگ ہیں۔ میرا دوست بریگیڈئر اظہر انہیں ذاتی طور پر جانتا ہے اور کیا ہمیں۔"

ینہ نے کھا جانے والی نظروں سے انہیں دیکھا پھر دوپٹہ درمیانہ ٹیبل پر پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ شعیب صاحب سے اب اس سلسلہ میں بحث نہ کرنا چاہتی تھی۔

کوئی فیصلہ نہ ہوا ___

شعیب صاحب پھر بیڈ میں سیدھے ہو کر لیٹ گئے۔ کتاب اٹھالی اور جہاں سے پڑھنا تھا وہ صفحے الٹ الٹ کر تلاش کرنے لگے۔

ینہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ جہاں خانساماں کھانا تیار کر رہا تھا اور چھوٹا ملازم لڑکا میز لگانے کے لئے برتن نکال رہا تھا۔

کیا بنا رہے ہو۔" اس نے پوچھا

صاحب نے پائے بنانے کا کہا تھا۔ ساتھ چاول بنائے ہیں ___ " خانساماں چاول ڈالتے ہوئے بولا۔

ور منیب کیا کھائے گا۔ تمہیں پتہ ہے وہ پائے کھاتا ہے نہ چاول۔"

وہ کہہ گئے تھے کہ کھانا باہر کھائیں گے۔"

ں۔"

ینہ ہوتی کچن سے باہر آگئی۔ وہ جان گئی تھی۔ کہ بحث و تکرار کے نتیجے میں وہ کھانا باہر کھائے گا۔ وہ جانتی تھی۔ کہ منیب اکثر مصطفیٰ کے ساتھ باہر کھاتا ہے۔

ں کراچی گئے ہوئے تھے اور دوست بھی تھے اس کے۔ لیکن موقع بے موقع وہ ں کے ساتھ ہی کھانا کھاتا تھا ___

ں کی سوچ ہی تھی۔

جانتی ہی نہ تھیں

ہ اس کے ساتھ ماہ نور بھی جا سکتی ہے ___

وہ

رات ماہ نور ہی کو کھانے پر ساتھ لے گیا تھا۔ ماں کی بحث و تکرار سے
برداشتہ ہو رہا تھا۔ جس طرح انہوں نے اپنے گلے میں اس کے حمائل بازو جھٹکے
سے منیب کو دلی اور ذہنی تکلیف ہوئی تھی۔

وہ پریشان اور افسردہ گھر سے نکلا تھا ___ مصطفیٰ یہاں ہوتے تو ان کے ہار
کا غبار نکال لیتا۔ ماہ نور ہی نظر آئی اسے فون کر کے ہوسٹل سے بلالیا۔ کچھ د
گاڑی ہی میں بیٹھے سڑکوں کے فاصلے ماپتے رہے ___

ماہ نور سے اس کی پریشانی چھپی نہ رہی ___ اس نے دو تین دفعہ پوچھا۔
گیا۔

"آپ بتاتے کیوں نہیں۔ اس طرح ٹالنے سے آپ کی پریشانی چھپ تو
___ آپ کا چہرہ پڑھنا مشکل تو نہیں ___" وہ اس کی طرف بار بار دیکھتے ہوئے
"جب پڑھ سکتی ہو تو پوچھ کیوں رہی ہو۔" منیب کے لہجے میں قدرے
تھی۔

ماہ نور کا دل ہول گیا ___ رنگت کچھ پیلی پڑ گئی ___ کچھ دیر چپ بیٹھی
رکھے اپنے نرم و سفید ہاتھ مسلتی رہی

منیب خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔

"منیب۔" تھوڑی دیر بعد ماہ نور گلوگیر آواز میں بولی

منیب نے گردن موڑ کر اسے دیکھا

"منیب ___ آپ ___ اپنے لئے پریشانیاں پیدا نہ کریں ___ اپنی ___
بات مان لیں ___ وہ ___" ماہ نور کی آواز گھٹ گئی اور اس کی آنکھوں سے
آنسو گالوں پر لڑھک گئے

منیب بے تاب ہو گیا

"ماہ نور۔" اس نے بے اختیارانہ اپنا بازو اس کے کندھوں کے گرد لے جا کر

اسے اپنے قریب کر لیا۔

ماہ نور کا سر آپوں آپ اس کے کندھے سے لگ گیا۔

وہ بے اختیاری سے رونے لگی۔

وہ روتی رہی

اور

منیب سامنے شیشے پر نظریں گاڑے سرمئی سڑک پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ ماہ نور کے وجود
آج پہلی بار اپنے اتنے قریب کیا تھا اور اس کے بال آج پہلی بار اس کے کندھے پر
ے تھے ___ اس کے آنسوؤں نے آج پہلی بار اس کی قمیض کو بھگویا تھا۔

اس کا من اتھل پتھل ہونے لگا تھا۔

ماہ نور کے وجود کی تپش اور حدت سے اس کا اپنا آپ برف کی طرف پگھل گیا تھا
رکھے لمحوں کا پھیلاؤ بڑھا تو وہ اپنے ہاتھ جو اس کے کندھے سے لپٹا تھا تھپکتے ہوئے

___

"ماہ نور مت روؤ ___ میں تم سے کوئی کھیل نہیں کھیل رہا تھا ___ تم سے
ے خلوص اور سچائی سے پیار کیا ہے ___ میں تمہارا ہوں۔ ہمیشہ تمہارا رہوں گا
شاید ___ حالات ہمیں ایک نہ ہونے دیں ___ تو بھی ___ میں تمہارا ہی رہوں
"

ماہ نور نے اس کے کندھے سے لگا سر اٹھا لیا۔ اب وہ اور بھی بے قراری سے رو
گی۔

وہ اسے چپ کرانے کے لئے تسلیاں دیتا رہا۔

"ماہ نور۔ میرا دل کہتا ہے۔ ہم بچھڑیں گے نہیں۔ ہم زندگی کی راہوں پر ساتھ
چلیں گے۔ امی اس وقت بے شک ضد میں آئی ہوئی ہیں۔ لیکن مجھے اندر ہی اندر
ہوتا ہے۔ کہ وہ سخت ضرور ہیں۔ لیکن ظالم نہیں بنیں گی۔ میں ان کا ایک اکلوتا
ں وہ مجھ سے الگ ہو کر بھی تو جی نہیں سکتیں۔ وہ مجھے جتنا پیار کرتی ہیں۔ مجھے اس

کا بھی پتہ ہے ___ میری خدا سے بھی ہر وقت یہی دعا رہی ہے۔ کہ خدا اللہ کا دل موم کر دے اور وہ خود میرا دامن خوشیوں سے بھر دیں۔ دیکھنا ایسا ہی ہو گا۔ مجھے یقین ہے ماہ نور ___ ایسا ہی ہو گا ___ "

منیب اسے بہلاتا رہا۔ ہمت افزائی کی باتیں کرتا رہا۔ لیکن ماہ نور کو کسی طور تسلی نہ ہو رہی تھی ___ رو رو کر اس کی آنکھیں سرخ و متورم ہو گئی تھیں۔ ناک کی پھننگ بھی لال ہو رہی تھی ___ منیب کو اس کا یہ انداز اتنا بھلا لگ رہا تھا کہ جی چاہ رہا تھا ___ فرمانبرداری اور سعادتمندی کی ساری حدیں پھلانگ جائے اور اس نرم گداز سی لڑکی کو ہمیشہ کے لئے اپنا بنا لے۔

کتنی ہی دیر وہ سڑکوں پر گھومتے پھرے ___ دل بے چین تھے۔ روحیں آزردہ تھیں۔ کسی کل تسکین نہ ہو رہی تھی ___

منیب گھوم پھر کر اسے سٹیڈیم لے آیا اور شیزان کے سامنے گاڑی روک دی ___

گاڑی بند کرتے ہوئے اس نے ماہ نور سے کہا "چلو۔"

"کہاں۔" وہ بوجھل آواز میں بولی۔

"کھانے کھاتے ہیں ___" وہ بولا ___

ماہ نور نے سر نفی میں ہلایا "مجھے قطعاً بھوک نہیں ___"

منیب نے اس کا سر پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف گھمایا اور مسکرا کر بولا "میری جان یہ مسئلے بھوک ہڑتال سے حل ہونے والے نہیں ہیں۔ کیوں ظلم کرتی ہو اپنے آپ پر ___ مجھے پتہ ہے دوپہر بھی تم نے کچھ نہیں کھایا ہو گا۔ ڈیوٹی تھی نا تمہاری۔ بس چائے اور سموسے۔ اسی پر اکتفا کیا ہو گا ___"

وہ چپ رہی

"چلو بھئی ___ تمہیں بھوک نہیں لگی۔ مجھے تو لگی ہے۔ احتجاج کے طور پر آج میں نے گھر پر بھی کھانا نہیں کھایا "

"منیب۔ سچ کہتی ہوں میرا جی کچھ بھی کھانے کو نہیں چاہ رہا ___"

"چلو میری خاطر سہی ___"

ماہ نور چپ ہو گئی ___ پھر آہستگی سے بولی "آخر یوں کب تک چلے گا۔"

"کیا؟"

اس نے دکھی نظروں سے منیب کو دیکھا۔ تو وہ بولا "تم ان قربتوں کی بات کر رہی ۔"

ماہ نور سر جھکائے جھکائے بولی "یہ ہمیں راس نہیں آئیں ___۔"

منیب اس کی بات پر مسکرایا اور سنجیدگی سے بولا "راس آئیں یا نہ آئیں۔ لیکن جو منزلیں طے ہو چکی ہیں۔ ان پر لوٹا نہیں جا سکتا۔ میں نے تمہیں بھی کہا اور امی سے بھی کہہ چکا ہوں ___ شادی بھلے ہو یا نہ ہو ___ ہم دونوں ایک ہیں ___"

ماہ نور اس بات کا کیا جواب دیتی۔ محبتیں شادی پر ہی منتج ہوتی دیکھی تھیں۔ خالی خولی محبتیں تصوراتی باتیں تھیں۔ بغیر کسی اخلاقی یا مذہبی بندھن کے محبتوں کا جواز کیا تھا۔ دونوں نے کوئی جوگ تو نہیں لینا تھا۔ دنیا تو نہیں تیاگ دینی تھی۔

یہیں رہنا تھا

اسی دنیا میں

اسی معاشرے میں

اسی ماحول اور اسی فضا میں۔

کیا

پوری زندگی اس کے تقاضے پورے کئے بغیر گزاری جا سکتی تھی ___

ماہ نور کا واقعی جی نہ چاہ رہا تھا۔ ورنہ وہ تو ہوٹلنگ کی دیوانی تھی۔ کھانے کی ضرورت نہ بھی ہوتی تو وہ شیزان کی آئس کریم کھانے کی ضرور خواہش کرتی۔ دل بجھ سا گیا تھا۔ کوئی چیز اچھی نہ لگ رہی تھی ___

منیب نے اپنی پسند سے ہی دو تین ڈشیں آرڈر کیں ___

"کولڈ ڈرنک۔" بیرے نے آرڈر لکھتے ہوئے پوچھا۔

"دو پیپسی۔" منیب نے ماہ نور کی طرف دیکھا اور پھر آرڈر لکھوا دیا۔ ماہ نور نے کوئی دلچسپی نہ لی ۔۔۔

کھانا آنے تک منیب اس کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا ۔۔۔ اسے خوش کرنے کو دو تین ہلکے پھلکے لطیفے بھی سنائے ۔۔۔

لیکن

اس پر تو جمود کی سی کیفیت طاری تھی۔ منیب دل ہی دل میں پچھتا رہا تھا۔ کہ خواہ مخواہ اسے معاملے کی سنجیدگی سے آگاہ کر دیا۔

کھانا زہر مار کرنے کے بعد منیب نے آئس کریم منگانا چاہی

لیکن

ماہ نور نے منع کر دیا ۔۔۔

"مجھے ہوسٹل چھوڑ دیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی

"ابھی زیادہ وقت تو نہیں ہوا۔" منیب نے گھڑی دیکھی۔ پھر ہال پر نگاہ ڈالی۔ ہال ابھی بھرا نہیں تھا۔ لوگ آ رہے تھے۔ چند میزوں پر ہی لوگ بیٹھے کھا پی رہے تھے۔

رش تو دس بجے کے بعد ہوتا تھا ۔۔۔

لیکن

ماہ نور رکنے کو تیار نہ تھی۔

منیب کو بھی اٹھنا پڑا۔ اس نے بل اور ٹپ بیرے کو دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

○ ○ ○

مہندی کی تقریب بڑی رنگین پر بہار اور پر رونق تھی۔ عورتوں کی اکثریت نے زرد کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ بناؤ سنگھار اور سج دھج دیدنی تھی۔ رات کی اس تقریب کے لئے صبح سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ خواتین اور لڑکیاں اپنے اپنے لباس استری کروا کروا کر کمروں میں لٹکا رہی تھیں زیورات کا انتخاب ہو رہا تھا ۔۔۔ پارلروں میں جاکر بال بنوانے کے لئے وقت لیا جا رہا تھا۔ کچھ نے تو میک اپ بھی وہیں سے کرانا تھا ۔۔۔ گھر مہمانوں سے بھرا تھا۔ اتنی وسیع و عریض کوٹھی بھی گویا تنگ پڑ رہی تھی ۔۔۔ تقریب تو شیرٹن میں تھی۔ یہ گہما گہمی تو تیاریوں کی وجہ سے تھی۔

کنیزہ اپنے کمرے میں سہیلیوں اور ہم عمر کزنز کے ساتھ بیٹھی تھی۔ مہندی کا جوڑا۔ پھول اور چوڑیاں سسرال سے آ چکی تھیں۔ شام ہوٹل جانے سے پہلے نئی نویلی دلہنوں نے کنیزہ کو تیار کیا۔ مہندی کا جوڑا پہنایا۔ بالوں میں پھول سجائے۔ ہاتھوں میں پھولوں کے گجرے پہنائے۔

گھر کے سب لوگ کنیزہ کو لے کر وقت سے کچھ پہلے ہی ہوٹل پہنچ گئے تھے۔ مہمان وقت مقررہ پر آنا شروع ہوگئے۔ آہستہ آہستہ پیلے پھولوں اور پیلی سٹیج سے سجا ہال مہمانوں سے بھرنے لگا۔ سسرالی لوگوں کا انتظار ہو رہا تھا۔ وہ لوگ کوئی غیر نہ تھے۔ اپنے ہی عزیزوں میں سے تھے۔ پھر بھی ان کی عزت افزائی اور آؤ بھگت کے لئے پورا پورا انتظام کیا گیا تھا ۔۔۔ بڑے تایا کے بیٹے ظہیر اور مصطفیٰ سب انتظامات کر رہے تھے ۔۔۔ خاندان کے نوجوان لڑکے ان کی مدد کو مستعد و تیار تھے ۔۔۔ ادھر سے ادھر دوڑے پھر رہے تھے۔ چونکہ آج مہندی کی رسم تھی اس لئے پورا ہال پیلے رنگ کا تاثر دے رہا تھا ۔۔۔ پیلے پھولوں کی لڑیاں اور جگہ جگہ رکھے گلدستے رنگ جما رہے تھے۔ سٹیج تو پورے

کا پورا پیلے رنگ کا تھا۔ اس کی آرائش تازہ اور کاغذی پھولوں سے بڑی نفاست
گئی تھی ___ ابھی سٹیج خالی تھی۔ کنیزہ کو الگ کمرے میں بٹھایا گیا تھا۔ دولہا وال
آنے کے بعد اسے یہاں لاتا تھا۔ پھر مہندی کی رنگین تقریب ہونا تھی۔

گھر میں رات گئے تک گانے بجانے بھنگڑے ڈالنے اور رقص کرنے کی محفلیں
دنوں سے بپا ہو رہی تھیں ___ تایا چچا اور ماموں کے ہاں بھی ایسی محفلیں اس خو
منعقد ہوئی تھیں ___

لیکن

آج

سسرال والوں سے مقابلہ تھا۔ لڑکیوں لڑکوں عورتوں مردوں کا رقص اور گانا بجا
درانہ نہیں تھا ___ خوشی کے اظہار کی اچھل کود ہی تھی۔ لیکن جذبوں کی صداقت
دلی خوشیوں کا اظہار ایک ایک حرکت سے ٹپک رہا تھا ___ آج تو سب پوری طرح
تھے ___ سب نے اپنے اپنے گروپ بناکر پسندیدہ اور تیز میوزک والے گیتوں پر
ڈالنے اور ڈانس کرنے کی پریکٹس کی ہوئی تھی ___ پسندیدہ کیسٹیں سی ڈی پلیر پر
ہونے عمیر اور سلیم کو دے دی تھیں۔ انہیں سمجھا دیا تھا۔ کونسی کیسٹ کب لگانی ہے۔

سسرال والے بڑی سج دھج سے آئے ___ بڑے بڑے مہندی کے تھال جو ر
پنیوں اور گوٹے کناری سے سجے تھے اور جن میں موی رنگدار شمعیں جل رہی تھیں
بیش قیمت ملبوسات پہنے زیورات سے لدی اور میک اپ سے سجی جوان خواتین ا
لڑکیوں نے اٹھا رکھے تھے۔ چھوٹی چھوٹی تھالیوں میں بھی اسی طرح مہندی سجی تھی۔
رشتے کی بہنوں نے اٹھا رکھی تھیں۔ وہ آگے آگے مہندی کے گیت گاتے آرہی تھی
___ تیز آواز میں ڈھول بج رہا تھا۔ لڑکیوں کے پیچھے مشعل بردار لڑکے تھے ___ جو جا
مشعلیں اٹھائے ڈھول کی تھاپ پر لڈی ڈالتے ہوئے آرہے تھے۔

بڑا ہی خوبصورت ہنگامہ تھا ___

لڑکی والوں نے ان لوگوں کا شان شایاں استقبال کیا ___ سب کو پھولوں کے ہا

پیش کیے ___ پھولوں کی پتیاں آنے والوں پر نچھاور کی گئیں ___ فرداً امی اور خاندان
کی دوسری خواتین کے ساتھ سمدھیوں کو گلے مل مل کر مبارکبادیں دے رہی تھیں۔
جواباً وہ بھی ایسا ہی کر رہی تھیں ___

سب مہمانوں کو صوفوں پر بٹھا دیا گیا۔ ایک طرف مردوں کے لئے سیٹیں تھیں۔
درمیان میں خاصہ فاصلہ چھوڑ کر دوسری طرف عورتوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ درمیانی
جگہ نوجوانوں کے بھنگڑوں رقص اور گانے بجانے کے لئے رکھی گئی تھی۔

خواتین نے آتے ہی درمیان میں مہندی کے بڑے بڑے تھال اور چھوٹی چھوٹی
تھالیاں گول دائرے میں رکھدیں ___ پھر چھم چھم کرتی چھن چھن کرتی خوبصورت عورتیں
اور لڑکیاں ان کے گردا گرد لڈی ڈالنے لگیں ___ ڈھول والے ڈھول پیٹنے لگے ___
جن کی آواز آہستہ آہستہ تیز ہوتی گئی ___ تیزی کے ساتھ لڈی میں بھی تیزی آگئی ___ اب
اس لڈی میں مشعل بردار لڑکے جنہوں نے سفید جوڑے پہن رکھے تھے اور کندھوں
پر اجرکیں ڈال رکھی تھیں شامل ہوگئے ___ سب نے جو سماں باندھا ___ وہ دیدنی تھا
___ کنیزہ کی امی ابو اور دوسرے قریبی عزیز ان پر سے روپے وار وار کر ڈھول والوں کو
دینے لگے۔ انہیں اتنی بیلیں اکٹھی ہوئیں۔ کہ خوشی سے وہ بہک بہک گئے ___

لڈی کے بعد دونوں طرف کی لڑکیاں اپنی اپنی ڈھولک لے کر بیٹھ گئیں ___ دو
دائرے بن گئے اور اب گیتوں کا مقابلہ شروع ہوگیا ___ جہاں کہیں بھی کوئی پارٹی چوک
جاتی دوسری پارٹی شور مچا مچا کر انہیں نیچا دکھانے اور ہار ماننے پر اکساتی ___ یہ مسرور سی
ہلا گلا کافی دیر رہی ___ کپل ڈانس بھی ہوئے اور الگ الگ رقص بھی پیش کئے گئے۔
دولھے کی کزن سمرہ کا ڈانس تو سب نے بہت ہی پسند کیا۔ چند نوجوانوں کا اجتماعی ڈانس بھی
بہت سراہا گیا۔ ٹیپ اونچے سروں میں بجتا رہا۔ باتوں اور ہنسی مذاق کا سلسلہ بھی جاری رہا

اور

چاک وچوبند دونوں طرف سے بلائے گئے کیمرہ مین ان مسرور اور خوش کن لمحوں کو

سلولائیڈ پر منتقل کرتے رہے۔

کافی ہلا گلا ہو چکی تو مہندی کی رسم کے لئے کنیزہ کو ہال میں لایا گیا۔ اس نے پچ
کناری لگے دوپٹے کا گھونگھٹ نکالا ہوا تھا۔ ایک طرف سے فردا نے پکڑ رکھا تھا دو
طرف سے صائمہ نے۔ پیچھے پیچھے نوجوان لڑکیاں گیت گاتی چلی آرہی تھیں اسے
بٹھا دیا گیا ___

پھر دولہا کو بھی لا کر اس کے ساتھ بٹھا دیا گیا۔

مہندی کے گیت ڈیک پر بجتے رہے۔ پہلے سسرالی عزیزوں نے کنیزہ کو مہندی لگ
پہلے اس کی ساس نے تھال میں سے مہندی لے کر اس کی ہتھیلی پر رکھی۔ ہتھیلی پر
نوٹ رکھا ہوا تھا۔ مہندی اس پر رکھی گئی۔ چونکہ دلہن کے ہاتھوں پر بڑی نفاست
مہندی لگائی جانا تھی۔ اس لئے احتیاطاً نوٹ پر مہندی کی رسم کی جارہی تھی۔ یہ نوٹ
میں خیرات کر دیا جاتا تھا۔

ساس نے مہندی لگائی۔ مٹھائی اس کے منہ میں ڈالی اور پانچ سو کا نوٹ اس کے ر
وار کر ساتھ بیٹھی لڑکی کی تائی کو دے دیا۔ یہ وارے ہوئے روپے غریبوں اور نوکر
چاکروں میں بانٹے جاتے تھے ___ ساس نے کنیزہ کے سر پر بوسہ دیا اور دعائیں دیتی
ہٹ گئی ___ اب مہندی لگانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سب نے وہی کیا جو کنیزہ کی سا
نے کیا تھا ___

سب عورتیں بھگت چکیں تو پھر لڑکے کو اسی انداز میں لڑکی والوں نے مہندی لگائی
دولہا بڑا ہنس مکھ اور باتونی سا تھا ___ ہر ایک کے ساتھ بے تکلفی سے باتیں کئے جا
تھا۔

ہنسی خوشی مہندی کی تقریب اختتام پذیر ہوئی۔ کنیزہ کو لڑکیاں پھر کمرے میں
گئیں۔"

گانے بجانے کے شوقین جوان اور لڑکیاں پھر میدان میں آگئیں۔

لیکن

انہیں رکنا پڑا۔

"کھانا لگ چکا ہے۔ پہلے کھانے سے فارغ ہو جایئے۔ یہ ہلا گلا تو رات بھر چلے گی۔"
کسی نے آکر مہمانوں سے کہا پھر گھر والے مہمانوں کو کھانے کے لئے اٹھنے کا
کہنے لگے۔

سب ڈائننگ ہال کی طرف جانے لگے۔

کھانا بے حد پر تکلف اور وافر مقدار میں تھا۔ مہمان بھی بہت زیادہ تھے۔ سب اپنی اپنی
پلیٹیں اٹھا اٹھا کر کھانا نکالنے لگے۔ گھر کے سب لوگ مہمانوں کے آگے پیچھے پھر رہے تھے۔
ان کا خیال رکھ رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی بھی مہمان ایسا نہ رہ جائے جسے
ٹھیک طرح سے کھانا نہ ملے ___ رش جو کافی زیادہ تھا۔ بیرے بھی ہر ایک کو کھانا پیش کر
رہے تھے۔ پراتیں بھر بھر کر کھانا لائے جا رہے تھے۔ کولڈ ڈرنک بھی سرو کر رہے تھے۔
چونکہ گھر والے بھی محتاط تھے۔ اس لئے کھانے میں کوئی گڑبڑ ہوئی نہ بدمزگی سب
نے سیر ہو کر کھایا اور خوب لطف لیا۔

کھانا کھا کر کچھ لوگ تو واپس چلے گئے۔ کچھ کھیل تماشا دیکھنے کے لئے بیٹھے رہے۔

موسیقی کی محفل ایک بار پھر سج گئی ___

بھنگڑہ تیز تھاپ پر ڈالا گیا۔

لڈی کی رنگینی نے سب کو محظوظ کیا ___

رقص کئے گئے۔ جن کا انداز دلفریب تھا ___

یہ ہلا گلا دیکھ کر بڑوں کو بھی جوش آگیا ___ دولہا کے امی ابو کو چند خواتین درمیان
میں گھسیٹ لائیں ___

"بیٹے کی شادی ہے۔ ڈانس کریں جناب۔" ارد گرد سے آوازیں آئیں۔ پہلے تو وہ
لئے دیئے رہے۔ پھر جو ناچ شروع ہوا تو اور لوگ بھی شامل ہو گئے دولہا میاں بھی اس ہلا
گلا میں شریک ہو گئے۔ اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر انہوں نے بھی شاندار رقص کیا۔
مصطفیٰ اور ان کے کزنز کو بھی رقص میں شامل کرنے کے لئے بلایا گیا۔ مصطفیٰ نے

لاکھ معافی چاہی ___ لیکن کئی نہ کترا سکے۔ دو چار بار ہاتھ اونچے کر کے ہلائے اور دائرے سے باہر آگئے۔ ہاں مجتبیٰ اعجاز اور ان کے دوسرے کزن خوب ناچے۔

یہ

خوبصورت

رنگین

اور

دلی خوشیوں کی ضامن تقریب رات کے اڑھائی بجے تک جاری رہی۔ سب نے خوب خوب انجوائے کیا۔

پھر واپسی شروع ہوئی۔

گھر پہنچتے پہنچتے ساڑھے تین پونے چار کے قریب ہوگئے۔ رات ڈھلتے ڈھلتے صبح کے دامنوں کو چھونے تک ہو رہی تھی۔ جب تھکے ہارے لوگ بستروں میں پڑ کر کمریں سیدھی کر رہے تھے۔

مصطفیٰ بھی اپنے کمرے میں آگئے۔ مہمان چونکہ زیادہ تھے۔ اس لئے ان کے کمرے میں بھی فومی گدے ڈال کر پانچ چھ لڑکے سوگئے ___ مصطفیٰ کافی دیر جاگتے رہے۔ آج کی تقریب تو بخیریت گزر گئی تھی۔ کل بارات تھی۔ کراچی کے بہت بڑے ہوٹل میں بارات کا انتظام کیا گیا تھا۔ مصطفیٰ سارے انتظامات سے مطمئن تھے۔ وہ انہیں کے متعلق سوچتے ہوئے اونگھ گئے۔ پھر گہری نیند نے انہیں آلیا۔

صبح وہ دیر تک پڑے سوتے رہے۔ کسی نے انہیں جگایا بھی نہیں۔ رات کی ذمہ داری پھر ان کے سر تھی۔ اس لئے جب ان کے کمرے میں سونے والے نوجوان اٹھ بھی گئے تب بھی امی نے انہیں منع کیا کہ مصطفیٰ کو ڈسٹرب نہ کریں۔

ان کی آنکھ تو تب کھلی

جب

سرہانے سائیڈ ٹیبل پر رکھے فون نے مسلسل ٹرن ٹرن کرنا شروع کر دیا۔

"اوہ ___ کون ہے اس وقت۔" مصطفیٰ نے نیند سے بھری آنکھیں ایک لمحہ کو کھولیں اور لیٹے لیٹے ہی ریسیور اٹھالیا ___

"ہیلو۔" ان کی آواز بوجھل تھی۔

"کون بول رہا ہے۔" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"مصطفیٰ ___" انہوں نے قدرے بیدار ہوتے ہوئے کہا۔ آواز مانوس لگی تھی وہ شاید منیب تھا ___

"منیب بول رہا ہوں۔" وہ منیب ہی تھا ___ مصطفیٰ نے اب زبردستی اپنی بند آنکھیں کھولیں اور بستر میں ہی لیٹے لیٹے بولے "کہاں سے بول رہے ہو ___"

"لاہور سے۔"

"ابھی لاہور ہی میں ہو ___"

"ہاں۔"

"یہاں کب پہنچو گے۔"

منیب بوجھل آواز میں بولا۔ "میں نہیں آرہا ___ سوری ___ افسوس تو بہت ہے۔ لیکن طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ___"

"کیا ہوا طبیعت کو۔" مصطفیٰ کروٹ بدل کر قدرے اٹھ کر بولے۔

"بس یار ___ ہاں تم کہو رات کا فنکشن کیسا رہا ___ آج رات تو بارات ہے نا۔"

"سب کچھ اچھا رہا ___ بلکہ گہما گہمی میں تمہاری کمی بہت محسوس کی۔"

"میری یا کسی اور کی بھی ___"

"کسی اور کی اپنی جگہ۔" مصطفیٰ مسرور لہجے میں بولے "ہاں تمہاری بھی بہت محسوس کی۔ لیکن تم آج بھی نہیں آرہے۔"

"نہیں ___"

"کیوں؟"

"بس مصطفیٰ ___ ذہنی طور پر بہت پریشان ہوں۔ گھر میں وہی چخ چخ ہے۔"

"اوہو ___"

"کچھ سمجھ نہیں پا رہا کیا کروں۔"

مصطفیٰ ایک لمحہ کو چپ ہوئے پھر پوچھا "ماہ نور کیسی ہیں ___"

"کچھ نہ پوچھو ___"

"کیا ہوا ___"

"اس دن میں نے اپنی دانست میں عقلمندی کی۔ اسے امی کی ضد اور نارضامندی ساری بات بتادی ___"

"پھر۔"

"پھر کیا اس بیچاری کا رو رو کر حشر ہوگیا۔ اب کیا کروں اسے کیسے سنبھالوں اور امی کیا کروں ___"

"واقعی معاملہ پریشان کن ہی ہے ___"

"میں نے شادی میں ضرور شرکت کرنا تھی۔ بس اسی وجہ سے نہیں آرہا۔ بہ پریشان ہوں۔"

"ہوں۔"

"تم کب آرہے ہو۔"

"پرسوں ولیمہ ہے اس کی اگلی رات کی فلائیٹ لے رہا ہوں۔"

"آجاؤ تو مجھے کوئی راہ دکھاؤ۔ کیا کروں۔"

دونوں چند لمحے باتیں کرتے رہے۔ پھر فون بند کرنے سے پہلے منیب نے پوچھا "نے اپنی بات کی امی سے۔"

"ابھی نہیں۔ لیکن آنے سے پہلے بات کردوں گا ضرور ___ تمہارے حالات سن کر تو مجھے بھی ڈر لگنے لگا ہے۔ یہ امی لوگ ہوتی بڑی ڈومیننگ ہیں ___"

"تمہارا حال مجھ سا نہیں ہوگا ___ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں ___ ماہ نور بھی کمشنر کی پوتی ہوتی تو شاید اتنی مشکل کا سامنا نہ ہوتا ___"

"مایوس نہ ہو یار خدا بہتر کرے گا۔"

اس کے بعد دو چار باتیں ہوئیں منیب نے شادی کی مبارک امی ابو تک بھی پہنچانے کا کہا۔ پھر افسردگی ہی سے فون بند کر دیا۔

مصطفیٰ کو اس کی بات سن کر دکھ ہوا۔ پھر اپنی فکر نے آن گھیرا۔ کیا پتہ امی کیا رویہ اختیار کریں۔

بہرحال

شادی بخیریت ختم ہو جانے کے بعد انہوں نے امی سے بات کرنے کا تہیہ ضرور کرلیا

شادی شان و شوکت سے ہوئی۔ کثیرہ دعاؤں اور آنسوؤں کے سائے تلے رخصت ہوگئی۔ ایک نئی دنیا بسانے کیلئے۔ ایک نیا اور اپنا گھر آباد کرنے کے لئے۔

ولیمے کی رات مصطفیٰ فارغ ہو کر گھر آئے۔ تو سب سے پہلے انہوں نے ثمین کو فون کیا۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ ثمین بیڈ میں پڑ چکی تھی۔ کل رات اور آج دوپہر تک ڈیوٹی دی تھی۔ خاصی تھکی ہوئی تھی ___ گھر آکر بھی سو نہ سکی تھی۔ طیب اور اس کی دلہن ملنے آگئے تھے۔ شام تک ان سے گپ شپ رہی تھی۔

وہ اٹھ کر گئے ہی تھے۔ کہ عائشہ اور مریم آگئی تھیں۔ عائشہ اور مریم آگئی تھیں۔ عائشہ سے تو کبھی کبھار ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ مریم انگلینڈ کچھ عرصہ کے لئے چلی گئی تھی ور کافی عرصے کے بعد ملی تھی ___

یوں ثمین کے گھر آکر سونے کا پروگرام رہ گیا تھا۔

لیکن

سوئی وہ اب بھی نہیں تھی۔ وہ جب زیادہ تھک جایا کرتی تھی۔ تو نیند اکثر نہیں آیا کرتی تھی۔ اسے سونے کیلئے ٹرانکولائزر لینا ضروری ہو جاتا۔

اب بھی

وہ اپنے دوائیوں کے ڈبے میں سے گولی نکال کر لائی تھی۔ گولی سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر

بیڈ میں لیٹ گئی تھی۔ گولی لینے کا ارادہ ہی کر رہی تھی۔ کہ فون کی گھنٹی بجی ___ جانے بنا ہی وہ جان گئی۔ کہ یہ مصطفیٰ ہی ہونگے۔ شادی سے فارغ ہو کر فون کر رہے ہوں گے۔

وہ

واقعی

مصطفیٰ ہی تھے ___

خوشی کی لہر اس کی رگوں میں سنسناتی ہوئی دوڑ گئی ___ جس دن وہ کراچی پہنچے تھے۔ اس دن ہی فون کیا تھا۔ اس کے بعد آج ان سے بات ہوئی تھی۔

مصطفیٰ نے کافی لمبی کال کی۔ شادی کی گہما گہمی کا بتایا۔ کنیزہ کی بخیریت رخصتی کی بات کی ___ واپس آنے کی تاریخ بتائی ___

اور

سب سے زیادہ سبین کا دل دھڑکا دینے والی یہ بات بھی بتائی۔ کہ آنے سے پہلے وہ امی سے اس کا پورا تعارف کروا کے اپنی دلی تمنا کا اظہار بھی کر کے آئیں گے۔

○ ○ ○

کل سبین اتنی مصروف تھی۔ کہ کسی بات کا ہوش ہی نہ تھا۔ اس کے وارڈ میں بیڈ نمبر چار اور چھ پر دو نئے مریض آئے تھے۔ ایک مریض تو سخت تکلیف میں تھا۔ بیلی بون میں اتنی درد تھی۔ کہ کئی پین کلر لگانے کے باوجود اسے چین نہ آ رہا تھا۔ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھا۔ یہ ڈاکٹر طارق کا پیشنٹ تھا اور اسے وقتی طور پر اس وارڈ میں شفٹ کیا گیا تھا۔

سبین نے رات بھر ڈیوٹی دی تھی اور اب اس پیشنٹ سے نپٹ رہی تھی۔ مصروفیت کی وجہ سے اسے ماہ نور کا خیال ہی نہیں آیا

لیکن

جب چھٹی کے وقت وہ اپنا بیگ لاکر میں سے نکال رہی تھی۔ تو ماہ نور کے وارڈ کی نرس عطیہ کسی کام سے ادھر آ گئی۔

اس نے سبین کو سلام کیا۔

جواب دیتے ہوئے سبین نے پوچھا "کیسی ہو عطیہ ___"

"ٹھیک ہوں ڈاکٹر ___"

"ماہ نور آج ادھر نہیں آئی۔ میں بھی ادھر نہیں جا سکی۔"

"جی وہ تو آج آئی نہیں ہیں ___"

"کیا؟"

"چھٹی پر ہیں۔"

"کیوں؟"

"پتہ نہیں جی۔ طبیعت ٹھیک نہ ہو گی۔"

"حد ہوگئی ___ طبیعت ٹھیک نہ تھی ___ تو مجھے ہی بلالیتی۔"

عطیہ چپ ہوگئی۔

ثمین نے بیگ نکال کر کندھے پر ڈالا ___ سٹیتھو سکوپ گلے میں ڈالے ڈالے مریضوں کے بیڈز کی طرف آئی۔ حال احوال پوچھا۔ درد کا مارا مریض اب اونگھ گیا تھا۔ ثمین نے نرس کو اس کے متعلق کچھ ہدایات دیں۔ پھر بولی "اس کی رپورٹس آ۔ والی ہیں۔ ابھی ڈاکٹر طارق آجائیں گے۔ انھیں بتا دینا اور ہاں جب تک ڈاکٹر صاحب آئیں۔ تم ادھر ہی رہنا۔ اس پیشنٹ کی نگہداشت بہت ضروری ہے ___"

"میڈم آپ؟"

"میری چھٹی کا وقت ہوگیا ہے ___ ابھی ڈاکٹر فوزیہ بھی آتی ہوں گی۔ ڈاکٹر طار بھی آجائیں گے۔"

"بہتر ___"

"پیشنٹس کا دھیان رکھنا۔ کسی سے باتوں میں نہ لگ جانا۔"

"نہیں ڈاکٹر صاحب ___ میں ڈیوٹی میں کوتاہی نہیں کرتی۔"

ثمین مسکرا کر بولی "صرف باتیں بہت کرتی ہو ___"

وہ بھی مسکرا دی۔

ثمین وارڈ سے باہر نکل آئی۔ ڈاکٹر فوزیہ ادھر ہی آرہی تھی۔ ثمین کو اس کے چند منٹ یہاں رکنا پڑا ___ ثمین کے چھ بیڈز پر چار تو پرانے مریض ہی تھے دو مریضوں کے متعلق ثمین نے مختصراً فوزیہ کو بتایا ___ پھر

وہ اپنی راہ ہولی۔ برآمدوں اور سامنے والے کھلے لانوں میں کافی رش تھا۔ لو آجارہے تھے۔ کوئی کھانا لے کر وارڈوں میں جارہا تھا۔ کوئی مریضوں کے ساتھ ٹھہ والے لوگوں کو کھلا کر واپس آرہا تھا۔ کچھ لوگ رشتہ دار بیماروں کی احوال پرسی کو آجار تھے۔ ہسپتال میں لوگوں کے آنے جانے کے اوقات مقرر تھے۔

لیکن

لگتا تھا بے اصول لوگوں کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ مریضوں اور ہسپتال کے عملے کی تکالیف کا اندازہ کئے بغیر وہ اپنی سہولت دیکھتے تھے۔ الگ لئے ہوئے کمروں میں تو شاید لوگوں کے آنے جانے سے مریض اتنے ڈسٹرب نہ ہوتے تھے۔ لیکن وارڈوں میں جب لوگوں کی ٹولیاں مریضوں کی احوال پرسی کو وقت کی پابندی کئے بغیر گھسی چلی آتیں۔ تو ڈاکٹروں اور دیگر عملے کے لئے خاصی مشکل ہو جاتی۔

ثمین رش میں سے ہوتی ہوئی کینٹین کی طرف آئی۔ اس نے گھر جانے کی بجائے ماہ نور کو ہوسٹل دیکھنے جانا تھا۔ بھوک زوروں سے لگ رہی تھی۔ اس لئے سوچا کہ کچھ کھا پی لے۔

کینٹین میں عمیر اور باسمہ چائے پی رہے تھے۔ ذکی بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ سموسوں پر ہاتھ صاف کر رہا تھا اور میزوں پر بھی ڈاکٹر لڑکے لڑکیاں بیٹھے کھاپی رہے تھے۔

"آؤ ___ آؤ ___" ذکی نے ثمین کو دیکھا تو بڑے پرتپاک لہجے میں اپنی طرف بلایا ___ "یہ چوتھی کرسی تمہارے لئے خالی رکھی تھی ___"

"جھوٹے کہیں کے۔ میرے متعلق الہام ہوگیا تھا ___" ثمین مسکراتی ہوئی آگے بڑھی تو عمیر اور باسمہ نے بھی گردنیں موڑ کر اسے دیکھا۔ سلام دعا کے بعد انہوں نے بھی میز کے اس طرف رکھی خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"شکریہ۔" ثمین سٹیتھو سکوپ گلے سے نکال کر بیگ کے ساتھ میز کے کنارے پر رکھتے ہوئے بولی۔

"کہاں ہوتی ہیں جناب ان دنوں ___" ذکی نے طنز کیا

"یہیں ہوتی ہوں۔" ثمین بولی۔

"نظر کم کم آتی ہو۔"

"عینک لگوالو۔ لگتا ہے آئی سائٹ ویک ہوگئی ہے تمہاری۔ ابھی دو دن تو ہوئے تمہارے ساتھ ایمرجنسی میں ڈیوٹی تھی میری ___"

"میرا مطلب ہسپتال اور اس کی ڈیوٹیوں سے نہیں ہے میڈم ___ ہمارے ملنے
پروگرام پہلے بھی تو بنا کرتے تھے ___ کتنے ماہ ہوگئے ___ کہیں گئے آئے ہی نہیں۔"
"اب یہ تو نہ کہو یار ___ مری گئے مہینے تو نہیں ہوگئے۔" عمیر نے سبین کی بجا
کہا
"میرا مطلب شہر سے باہر کے کسی پروگرام سے نہیں تھا۔" ذکی چمک کر بولا۔
"تو اور ___" یاسمہ نے کہا
"بھئی یہاں بھی تو سیرو تفریح ہوتی تھی۔ کبھی ہوٹل میں کھانا ___ کبھی ڈسکو پا
کبھی سٹیج ڈرامہ ___ وغیرہ وغیرہ۔"
"ہاں سبین ___ ذکی ٹھیک کہہ رہا ہے ___ ایسا پروگرام اب کافی دیر سے نہ
بنا۔"
عمیر نے ذکی کی طرفداری کی۔
"اور اب کبھی بنے گا بھی نہیں۔" ذکی نے کہا
"کیوں؟ ۔" یاسمہ اور عمیر بیک وقت بولے۔ سبین نے صرف مسکرا کر ذکی کو دیکھ
پر اکتفا کیا
"اس لئے کہ ایسے پروگرام بنانے میں ڈاکٹر سبین صاحبہ اور ان کی کولیگ ڈاکٹر ماہ
صاحبہ ہی پیش پیش ہوتی تھیں۔" ذکی بات چبا چبا کر بولا۔
"تو ___ اب کیا ہوا ان کو۔" عمیر نے پوچھا
ذکی نے شوخی سے عمیر اور یاسمہ کو دیکھا اور بولا "اس لئے کہ یہ دونوں ا
تمہارے والی لائن پر چل پڑی ہیں ___"
"بکواس نہ کرو۔" سبین نے ہنسی چھپاتے ہوئے مصنوعی غصے سے کہا۔
"ہاں۔" عمیر بھی ہنس کر بولا ___ "ذکی کی بات کی میں بھی تائید کرتا ہوں۔"
سبین مسکرا کر انہیں دیکھنے لگی۔
"وہ تمہارے سرکئی دنوں سے غائب ہیں۔" ذکی نے سبین کی ڈھیل سے فائدہ اٹھ

"کہاں گئے ___؟"
"کون؟ ڈاکٹر زبیر ___" یاسمہ بولی
"نہیں جی ___" ذکی بولا ___ ""ڈاکٹر سبین ایسی چھوٹی موٹی آسامی کو بھلا گھاس
ڈالتی ہیں۔ میں سینئر رجسٹرار ڈاکٹر مصطفیٰ صاحب کی بات کر رہا ہوں ___"
سبین کچھ جھینپ سی گئی ___ پھر شرمائے سے لہجے میں بولی "بڑی معلومات ہیں
تمہاری۔"
"جی ہاں۔" عمیر بولا "بندے کی معلومات بھی اس سے کچھ کم نہیں۔ بلکہ ڈاکٹروں
کی اکثریت یہ بات جانتی ہے ___"
سبین سنجیدہ سی ہوگئی ___ بے تکلف دوستوں کے سامنے اس بات سے انکار بھی
نہ کر سکتی تھی۔
لیکن۔
اقرار بھی تو کرنے میں دشواری تھی۔
کیا
خبر کل کو کیا ہو۔ بات بنے یا نہ بنے۔ اس لئے اس معاملے کو آگے نہیں بڑھایا۔
بات بدلنے کو بولی "کچھ کھانے پینے کو بھی ملے گا ___ بھوک سے برا حال ہے۔
تازہ چائے ہی منگوا دو ___"
ذکی نے اس کے لئے چائے کا آرڈر کیا۔ تازہ سموسے اور بسکٹ بھی منگوائے۔
"میں نے ماہ نور کو دیکھنے جانا ہے۔" سبین بولی
"کیوں کیا ہوا اسے۔" سب نے پوچھا
"آج ہوسپٹل آئی نہیں۔ سنا ہے طبیعت ٹھیک نہیں۔ کل چھٹی تھی۔ پتہ نہیں کب
سے ٹھیک نہیں کمبخت نے اطلاع ہی نہیں دی ___"
"خیر۔" ذکی بولا "معمولی بیمار ہوں گی۔ زیادہ ہوتیں تو ہوسپٹل آجاتیں۔"
"یہ بھی ٹھیک ہے۔" یاسمہ بولی۔

"زکام کھانسی آج کل بڑی ان ہے۔" عمیر بولا۔

باتوں کے دوران چائے آگئی۔

سبین نے چائے کے ساتھ دو بسکٹ اور ایک سموسہ لیا۔ کھا پی کر وہ تازہ دم ہو گئی۔

اس نے بل دے کر اٹھنا چاہا۔ تو ذکی نے روک دیا ــــ "کبھی ہم غریبوں کو بھ
خدمت کا موقع دیا کرو۔ مانا ہم آواری اور پی سی میں کھانا نہیں کھلا سکتے۔ لیکن اس کینٹین
کا بل تو دے سکتے ہیں ــــ"

سبین سمجھ گئی ــــ کہ وہ اس کے اور مصطفیٰ کے تعلقات کے متعلق کافی کچھ جا
ہے۔ اس نے صرف گھور کر اسے دیکھا اور بل دینے پر شکریہ ادا کیا۔

پھر

سب کو خدا حافظ کہتے ہوئے باہر آگئی۔

اب اس کا رخ ڈاکٹرز کی گاڑیوں کی پارکنگ کی طرف تھا۔ چوکیدار کے باوجود کئ
لوگ اپنی گاڑیاں بھی یہاں آگے پیچھے کھڑی کر کے ڈاکٹرز کے لئے مصیبت پیدا کر دیا کر
تھے۔

لیکن

سبین نے دیکھا ــــ اس کی گاڑی کے سامنے راستہ صاف تھا۔ وہ جلدی سے اد
طرف آگئی۔ اس نے گاڑی کھولی برابر والی سیٹ پر بیگ اور سٹیتھو سکوپ پھینکی۔ خو
ڈرائیونگ نشست پر بیٹھ گئی ــــ

گاڑی نکال کر وہ پارکنگ لاٹ سے باہر آگئی۔ گول چکر کے گرد گھوم کر اس نے باہر
نکلنے والے راستے پر گاڑی ڈال دی۔ یہاں بھی کافی رش تھا۔ گاڑیاں ویگنیں ایمبولینس او
پیدل لوگ آجا رہے تھے۔ گاؤں سے آئے کئی لوگ جو اپنے مریضوں کے ساتھ ہسپتال
آئے ہوئے تھے فٹ پاتھ پر ڈیرے جمائے بیٹھے تھے۔ یہاں کئی چھابڑی فروش بھی چیزیں
بیچتے پھر رہے تھے۔

سبین نے ان سب کو دیکھ کر بیزاری سے سر ہلایا۔ پھر اپنے راستے پر ہولی۔ اس نے

ہوسٹل جاتا تھا۔ پچھلی طرف سے جانے میں آسانی تھی۔ اس لئے وہ گاڑی اسی طرف لے
آئی۔ یہاں اکا دکا گاڑیاں ہی کھڑی ہوتی تھیں ــــ سبین نے سڑک کے ایک طرف
گاڑی روکی۔ باہر نکلی۔ بیگ اٹھایا ــــ اوور آل اتار کر سیٹ پر پھینک دیا۔

اب وہ ہوسٹل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پچھلا دروازہ اکثر اس وقت کھلا ہی ہوتا تھا۔
وہ اندر چلی گئی۔ خاصہ اونچا نیچا راستہ طے کر کے اسے ہوسٹل کی عمارت میں جانا تھا۔
کئی لڑکیاں چھٹی کے بعد ادھر جا رہی تھیں۔ کتابیں بیگ اور اوور آل اٹھائے تھکے
تھکے قدموں سے اپنے کمروں کی طرف جا رہی تھیں۔ فائنل ایئر کی دو تین لڑکیاں اسے
جانتی تھیں۔ انہوں نے رک کر اسے سلام کیا۔ احوال پرسی کی۔ سبین نے بھی جواباً ایسا
کیا اور ان کی سٹڈیز کے متعلق بھی پوچھا ــــ فائنل ایئر آخری مرحلہ تھا۔ اس کی تیاری
بھی بڑی مشکل اور سخت تھی ــــ کسی لڑکی نے منہ بناتے ہوئے اس مشکل کا ذکر کیا۔

"کوئی بات نہیں ــــ" سبین مسکرائی "ہم بھی اس مشکل سے گزر چکے ہیں۔"

"میں تو خواہ مخواہ ہی میڈیکل کر رہی ہوں۔ ساری عمر اس سے فرار نہیں ملے گا۔"
ایک موہنی سی فائنل ایئر کی لڑکی نے کہا ــــ

"بات تو ٹھیک ہے۔" دوسری سانولی سی لڑکی نے کہا "عمر بھر کا روگ ہے چھوڑے
چھٹے گا نہیں ــــ"

سبین ان کی باتوں پر ہنس پڑی۔ فائنل ایئر کی کٹھن اور سخت پڑھائی سے تنگ آئی
ہوئی لڑکیاں تھیں وہ ــــ

سبین آگے بڑھ گئی ــــ صحن میں کافی لڑکیاں پھر رہی تھیں۔ کوئی کپڑے دھو کر
پھیلا رہی تھی۔ کوئی دوسری لڑکی کے ساتھ دوپٹہ کنیوں سے پکڑ کر سکھا رہی تھی۔ چند
لڑکیاں کھانے کی ٹرے اٹھائے جا رہی تھیں۔ کچھ نے تھرماس پکڑ رکھے تھے۔ چھٹی کے بعد
کچھ دیر کے لئے ان سب کی ایسی ہی مصروفیات ہوتی تھیں۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بھی سبین کو دو تین واقف لڑکیاں ملیں۔ ان کے سلام کا
جواب دیتے ہوئے وہ اوپر کاریڈور میں آگئی ــــ

ماہ نور کا کمرہ دائیں ہاتھ تھا۔ وہ ادھر ہی چل دی۔
دروازہ کھلا تھا۔ دستک دینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ "آجاؤں۔" کہتے ہوئے
سبین اندر داخل ہو گئی ___
ہوسٹل کا چھوٹا سا کمرہ ماہ نور نے صاف ستھرا رکھا ہوتا تھا۔ اس کی روم میٹ فائزہ
بھی اچھی لڑکی تھی۔ وہ ایک ہفتے کی چھٹی لے کر ملتان گئی ہوئی تھی۔ اس کی دادی فوت
ہو گئی تھی۔
ماہ نور کمرے میں اکیلی ہی تھی۔ آج کمرہ کچھ الٹ پلٹ تھا۔ لگتا تھا۔ ماہ نور نے آج
صفائی نہیں کی ___
ماہ نور بستر میں بیٹھی کسی انگریزی رسالے میں سے کوئی آرٹیکل پڑھ رہی تھی۔ اس
نے لگتا تھا نہ آج کپڑے بدلے ہیں۔ نہ ہی بال بنائے ہیں ___
سبین اندر داخل ہوئی تو اس نے رسالہ سرہانے پھینکتے ہوئے اٹھ کر کہا "تم"
"کیوں۔ حیران کیوں ہوئی ہو۔" سبین نے آگے بڑھتے ہوئے اسے گلے لگا کر کہا
"کیا ہوا؟ طبیعت خراب تھی۔ تو کہلا بھیجا ہوتا ___ مجھے تو فرصت ہی نہ تھی۔ آج
بھی گھر جانے کو تھی۔ کہ مسز عطیہ نے بتایا۔ تم آج ہوسپٹل آئی نہیں ___"
سبین نے اسے اپنے سے الگ کرتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں
لیتے ہوئے کہا۔
"بیمار ہو۔"
"نہیں ___" ماہ نور نے گہری سانس لی۔
"تو پھر۔"
"بس۔"
"یہ کیا بات ہوئی۔" سبین نے پوچھا تو جواب میں ماہ نور کی آنکھیں جھلملانے لگیں
اس کا چہرہ بھی اترا اترا لگا۔
"کیا بات ہے ماہ نور ___" سبین نے اس کے ہاتھوں کو ہلکا سا جھٹکا دے کر چھوڑا

ماہ نور ہاتھوں پر چہرہ گرا کر رونے لگی۔
"ہائے ہائے۔" سبین زچ ہو گئی "کوئی پرابلم ___ گھر میں تو سب خیریت ہے نا۔"
"ہاں۔" ماہ نور آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔ پھر سبین کے لئے کرسی آگے کھینچتے
ہوئے بولی "بیٹھو ___"
"روئی کیوں ہو۔" سبین بیٹھی نہیں ___ پھر اسے منیب کے گھر میں چلنے والے
مسئلے کی کشیدگی کا خیال آیا۔ وہ ماہ نور کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی "منیب کی طرف
سے کچھ ہوا ___"
ماہ نور بستر پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی ___ سبین بھی اس کے ساتھ لگ کر وہیں بیٹھ گئی۔
سبین نے دو تین بار اپنا سوال دہرایا تو ماہ نور نے اسے ساری بات تفصیل سے بتا دی ___
سبین چند لمحے کو بت سی بن گئی ___ ماہ نور نے اپنے آنسو آنچل سے صاف کر
لئے۔
"بڑی غلط بات ہے۔" خاموشی کو توڑتے ہوئے سبین بولی۔
"منیب بیچارے خود بھی بہت پریشان ہیں ___" ماہ نور بولی
"کوئی پریشان نہیں۔" سبین کو ایکدم ہی غصہ آگیا۔ ماہ نور نے گردن موڑ کر اسے
دیکھا
"ہاں ماہ نور ___ یہ مردوں کی فرار کی راہیں ہوتی ہیں ___ پریشان ہوتا تو اب
تک معاملہ طے کر لیا ہوتا۔ روز تمہیں آ کر یہی قصہ سناتا ہے۔ کہ امی نہیں مانتیں۔"
"کہتے تو یہی ہیں ___"
"یہ بھی کوئی بات ہے۔ شادی اس نے کرنی ہے۔ زور دے کر اپنی بات منواتا کیوں
نہیں اور اگر اتنا ہی اماں سے ڈرتا ہے تو پھر تمہیں ارے لیے کس خوشی میں لگا رہا ہے۔"
ماہ نور اس کی بات کا جواب نہ دے سکی۔
سبین پھر غرائی "ماں باپ کا ایک اکلوتا بیٹا ہے۔ تمیں بتیس سال کا آدمی ہے۔"
اپنے پاؤں پہ کھڑا ہے ___ پھر بھی اتنا مجبور ہے۔ کہ ماں کے ہاتھوں تمہاری تحقیر

کروائے جارہا ہے۔ بھلا یہ کوئی بات ہے ۔ ۔ تمہاری جگہ میں ہوتی نا ___ "

وہ کچھ کہتے کہتے چپ ہوگئی

تو

ماہ نور نے جلدی سے کہا "تم میری جگہ ہوتیں تو کیا کرتیں ___ اس کی محبت دل سے نکال پھینکتیں ___ کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے ___ "

"محبت دل سے نہ بھی نکالی جاسکے۔ اپنی عزت نفس تو مجروح ہونے سے بچائی جاسکتی ہے ___ میری مانو تو اس سے بالکل کوئی تعلق نہ رکھو۔ مت ملا کرو اس سے ___ جب تک اس کے والدین تمہیں مانگنے تمہارے والدین کے پاس نہ جائیں۔ اس سے قطع تعلق کرلو ___ "

ماہ نور کو سبین کی باتیں حقیقت سے انحراف لگیں۔ اس لئے جواباً بولی۔ "کیا میری طرح کے حالات سے خدا نخواستہ تم دو چار ہو جاؤ تو ___ "

سبین نے اس کی بات کاٹتے ہوئے غصے سے کہا "خدا قسم مجھے تو اتنا پتہ بھی لگ گیا نا کہ مصطفیٰ کے گھر والے مجھے قبول کرنے کو تیار نہیں۔ تو میں سارے تعلقات ۔ سارے ناطے سارے رابطے اس سے توڑ لوں گی ___ "

"سچ کہہ رہی ہو ___ "

"اس میں جھوٹ کی کیا بات ہے ___ کیا ہم لڑکیوں کی کچھ بھی وقعت نہیں ۔ مائیں اپنے معیار کے ترازو پر ہمیں تول تول کر ریجیکٹ کرتی رہیں اور بیٹے سعادت مندی کے آداب نبھاتے ہوئے لڑکیوں کے جذبات سے کھیلتے رہیں۔ میں تو یہ بات ایک لمحہ کو بھی گوارہ نہ کروں۔"

ماہ نور تلخی سے ہنس کر بولی "جانتی ہو نا تمہارے معاملے میں ایسا نہیں ہوگا ___ اتنے سنہری اور شاندار پس منظر کے ساتھ اتنی خوبصورت ڈاکٹر بھلا کس معیار پر پوری نہیں اتر سکتی ___ "

"یہ صرف خوش فہمی ہے ماہ نور ___ میرے ساتھ بھی وہی کچھ ہو سکتا ہے۔ جو

تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔ لیکن میں سب کچھ برداشت نہیں کروں گی۔ مصطفیٰ سے اس وقت تک تعلق توڑے رہوں گی جس وقت تک اس کے والدین آبرو مندانہ طریق سے دامن نہ پھیلائیں ___ "

"جو ایسا نہ ہو تو ___ "

"تو بھی جیا جاسکتا ہے ___ کرب کی محرابوں تلے سے گزر کر بھی بندہ زندہ تو رہتا ہے۔ مر نہیں جاتا۔ عزت نفس کے لئے میں تو محبت کی موت بخوشی گوارہ کرلوں گی۔"

دونوں کافی دیر یہی باتیں کرتی رہیں۔ سبین ماہ نور کو حالات سے نپٹنے کے لئے ذہنی طور پر تیار کرتی رہی ___ دو ٹوک فیصلہ پر اکساتی رہی۔ ماہ نور کے دماغ میں سبین کی باتوں کی حقیقت کچھ کچھ واضح ہونے لگی۔

ذہنی بوجھ انسان کو جسمانی مشقت سے زیادہ تھکا دیتے ہیں اور جب ذہنی بوجھ کے ساتھ جسمانی مشقت بھی ہو ___ دماغی دباؤ بھی تو لگتا ہے انسان بالکل دب کر ہی رہ گیا ہے۔ جب ان سب سے چھٹکارا مل جائے تو ہلکا پھلکا ہو جانے کی کیفیت بڑا مزہ دیتی ہے بندہ ایک دم ہی تازہ دم ہو جاتا ہے۔ ہر جھنجھٹ سے آزادی مل جاتی ہے اور خوشگوار خون میں لہریں لینے لگتی ہے ___ کچھ یہی کیفیت اس وقت مصطفیٰ کی امی شائستہ بیگم کی تھی۔ وہ بیڈ پر بڑے آرام سے تکیوں کے سہارے نیم دراز تھیں۔ کنیزہ کی شادی کا ذہنی اور جسمانی بوجھ اتر گیا تھا۔ اس کی کڑی ذمہ داری سے بخیرو خوبی نپٹ پائی تھیں۔ شادی جتنے اہتمام سے کرنے کی خواہشمند تھیں۔ اس سے کچھ زیادہ ہی شاندار طریق سے ہوئی تھی ___ لڑکے والوں کی طرف سے بھی شادی کی خوشیوں کو دوبالا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی تھی۔ اس لئے وہ بہت ہی مطمئن تھیں۔ آج دوپہر کنیزہ اور اس کا میاں تھوڑی دیر کے لئے ملنے آئے تھے۔ دونوں کی خوشیاں ان کے چہروں کی چمک دمک سے عیاں تھیں۔ وہ دو ایک دن تک ہنی مون کے لئے سری لنکا جا رہے تھے۔ دونوں مغرب کی دنیا تو کافی دفعہ دیکھ چکے تھے۔ اس لئے اس خطے کا انتخاب کیا تھا۔ جہاں کی خوبصورتی سحرانگیز تھی ___

ماں تو ماں تھی سب بہن بھائی اور ابو بھی بہت خوش تھے۔ اس وقت بھی شام کی چائے پینے کے بعد مصطفیٰ فردا اور نوید صاحب یہیں بیٹھے تھے۔ نوید صاحب صوفے پر براجمان تھے۔ فردا ان کے قریب قالین پر بیٹھی تھی اور مصطفیٰ ماں کے پاس ہی بیڈ پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھے تھے ___

آج رات مصطفیٰ کی واپسی تھی۔ مجتبیٰ کو ٹکٹ لانے کے لئے بھیجا ہوا تھا۔ سب

شادی کی خوبصورت تقریبات کی باتیں کر کرکے خوش ہو رہے تھے۔ نئے جوڑے کے سری لنکا جانے کے انتخاب کو بھی سراہا جا رہا تھا۔ ان کے لئے سب کے دل سے دعائیں نکل رہی تھیں۔ شائستہ بیگم کا تو ایک ایک سانس دعا بنا ہوا تھا۔ کچھ دیر یہی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر نوید صاحب کو چند لوگ ملنے کے لئے آ گئے۔ وہ اٹھ کر چلے گئے ___

فردا بھی اپنے بچوں کو دیکھنے کمرے سے نکل گئی۔ اب گھر میں وہ ہماہمی اور گہما گہمی نہ تھی۔ لوکل مہمان تو کل ہی چلے گئے تھے۔ باہر سے آتے ہوئے بھی صبح صبح واپس ہوئے تھے۔ صرف عائشہ یہاں تھیں۔ جنہوں نے ایک ہفتہ یہاں اور رہنا تھا۔ حیدر آباد سے آئی تھیں۔ اب سب بھائیوں کے ہاں دو دو دن قیام کرنا تھا۔ شائستہ کی چھوٹی بہن اور بڑے بھائی بھی یہاں تھے۔ وہ کل واپس جا رہے تھے۔

فردا کے باہر جاتے ہی مجتبیٰ اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ سعید کا بیٹا مظہر بھی تھا۔ وہ مصطفیٰ کا ٹکٹ لے کر آئے تھے ___

"بڑی مشکل سے سیٹ ملی ہے بھائی جان۔" مجتبیٰ بولا۔

"یہ آخری سیٹ تھی ساڑھے نو کی فلائیٹ کی۔" مظہر نے کہا "ذرا دیر سے جاتے تو بس یہ بھی گئی تھی ___ نائٹ کوچ کی بھی کوئی سیٹ باقی نہیں تھی ___"

"شکر ہے بھائی "مصطفیٰ نے ٹکٹ لے کر کہا۔" آج رات جانا ضروری تھا ___ صبح میری ڈیوٹی ضروری تھی ___"

"چلیں ٹریٹ دیں اسی خوشی میں۔" مظہر نے ہنس کر کہا۔

"چلو چلو ___" مصطفیٰ بولے "اتنے دنوں سے عیش کر رہے ہو۔ ٹریٹ کیسی؟؟"

"عیش کر رہے ہیں؟ ۔" مجتبیٰ نے کان پکڑے "بیخ نکال دی ہماری کام کروا کروا کے۔"

"دوڑا دوڑا کے مار دیا۔" مظہر نے لقمہ دیا ___

"ہاں بھئی" شائستہ کہنی کے بل ہو کر بولیں "بہت کام کیا ہے میرے بچوں نے بہت بڑا انعام دوں گی تم سب بچوں کو ___"

دونوں خوش ہو گئے ___ بولے "اب؟"

"بھئی آج کا دن تکان اتار لینے دو۔ کل لے لینا ___"

"بھول نہ جایئے گا۔"

"نہیں بھئی ___ صرف تمہیں ہی نہیں اوروں کو بھی دینا ہے۔ یہ کام کل پر ا
رکھو۔"

وہ دونوں خوش ہو کر لوٹنے تو مصطفیٰ پیار سے ماں کو دیکھتے ہوئے بولے "مجھے ان میں
شامل نہیں کریں گی ___"

شائستہ بیگم اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ مصطفیٰ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں "تم تو س
سے زیادہ کے حقدار ہو ___ تم نے تو بھائی ہونے کا حق ادا کر دیا۔"

اور

ایک دم ہی مصطفیٰ کے ذہن میں جو سوچ پک رہی تھی اور جو کہنے کے لئے وہ ا
دیر سے سوچ رہے تھے۔ لبوں پر آ گئی۔ ہنس کر بولے "اب آپ بھی ماں ہونے کا حق ا
کریں نا ___"

شائستہ نے ان کی ٹھوڑی تلے انگلی رکھ کر ان کا منہ اپنی طرف پھیرتے ہوئے ا
کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا "تمہارا کونسا حق ہے ___؟"

وہ صرف مسکرائے

تو

ماں نے بھی مسکرا کر کہا "اچھا سمجھ گئی ___ بیٹے اب تمہارا حق ادا کرنے ہی
بارے ہے۔ دونوں بیٹیوں سے تو خدا نے سرخرو کر دیا۔ اب تم ہی تو ہو لسٹ پر۔ میں۔
کتنی ہی لڑکیاں دیکھ رکھی ہیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ دو تین کو تو تم نے شادی
دیکھ بھی لیا ہے۔ شیبا سے تم پہلے نہ ملے تھے۔ مہندی والے دن میں نے اس کا تعارف
سے کروا دیا تھا ___ رائمہ ہے فرزین ہے۔ مشعل ہے۔ ریا اور کرن بھی مجھے بہ
اچھی لگی ہیں۔ ان سے مجھے تمہاری پھپھو عائشہ نے متعارف کروایا۔"

مصطفیٰ نے کچھ سوچا پھر ہنس کر بولے "آپ سے کسی کا بھی تعارف کروایا جائے۔
آپ اسے پسند کرنے لگتی ہیں ___"

"ہٹ شریر کہیں کا۔ میری پسند کوئی ایسی ویسی ہے۔ میں اسی کو پسند کرتی ہوں جو
میرے معیار کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے۔"

"جان سکتا ہوں آپ کے پرکھنے کا معیار کیا ہے۔" وہ ہنس کر بولے۔ تو شائستہ
خوشگوار سے انداز میں بولیں "تم جانتے ہو ___"

"اور اگر ___" مصطفیٰ بولے۔ پھر کچھ جھجکے اور سر جھکاتے ہوئے بولے "میں
آپ کو کسی لڑکی سے متعارف کرواؤں تو ___"

شائستہ ایک دم سیدھی ہو بیٹھیں اور جلدی سے بولیں "یہ سب لڑکیاں جو میں نے
تمہارے لئے دیکھ رکھی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی تمہاری پسند کی نہیں ___"

"نہیں امی۔" وہ جھٹ سے بولے "سب اچھی لڑکیاں ہیں ___۔"

"تو پھر تم کس کو متعارف کروانا چاہتے ہو۔"

وہ چند لمحے چپ رہے۔

پھر بھیگی سی مسکراہٹ سے ماں کو دیکھ کر بولے "ہے ایک لڑکی۔"

"کون ہے وہ؟ کیا ان سب لڑکیوں سے بڑھ کر ہے وہ ___" ماں نے جلدی سے کہا

مصطفیٰ مضبوط لہجے میں بولے "میرا خیال ہے۔"

"آخر وہ ہے کون۔"

"ایک ڈاکٹر ہے۔"

"کہاں؟"

"لاہور۔ میو ہسپتال میں ہاؤس جاب کر رہی ہے ___"

"بہت خوبصورت ہے کیا؟"

مصطفیٰ نے سر اثبات میں ہلایا۔

شائستہ ذرا پرے ہٹتے ہوئے بولیں "بس خوبصورتی پر مر مٹے۔"

"نہیں امی ___" وہ جلدی سے بولے "اس میں وہ سب خوبیاں ہیں۔ جو آپ
معیار کی کسوٹی پر پوری اترتی ہیں ___"

"یعنی۔"

"یعنی؟"

"ہاں ہاں۔"

"بس وہ بہت اچھی ہے ___ اخلاق کردار لیاقت سب کچھ ہے۔ بڑے ا
گھرانے کی ہے اس کا دادا کمشنر تھا۔ تایا بیورو کریٹ ہے اور رشتے دار بھی بہت _

"ماں باپ کیسے ہیں __" وہ ان کی بات کاٹ کر بولیں

"اس کے ماں باپ نہیں ہیں _ دادا ہی نے پالا پوسا تھا۔ وہ بھی چند سال ہو
فوت ہوگئے __ لیکن فیملی لاہور کی معزز اور جانی پہچانی فیملیز میں سے ایک ہے۔ وہ
لمحے چپ ہوئے پھر آہستگی سے بولے "امی یہ ساری باتیں تو آپ کی پسند کی ہیں۔ میر
لئے تو اتنا ہی کافی ہے۔ کہ وہ بیحد اچھی لڑکی ہے ___"

شائستہ کچھ نہیں بولیں __ ان کے ذہن کو ایک جھٹکا تو لگا تھا۔ لیکن انہوں
اس کا اظہار نہیں کیا ___

"امی۔"

"ہوں۔"

"کیا آپ اس سے ملنا پسند کریں گی __"

"لاہور میں ہے وہ۔"

"جی۔"

وہ چپ ہوگئیں۔ تو مصطفیٰ جلدی سے بولے "پلیز امی۔ آپ ایک بار اس
ضرور ملیں۔"

"اچھا۔" امی نے کوئی خاص گرمجوشی نہیں دکھائی "کبھی لاہور آنا ہوا تو اسے بھی د
ہوگی۔"

"کبھی کیا۔" مصطفیٰ جلدی سے ماں کے گلے میں بازو ڈال کر بولے "آپ کو اسے
دیکھنے کے لئے بطور خاص لاہور آنا ہوگا ___"

"ہوں۔"

"یہ ہوں ہاں نہیں امی ___" وہ ماں کو پیار کرتے ہوئے بولے۔ "مجھے دو سو فیصد
یقین ہے کہ آپ اس سے مل کر خوش ہو جائیں گی۔ وہ آپ کی ساری پسند کی ہوئی
لڑکیوں پر بھاری ہوگی ___"

"اچھا یہ بات ہے۔ اتنا اعتماد اور ایسا یقین ہے۔"

"امی وہ شے ہی ایسی ہے۔ پھر کسی ایرے غیرے گھرانے کی بھی نہیں۔ کمشنر کی پوتی
ہے __ کمشنر کی ___" مصطفیٰ نے ماں کو مطمئن کرنے کے لئے کہا ___ حالانکہ اس
بات کی ان کے لئے کوئی اہمیت نہ تھی ___

امی چپ ہوگئیں

تو

مصطفیٰ نے ماں کے گلے سے بازو نکالتے ہوئے کہا "امی آپ کو لاہور ضرور آ
ہوگا۔"

امی نے اثباتی انداز میں سر ہلایا!

پھر

چند لمحوں کے توقف کے بعد قدرے مسکرا کر بولیں۔ "مصطفیٰ تمہاری پسند ایسی ہونی
چاہئے جو میری پرکھ کے معیار پر پوری اترے ___"

"یہ تو آپ اس سے مل کر ہی جان سکیں گی نا۔"

"ٹھیک ہے۔ کبھی لاہور کا چکر بھی لگالوں گی تمہاری خاطر ___"

"کبھی نہیں ___"

"تو۔"

"بہت جلدی ___"

"کیوں۔"

"بس۔ معاملہ ایک طرف ہو ___ ہو سکتا ہے اس کے کئی امیدوار ہوں۔"

"ہوں۔"

"تو کب تک آئیں گی آپ ___ ویسے بھی اب آپ کے دو بچے لاہور ہیں آپ کو چکر ضرور لگانا چاہئے ___ اب تو کنیزہ کے فرض سے بھی آپ فارغ ہو چکی ___ کسی وقت بھی لاہور آسکتی ہیں۔"

"آجاؤں گی بھئی آجاؤں گی۔ ابھی یہاں تو سارے کام سمیٹ لوں۔"

"اگلے مہینے آئیں گی؟"

"چلو بنالوں گی پروگرام۔"

"امی۔" مصطفیٰ نے خوشی سے ماں کے گلے میں بازو حمائل کر دیئے۔

"اتنے خوش نہ ہو۔" امی ان کے ساتھ گلے لگے بولیں "لڑکی دیکھ کر ان کے والوں سے مل کر ہی میں اپنی رائے بتاؤں گی۔"

"جو انشاء اللہ میرے حق میں ہوگی۔"

"لگتا ہے۔ اس کا جادو تمہارے سرچڑھ چکا ہے۔"

"آپ کچھ بھی کہہ لیں۔ اسے دیکھیں گی تو پتہ چل جائے گا۔ کہ میں حق بجانب ہوں یا نہیں ___ "

"اچھا بھئی۔" امی نے ان کا بازو نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ "دیکھ لیتے ہیں اسے بھی۔"

"اوہ پیاری پیاری امی۔" مصطفیٰ نے ماں کے گال پر پیار کر لیا ___ پھر اٹھتے ہوئے بولے "ماں ہو تو آپ جیسی ___ "

"چل بس۔ مکھن مت لگا ___ ابھی میں نے تمہارے حق میں حتمی فیصلہ نہیں دیا۔"

"آپ دے دیں گی ___ دینے پر مجبور ہو جائیں گی۔"

"اچھا ___ اب جاؤ اپنا سامان وغیرہ ٹھیک کر لو رات لاہور جا رہے ہو۔"

"فردا تو بعد میں آئے گی نا میری کوئی چیز رہ بھی گئی تو وہ لیتی آئے گی۔"

"بات سنو۔" امی کو ایک دم ہی خیال آیا

"جی۔" مصطفیٰ جو جانے کو قدم اٹھانے والے تھے بولے۔

"فردا نے دیکھا ہوا ہے اسے۔"

مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلایا ___

"تم نے فردا سے اسے ملوایا نہیں ___ "

"نہیں ___ "

"کیوں؟۔"

"جب تک آپ کی اجازت اور رائے نہ لیتا۔ میں اسے فردا سے نہیں ملوا سکتا تھا۔"

ماں ان کی بات سے خوش ہو گئی ___

مصطفیٰ نے پھر ماں کو پیار کیا اور "جیو امی۔" کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے

شائستہ بیڈ میں تکیہ ٹھیک کر کے لیٹ گئیں کچھ الجھی کچھ سلجھی سوچوں نے ان کے ذہن کو جکڑ لیا ___

یہ بھی اچھی بات تھی۔ کہ اب تک انہوں نے جتنی لڑکیاں مصطفیٰ کے لئے دیکھی تھیں۔ کسی کے متعلق ان کے والدین سے اشارے میں بھی رشتے کی بات نہ کی تھی۔ اس لئے انہوں نے کوئی مضائقہ نہیں سمجھا کہ مصطفیٰ کی پسند کو بھی دیکھ لیں ___

مصطفیٰ اسی رات واپس لاہور آگئے۔ وہ خوش تھے۔ کہ امی کا موڈ خوشگوار ہی تھا۔

ان کی باتوں کا لگتا تھا انہوں نے برا نہیں مانا تھا۔

برا انہیں لگا تو تھا۔

لیکن

واقعی برا مانا نہیں تھا۔ جوان اور خوب صورت میچور پڑھے لکھے بیٹے نے اگر ان
سامنے اپنی پسند کا کھل کر اظہار کر دیا تھا۔ تو یہ ان کی سعادت مندی تھی اور شائستہ ا
آزاد خیال ضرور تھیں۔ کہ بیٹے کی پسند پر اپنی پسند کو ترجیح دینے سے پہلے اس لڑکی
ایک بار ضرور دیکھ لیتیں۔ اگر لڑکی ان کے دل لگ گئی۔ تو مصطفیٰ کی قسمت بن گئی و
بات تھی۔

اس رات جب وہ نوید صاحب کے ساتھ سونے کے لئے بیڈ پر لیٹیں۔ تو انہوں
دانستہ یہ تذکرہ چھیڑا ___

"میرے خیال میں اب مصطفیٰ کی شادی بھی کر دینی چاہئے ___ گھر میں ہوتا تو ا
بات تھی ___ لاہور میں اکیلا رہ رہا ہے ___" انہوں نے ادھر ادھر کی باتیں کرنے
بعد کہا

تو

نوید مسکرا کر بولے "بیگم صاحبہ گھر یا باہر کی بات نہیں۔ اب اس کی عمر بتیں
قریب ہو رہی ہے۔ اصولاً تو اس کی شادی اب تک ہو جانا چاہئے ___"

"میری طرف سے کوئی بندش تھوڑا ہی تھی۔ وہ خود ہی کہتا تھا ___ کہ کنیزہ
شادی ہو جائے تب شادی کروں گا ___"

"اب کنیزہ تو گئی اپنے گھر ___ اس کی جگہ بہو آنی ہی چاہئے۔"

"وہی تو میں کہہ رہی ہوں۔"

"اتنے دن وہ یہاں رہ گیا ہے بات کر لیتی اس سے ___ تم نے تو اب تک
لڑکیاں دیکھ لی تھیں اس کے لئے ___"

شائستہ نے ان کی طرف کروٹ بدل کر کہا "میری دیکھی ہوئی لڑکیاں دیکھی کی دیکھ

رہ گئیں ___"

"کیوں؟"

"صاحبزادے نے میو ہوسپٹل کی کوئی ڈاکٹر پسند کر لی ہے۔"

"اچھا ___"

"ہاں۔"

"تمہیں کس نے بتایا ___"

"خود مصطفیٰ نے۔"

"ہوں ___"

"کہتا ہے بہت خوبصورت بہت اچھی اور بڑے ہی اچھے خاندان کی ہے۔ لڑکی کا دادا
کمشنر تھا ___"

"کمشنر؟"

"ہاں۔"

"کیا نام تھا ان کا ___ ہو سکتا ہے ہمارے اباجی کے وقت میں وہ بھی اس عہدے پر
فائز ہوں اور جان پہچان بھی ہو۔"

"اباجی کے کئی ساتھیوں کو ہم لوگ بھی تو جانتے ہیں ___ ان لوگوں کے آپس میں
تعلقات بھی تو تھے۔ ملتان کے ایک کمشنر تھے فضل الرحمان ترمذی ___ ہمارے اباجی کے
بہت اچھے دوست تھے ___"

"ہوں ___ پتہ نہیں اس لڑکی کے دادا کا کیا نام تھا ___ بتایا نہیں مصطفیٰ نے۔"

"تم نے مصطفیٰ کی پسند پر کوئی اعتراض تو نہیں کیا ___"

"اعتراض؟ کیا آپ مجھے اتنا ہی بے وقوف سمجھتے ہیں ___؟"

"تو پھر کیا کہا اسے۔"

"وہ چاہ رہا ہے میں لاہور جاکر خود لڑکی دیکھوں اور اس کے گھر والوں سے ملوں۔
اسے تو پکا یقین ہے کہ لڑکی مجھے پسند آجائے گی۔"

"بیگم صاحبہ ___ آپ نے مصطفیٰ کی پسند دیکھنی ہے اپنی نہیں ___"

"وہ تو ہے ہی ___ لیکن کچھ دیکھنا پرکھنا تو ضروری ہوتا ہی ہے نا۔"

"تو پھر۔"

"لاہور جاؤں گی۔"

"کب۔"

"یہاں سے فارغ ہو جاؤں۔ ابھی تو یہاں شادی کے بکھرے کئی کام سمیٹنا ہے فار
ہو کر ہی پروگرام بناؤں گی ___"

"مصطفیٰ کو تسلی دے دی تھی؟"

"کس بات کی۔"

"کہ فارغ ہو کر لاہور کا چکر لگاؤ گی۔"

"ہاں کہہ دیا تھا ___
تو پھر جلدی جلدی کام نپٹالو سارے اور پہنچ جاؤں لاہور ___"

شائستہ نے مسکرا کر نوید صاحب کو دیکھا اور بولی "بیٹے سے زیادہ باپ کو اتاو
ہے۔"

"ہاں اس کی شادی کی ضرور ہے۔ اب شادی لاہور ہو کراچی ہو یا حیدر آباد ہو ضر
جانا چاہئے ___"

"یہ تو میں بھی جانتی ہوں۔ چاہتی بھی ہوں۔ انشاء اللہ دیر بھی نہیں ہوگی۔ جس
لڑکی پر بھی میری اور مصطفیٰ کی پسند ٹھہر گئی۔ منگنی ہو جائے گی۔"

نوید مسکرائے اور بولے "مصطفیٰ کی تو ظاہر ہے جہاں نظر ٹھہرنا تھی ٹھہر چکی۔ اس
نے تمہارے سامنے اپنی پسند کا برملا اظہار بھی کر دیا ہے۔ اور بیگم سچ جانو نا۔ تو بات میر
بھی دل لگتی ہے۔ ہمارا بیٹا ڈاکٹر ہے۔ اس کی شریک زندگی کو بھی ڈاکٹر ہی ہونا چاہئے
ذہنی ہم آہنگی اور باہمی تعاون کے لئے ان کا ہم پیشہ ہونا زیادہ اچھا ہے۔ میرے خیال میں
تم نے جتنی بھی لڑکیاں اس کے لئے دیکھی تھیں۔ ان میں کوئی بھی ڈاکٹر نہیں تھی

شائستہ نے کندھا اچکایا اور لاپرواہی سے بولی "اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہماری
بہو جو بھی بنے گی اسے کام کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس لئے لڑکی کا ڈاکٹر ہونا میری
نظر میں ضروری نہیں تھا۔ ہر خیر ___ اب تو معاملے کی صورت ہی بدل گئی ہے۔ خدا
کرے مصطفیٰ کی پسند میری پسند سے نہ ٹکرائے ___"

"نادانی کی باتیں مت کرو۔ مصطفیٰ نے معاملہ تم پر چھوڑا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ
نہیں کہ وہ اپنی پسند سے دستبردار ہو گیا ہے۔ یہ اس کی محبت اور سعادت مندی ہے۔ جو
تمہیں کارمختار بنایا ہے۔ اب اس کی پسند کی ہوئی لڑکی کو تم نے بہو بنانا ہی ہے۔ یقیناً" وہ
کوئی اتنی اچھی اور دلآویز شخصیت کی مالک تو ہوگی۔ جو مصطفیٰ جیسے بندے کے من کو
بھا گئی ___"

"ہوں۔"

"سو بیگم۔ اس لڑکی سے اس نیت سے ملنا کہ وہ ہماری ہونے والی بہو ہے۔ اب ہم
لوگ کوئی بھی غلط فیصلہ کرنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ پچھتاوؤں کی آگ تو میرے سینے
سے ابھی تک سلگ رہی ہے ___ عفت کے ساتھ ہم لوگوں نے یہی ظلم تو کیا تھا۔ کہ
اس کی پسند کو قبول نہیں کیا تھا۔"

"ہاں۔"

دونوں کچھ دیر عفت کی باتیں ہی دہراتے رہے۔ جو کینیڈا میں تھی۔ کنیزہ کی شادی
پر اتنے اصرار کے باوجود شریک نہ ہوئی تھی۔ ان لوگوں سے سارے تعلق ناطے توڑ
رکھے تھے ___

یہ سب لوگ زندہ تھے۔ لیکن عفت کے لئے مر چکے تھے۔

○ ○ ○

گرمی کا موسم شروع ہوگیا تھا۔ لاہور کی دوپہریں خاصی تپنے لگی تھیں۔ کمروں کے اندر تو ابھی پنکھوں کی ہوا کچھ سکون دیتی تھی لیکن دوپہر میں باہر نکلنا عذاب لگتا تھا۔ کسی کسی وقت گرد آلود ہوائیں بھی چلنے لگتیں۔ جن سے دھول مٹی تو خوب اڑتی۔ لیکن ہوائیں کچھ ٹھنڈ کا ساماں بھی کردیتیں۔ اکثر کہیں سے بادلوں کے ٹکڑے ان ہواؤں کے ساتھ سطح آسمان پر پھیل جاتے۔ اور کبھی بوندا باندی بھی ہو جاتی۔ جو بارش کا سماں تو نہ باندھتی ہاں اس سے گردو غبار چھٹ جاتے اور فضا بڑی حد تک نم آلود ہو کر صاف اور خوشگوار بھی ہو جاتی۔ درخت پودے جھاڑیاں پھول پتے جن پر گرد آلود ہواؤں سے مٹی کی تہیں جمنا شروع ہو جاتیں۔ بارش کے ان چھینٹوں سے دھل کر نکھر جاتے گو یہ خوشگواری عارضی ہوتی۔ پھر بھی خاصہ سکون دیتی۔

لاہور کی وہ شام ایسی ہی تھی۔

یمین مصطفیٰ کے ساتھ ان کی گاڑی میں بیٹھی تھی۔ اور گاڑی شہر کے ایک مضافاتی علاقے کی سرمئی سڑک پر بڑی خوش خرامی سے چلی جارہی تھی۔

مصطفیٰ کراچی سے واپس آگئے تھے۔ صبح ڈیوٹی پر پہنچے تو خاصہ کام فائیلوں کے ڈھیر کی صورت میز پر جمع تھا۔ یمین کو اپنی واپسی کی اطلاع تو دے دی تھی۔ لیکن اس دن مل نہ پائے تھے۔ یمین چھٹی ہوتے ہی گھر چلی گئی تھی۔ کیونکہ پھپھو اور ثمن اس کے ہاں بیٹھی تھیں اور اس کے واپس آنے کا انتظار کر رہی تھیں۔ پھپھو نے گھر جلدی پہنچنے کے لئے فون کیا تھا۔ وجہ نہیں بتائی تھی۔ یمین کو کچھ سمجھ نہ آیا تھا۔ کہ آخر پھپھو کو اس کی ضرورت اور وہ بھی اتنی عجلت میں کیوں محسوس ہو رہی ہے۔

یمین کا دل تو مصطفیٰ سے ملنے کو چاہ رہا تھا۔ اتنے دنوں بعد وہ کراچی سے واپس آئے تھے۔ لیکن وہ بھی اتنے مصروف تھے۔ کہ فون پر ہی دو باتیں ہو سکیں۔ کل شام یمین کی ڈیوٹی نہ تھی۔ اس لئے مصطفیٰ نے خود ہی کہہ دیا تھا۔ کہ کل وہ اس کے ساتھ کہیں باہر چلیں گے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا۔ کہ کچھ ضروری باتیں بھی کرنا ہیں۔

ضروری باتیں کیا تھیں۔

انہوں نے کچھ بتایا نہیں تھا ___

ہاں یمین نے اپنے طور ہی اندازہ کیا تھا ___

یہ باتیں ان کی طرف سے خوشخبری بھی ہو سکتی تھیں۔

اور

منیب کی امی کی طرح ان کی امی کی انا کا مسئلہ بھی ___

بہرحال اس نے غنیمت ہی سمجھا جو وہ آج ان سے نہیں ملی ___ تھوڑا وقت مل گیا تھا۔ ہر دو صورتوں سے نپٹنے کے لئے وہ اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر سکتی تھی۔

وہ

گھر پہنچی۔

تو پھپھو لاؤنج ہی میں صوفے پر بیٹھی تھیں۔ وہ خاصی مضطرب و بے چین تھیں۔ آنکھیں سرخ و متورم تھیں۔ لگتا تھا روتی بھی رہی ہیں ___ ثمن اسے لاؤنج میں نظر نہ آئی وہ شاید کمرے میں تھی۔

یمین نے آگے بڑھ کر پھپھو کو سلام کیا۔ پھر اپنا اوور آل سٹیتھو سکوپ۔ بیگ اور ایک فائیل درمیانی میز پر رکھتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہو کر بولی "خیریت پھپھو؟"

پھپھو نے ٹیشو پیپر سے ناک رگڑی اور بھیگی آنکھوں سے یمین کو دیکھ کر بولی "خیر کہاں؟"

"کیوں؟" وہ گھبرا کر بولی "آپ نے کہا تھا۔ ثمن بھی آئی ہے۔ وہ کہاں ہے۔ تائی کی طرف؟"

"نہیں اندر ہی کہیں مری ہوگی" پھپھو نے غصے سے کہا تو یمین سمجھ گئی۔ کہ معاملہ

کچھ گڑبڑ ہی ہے۔

"پھپھو کیا بات ہے۔ آپ ثمن سے کچھ ناراض معلوم ہو رہی ہیں۔" سبین نے ملائمت سے پوچھا۔

تو۔

وہ پھر کر بولیں "اسی بدبخت نے تو یہ حال کیا ہے۔"

سبین کچھ سمجھی نہیں۔ تو پھپھو خود ہی بولیں "اس کا اتنا اچھا رشتہ آرہا ہے۔ اتنی بڑی اور نامور فیملی کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اتنی خواہش کر رہے ہیں ___"

"تو ___" پھپھو چند لمحے چپ ہو گئیں۔ تو سبین کچھ سمجھ کر بولی "ثمن نہیں مان رہی ہو گی۔"

"ہاں اسی نے مصیبت ڈال رکھی ہے۔ دو دفعہ وہ لوگ آئے۔ اس نے طوفان اٹھا دیا۔"

"کہتی کیا ہے؟"

"وہی جاننے کے لئے تو تمہارے پاس آئی ہوں ___"

"میرے پاس۔"

"ہاں۔ کہتی ہے سبین کو سب کچھ پتہ ہے ___"

اب سبین قدرے گھبرائی ___ اسے پتہ تو تھا۔ اسی کے یہاں سے وہ اپنے بوائے فرینڈ کو فون بھی کیا کرتی تھی۔ شروع شروع میں سبین نے اسے سمجھایا بھی تھا۔ لیکن وہ تو اس لڑکے پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر بیٹھی تھی۔ اس کے سمجھانے سے کچھ نہ سمجھتی تھی تو سبین نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اب اس کو گھبراہٹ اس وجہ سے ہونے لگی تھی۔ کہ کیا پتہ پھپھو بیٹی کے کئے دھرے کا الزام اس پر ہی دھر دیں۔

لیکن۔

پھپھو کو تو ثمن پر غصہ آرہا تھا۔ جو ہٹ دھرمی سے اس بات پر اڑی تھی۔ کہ یہ جو رشتہ آرہا ہے وہاں ہرگز ہاں نہ کرے گی۔

سبین نے مناسب یہی سمجھا۔ کہ جو کچھ وہ ثمن کے بارے میں جانتی تھی۔ پھپھو کو صاف صاف بتادے۔

"میں اس لڑکے سے نہ تو کبھی ملی ہوں۔ نہ ہی فون پر بات ہوئی ہے۔ جو کچھ آپ کو بتایا ہے یہ ثمن ہی کی زبانی مجھے معلوم ہوا ہے۔ بقول اس کے یہ لڑکا ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ بہت سمارٹ اور بڑے اچھے اخلاق و کردار کا ہے۔ میں ذاتی طور پر اس کے متعلق کچھ نہیں جانتی ___"

"یہ خود جو سب جانتی ہے" پھپھو نے جلے دل سے کہا۔

سبین چند لمحے چپ رہی۔ پھر آہستگی سے بولی "ایک بات کہوں پھپھو۔"

"کہو۔ کوئی راہ سجھاؤ۔ اسی لئے تو تمہارے پاس آئی ہوں۔ اس سرپھری کے سر سے پسند اور محبت کا بھوت اتارو ___"

"دیکھیں پھپھو" سبین بڑے شائستہ لہجے میں بولی "پسند یا محبت کوئی بری بات نہیں۔ آج کل وہ زمانہ نہیں ہے۔ کہ ماں باپ بچوں کی رضامندی کے بغیر جس کے سر چاہیں بچوں کو منڈھ دیں۔ ثمن اگر کسی کو پسند کرتی ہے اور اس نے یہ بات آپ پر واضح بھی کر دی ہے تو بہتر ہے۔ آپ اس لڑکے کو بھی دیکھ لیں ___"

پھپھو نے گھور کر سبین کو دیکھا۔

تو

وہ ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے بولی "پھپھو آج کل زیادہ تر شادیاں بچوں کی پسند ہی سے ہو رہی ہیں۔ بزرگ بھی بچوں کا احترام کرنے لگے ہیں۔ سو آپ بھی ___" پھپھو نے جلدی سے سبین کی بات کاٹی اور طنز سے بولی "اب میں خود جاکر اس لڑکے سے کہوں۔ کہ میری صاحبزادی تم پر مری جارہی ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ ناطہ جوڑ لو۔"

"ایسے کیوں پھپھو ___"

"تو اور کیسے؟"

"ثمن اس سے کہے کہ وہ اپنے ماں باپ کو آپ کے پاس رشتے کے لئے بھیجے۔ اگر

وہ لوگ آجائیں۔ تو سمجھ لیں۔ کہ ماں باپ بیٹے کی پسند پر راضی ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ رشتہ پہلے والے رشتے سے اچھا ہی ہو ___"

پھپھو چپ ہوگئیں۔

تو

سبین قدرے جرات کرتے بولی "آپ یوں ثمن کو ڈانٹ ڈپٹ اور خود رو دھو کر بات کو مشتہر نہ کریں۔ جب وہ نہیں مان رہی تو حوصلے اور عقلمندی سے کام لیں ___ جتنا زیادہ ہٹ دھری کرے گی آپ کو اتنا ہی زیادہ دکھ ہوگا اور پھر بات بھی سب طرف پھیل جائے گی ___ کیا فائدہ ہوگا پھپھو ___ آپ رشتہ داروں عزیزوں کو اچھی طرح سے جانتی ہیں۔ بات کا بتنگڑ کیسے بنا دیتے ہیں ___"

سبین جیسے اپنے دل کی بات کہہ گزری ___ پھپھو کو اس کی باتیں سمجھ آگئیں۔

سبین نے کہا "میں ثمن سے پوچھتی ہوں ___ آپ براہ مہربانی اسے کچھ نہ کہیں۔

پھپھو چپ رہیں۔

"ثمن" سبین نے اسے آواز دی۔ وہ سبین ہی کے بیڈ روم میں تھی۔ جب وہ باہر نہ آئی تو سبین خود ہی اندر چلی گئی ___ ثمن اس کے بیڈ پر بیٹھی رو رہی تھی۔ سبین کو دیکھ تو زیادہ ہی بے تابی سے رونے لگی۔ سبین نے بمشکل اسے چپ کرایا ___ پھر اس کو اعتماد میں لیتے ہوئے پیار سے اسی رشتے کے سلسلہ میں باتیں کرنے لگی۔

ثمن

بضد تھی

مصر تھی

اور۔

پورے اعتماد سے اپنی بات پر اڑی تھی۔ کہ موجودہ آنے والے رشتے سے اس کے بوائے فرینڈ کا رشتہ زیادہ اچھا ہے ___

"تو پھر یوں کرو" سبین نے اس کی ساری کتھا کہانی سننے کے بعد کہا "اسے کہو کہ

اپنے ماں باپ کو تمہارے ہاں رشتے کے لئے بھیجے۔ اگر تو یہ رشتہ واقعی اچھا ہوا۔ تو میں ضمانت دیتی ہوں۔ کہ تمہاری مرضی کے مطابق ہی بات طے ہوگی تمہیں فکر یا تردد کرنے کی ضرورت نہیں ___"

ثمن نے حامی بھرلی۔

سبین بولی "اگر اس لڑکے نے لیت ولعل سے کام لیا۔ تو پھر تم خود ہی سمجھ جانا کہ وہ تمہارے بارے میں سنجیدہ نہیں۔ محض دل لگی کر رہا ہے۔ فلرٹ کر رہا ہے۔"

"وہ ایسا نہیں ہے سبین" ثمن نے کہا۔

"یہی تو پتہ کرنا ہے ___ اس نے سنجیدگی سے تمہیں اپنانا چاہا تو ماں باپ کو تمہارے ہاں بھیج دے گا ___ نہ بھیجا تو پھر گھر والوں کا حق ہوگا۔ کہ وہ جہاں چاہیں تمہارا رشتہ کردیں ___ پھر تمہارے پاس ضد کی گنجائش رہے گی نہ ہٹ دھری کی۔ سمجھیں ___"

ثمن پر یقین تھی۔ کہ وہ لڑکا بےحد سنجیدہ ہے۔ رشتہ ضرور بھجوا دے گا۔

سبین پھر لاؤنج میں آگئی اور ساری بات سے پھپھو کو آگاہ کرتے ہوئے بولی "پھپھو اگر یہ لڑکا رشتہ بھجوا دیتا ہے اور آپ جانچ پڑتال کے بعد اسے اچھا بھی پاتی ہیں۔ تو پھر میرے خیال میں آپ کو یہاں بات طے کرنے میں کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہئے ___"

"وہ کسی قابل ہوا تو تب نا ___"

"وہی تو کہہ رہی ہوں ___"

"چلو تمہاری بات مان لیتی ہوں۔ دیکھ لیتی ہوں ان لوگوں کو بھی ___"

"ٹھیک" سبین مسکرائی "اب آپ رونا دھونا اور ثمن کو کوسنا چھوڑ دیں۔ اس کی پسند ضرور اچھی ہوگی اور پھپھو پسند کی بات کوئی عیب تو نہیں۔ اگر لڑکوں کی پسند پر رشتے ہو جاتے ہیں۔ تو لڑکیوں کی پسند بھی جانچ پرکھ لینی چاہئے۔ آخر آپ نے طیب بھائی کی پسند بھی تو منظور کی تھی نا ___ ثمن کی پسند اچھی نہ ہوئی تو بے شک آپ کو اسے رد کرنے کا حق ہوگا ___"

پھپھو چپ ہو گئیں ___ ثمین نے ثمن کو بھی لاؤنج میں بلالیا۔ ماں بیٹی میں ا
و تفہیم کرائی دونوں کو مطمئن کیا۔ پھپھو ثمین کی باتوں سے خاصی مرعوب ہوئیں۔ ثمین
پہلی دفعہ محسوس ہوا۔ کہ وہ اسے بھی اپنا سمجھتی ہیں۔ اپنا سمجھ کر ہی بات مانی ہے۔

ثمین نے اماں فضیلت کو چائے بنا کر لانے کا کہا۔ سب نے مل کر چائے پی ___
ثمین نے دیکھا پھپھو خاصی پرسکون ہوگئی تھی اور وہ بڑی حد تک ثمین کی ممنون ا
بھی تھیں ثمین کو اس بات سے دلی خوشی بھی ہورہی تھی۔ اس کا اپنا معاملہ بھی تو پسند
بنا پڑا تھا۔ گو وہ اس کو رد کرنے کا کسی کو حق دینا نہیں چاہتی تھی۔ پھر بھی ر
داروں کی خوشنودی بھی تو اچھی بات تھی۔ اب تو اسے یقین تھا۔ کہ پھپھو کی را
ضرور اس کے حق میں ہوگی۔

اور

اسی خوشی کن یقین سے مسحور و مسرور آج ڈاکٹر مصطفیٰ کے ساتھ گاڑی میں
سڑکوں کی لمبائیاں ماپ رہی تھی۔ جب صبح مصطفیٰ اسے ڈیوٹی کے دوران ملے تھے۔
بہت خوش نظر آرہے تھے۔ دنوں بعد دونوں کی ملاقات ہوئی تھی۔ ملاقات مختصر تھی۔
اس کے اسرار و رموز طوالتوں پر محیط تھے۔ کھڑے کھڑے ہی شام لانگ ڈرائیو
جانے کا مصطفیٰ نے پروگرام بنایا تھا۔ وہ اس سے کچھ ذاتی نوعیت کی باتیں کرنا چاہتے تھے

یہ باتیں۔

مستقبل کے خوش کن پلان ہی تو تھے۔ مصطفیٰ کی خوشی سے ثمین نے اندازہ ک
تھا۔ کہ آنے والا دور مایوس کن نہیں۔ یقیناً مصطفیٰ کی امی نے ان کی پسند کو قبول ک
تھا ___

مصطفیٰ نے کل فون پر بھی یہی بات کی تھی۔ شام ساتھ گزارنے کا پروگرام بھی
تھا لیکن فون پر کل وہ ان کی اس خوشی کے انداز کو نہ چھو پائی تھی۔ جو آج صبح مختصر
ملاقات میں انہیں بے انتہا خوش دیکھ کر چھو لیا تھا۔

خوش نظر آرہے تھے۔

بے انتہا خوش۔

آج کل کی طرح ثمین متضاد خیالوں میں نہ گھری تھی۔ نہ ہی اس نے مصطفیٰ کی امی
موازنہ منیب کی امی سے کیا تھا ___ مصطفیٰ کے چہرے کے رنگ اور آنکھوں کی چمک
روئی خوشیوں کی غمازی تھیں

وہ۔

اپنا دامن خوشیوں سے اس حد تک بھرے کہ خوشیوں کے رنگین پھول اس دامن
سمیٹے نہ جارہے تھے ان کے ساتھ گاڑی میں آبیٹھی تھی ___ وہ سوچ رہی تھی کہ
طفیٰ ایک دم ہی اسے خوشخبری سنا دیں گے۔ کہ ان کے گھر والوں نے ثمین کو اپنا لینے
لئے دل وا کردیئے ہیں۔

لیکن

وہ جب سے گاڑی میں بیٹھے تھے۔ کچھ چپ چپ سے تھے۔ معمولی طور پر اس کی
ال پرسی کی تھی۔ کنیزہ کی شادی کی دو چار باتیں کی تھیں۔ منیب اور ماہ نور کا حال پوچھا

___

اور

بس

تب سے اب تک وہ خاموشی سے ہی ڈرائیو کئے جارہے تھے۔

ثمین پہلے تو خود بھی لئے دیئے بیٹھی رہی ___ انہوں نے جو بات پوچھی مختصر سا
اب دے دیا۔

کئی بار چور نظروں سے مصطفیٰ کا چہرہ بھی دیکھا۔ جس پر گھمبیر چپ کی چھاپ تھی۔ صبح
ملاقات میں خوشیوں کے جو رنگ ان کے چہرے پر بکھرے نظر آئے تھے۔ ان کا دور
ر تک پتہ نہ تھا۔

اب

اس کا دل ہول رہا تھا ___ ضرور کوئی انتہائی سنجیدہ بات تھی۔ سنجیدہ جم
دامن میں مایوسیوں کا بوجھ تھا۔ جو اک تاریک مستقبل کی اطلاع تھی ___

یقیناً

لیکن

جو کچھ بھی تھا ___

مصطفیٰ کو کہہ تو دینا چاہئے تھا۔ وہ اسے صبر کی کس گھڑی سے دو چار کئے
تھے۔ آزمائش کے کس مرحلے سے گزار رہے تھے۔

آخر اس سے نہ رہا گیا۔ وہ دو ٹوک فیصلوں کی پابند لڑکی تھی ___ مر مر کے جی
کبھی حامی نہ تھی ___ کبھی کبھی تو نفرتوں کو بھی فراخدلی سے سمیٹ لیا کرتی تھی ___

اگر مصطفیٰ کے گھر والے اسے محبتیں دینے کے لئے رضامند نہ ہوئے تھے۔ تو
وہ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھی۔ وہ اپنی انا کے معاملہ میں بڑی ح
تھی۔ جو کچھ بھی گزرے وہ سر اٹھا کر جینا سیکھ چکی تھی۔

جب

مصطفیٰ نے قفل خاموشی نہیں توڑا۔ تو ثمین نے دو ایک بار سیٹ پر پہلو بدلا۔
اور پھر ان کی طرف دیکھ کر بولی "کدھر جا رہے ہیں؟"

مصطفیٰ نے گردن قدرے موڑی اسے اداس نظروں سے دیکھا اور بولے "کچھ
نہیں کدھر جا رہا ہوں ___ منزلوں کا سراغ نہیں مل رہا ثمین ___"

ثمین کا دل ایک لحہ کو بیٹھ گیا۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو کمال ہوشیاری
سنبھالا اور بولی "منزلوں کے سراغ یوں نہیں ملا کرتے ڈاکٹر صاحب ___"

مصطفیٰ نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا اور بولے۔ "کیسے ملا کرتے ہیں۔"

ثمین جلدی سے بولی "منیب بننے کی کوشش نہ کیجئے۔ منزلوں کے سراغ ضرور
نہیں حوصلہ افزا ہوں ___ مجھے یقین ہے۔ یہ سراغ آپ کو مل چکا ہے۔ الجھاؤ بڑھا۔

کی ضرورت نہیں ___"

مصطفیٰ نے پھر گوشہ چشم سے اسے دیکھا۔ جس کے چہرے پر چٹانوں کی سی سختی ابھر
آئی تھی ___ بولے "بہت ہوشیار اور معاملہ فہم ہو۔ لیکن یہ کیوں کہا۔ کہ منیب بننے کی
کوشش نہ کروں ___"

"ہاں" اس نے سر جھکا لیا اور آہستگی سے بولی "منیب اپنی امی کی ضد سے ٹکرا رہے
ہیں۔"

"تو کیا غلط کر رہا ہے وہ ___"

"میرے خیال میں ___"

"کیونکر ___"

"اپنا اپنا خیال ہے کسی پر زبردستی مسلط کئے جانے سے حقیقی خوشی ماہ نور کو کبھی نہیں
مل سکتی ___"

"اچھا؟"

"ہوں۔"

"فرض کرو ___ میرا معاملہ بھی منیب جیسا ہوا تو ___"

"تو ___ میں ___ آپ اور آپ کے گھر والوں میں کوئی چپقلش پیدا ہونے سے
پہلے ہی ___ آپ سے الگ ہو جاؤں گی ___"

"کیا؟ کیا تم مجھے چھوڑ دو گی" مصطفیٰ بھرپور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولے۔

"بالکل" اس نے بھی بھرپور سنجیدگی سے کہا ___

"او ظالم لڑکی ___" مصطفیٰ ایک دم ہی بے اختیار سے ہو گئے۔ بازو از خود ہی
ثمین کے گلے سے لپٹ گیا ___ اسے قریب کرتے ہوئے ہنس کر بولے "اف کتنی
خطرناک سوچ ہے تمہاری ___"

ثمین نے گھبرا کر ان کے بازو کی گرفت سے اپنے آپ کو نکالا اور قدرے پرے ہٹتے
ہوئے مصطفیٰ کو آنکھیں پھیلا کر دیکھا۔ جو ہنسے جا رہے تھے۔ جن کے چہرے پر صبح والے

ہی خوشیوں کے رنگ بکھرے تھے۔

اور

جن کی آنکھوں میں وہی خیرہ کن چمک تھی۔

وہ چند لمحے حیران ہوئی ___ لیکن سنجیدہ ہی رہی۔

مصطفیٰ نے سر اس کی طرف جھکاتے ہوئے کہا ___ "میں تو مذاق کر رہا تھا ایکٹنگ کر رہا تھا۔"

وہ بولی "لیکن میں سنجیدہ تھی ___"

"اب بھی ہو۔ مجھے ہنستے مسکراتے دیکھ کر بھی" وہ جھک کر اس کی آنکھوں میں چاہ رہے تھے ___ سبین کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ لیکن وہ چپ ہی رہی گو خوشیاں ہی اندر بہت شور مچانے لگی تھیں۔

گاڑی کی رفتار بہت آہستہ ہو چکی تھی ___ اے۔سی آن ہی تھا۔ اس لئے تپش سے وہ دونوں محفوظ تھے۔ ہاں ان کے اندر جس بلا کی تپش تھی۔ وہ دونوں محسوس کر رہے تھے ___

چند لمحے دونوں چپ رہے۔

پھر

مصطفیٰ مسکراتے ہوئے بولے "توبہ توبہ ___ بڑے خوفناک ارادے تمہارے۔"

اب سبین کے چہرے پر بھی رونقیں نکھر آئی تھیں ___ وہ بھی مسکرا رہی ہولے سے بولی "میں بیچ لٹکنے کی حامی نہیں ہوں ___ آر ___ یا پار ___"

مصطفیٰ نے پھر بازو اس کی کمر کے گرد لے جانا چاہا ___ وہ کھڑکی کی طرف گئی۔ مصطفیٰ ہنس پڑے ___

وہ شان تفاخر سے بولی "مجھے ماہ نور بننا بالکل پسند نہیں ___"

"تم ماہ نور نہیں بنو گی میری جان" مصطفیٰ اپنی لے میں کہہ گئے۔ سبین کا چہ

ہو گیا۔

"چلو اچھا ہی ہوا ___ میرے مذاق سے تم کھل کر سامنے تو آ گئیں ___ تمہیں پہچان تو لیا ___"

"کیسی لگی یہ پہچان؟"

"توبہ تو پہلے ہی کر اٹھا ہوں ___ بڑی خطرناک شے ہو ___" مصطفیٰ نے کانوں کو شوخی سے ہاتھ لگائے۔ تو سبین ہنس پڑی۔

مصطفیٰ نے ایک بار پھر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ___ لیکن سبین نے یہ ہاتھ کسی بے تکلفی سے پہلے ہی روک لیا ___ "مجھے پہچانئے ___ میری شناخت کیجئے" اس نے ان کا ہاتھ ملائمت سے پرے کر دیا ___

"کر لی حضور" مصطفیٰ شوخی سے بولے۔ "پہچان بھی کر لی۔ شناخت بھی کر لیا آپ کو۔"

"کیا سمجھے ___"

"خوبصورت ___ بلا ___" وہ ہنس کر اس پر جھکنے لگے۔ سبین بھی ہنس پڑی ___

چند لمحے بڑی خوبصورت خوشگواری سے کھسک گئے۔

پھر

مصطفیٰ نے اسے وہ نوید سنائی۔ جس کے سننے کی وہ صبح متمنی تھی۔

"امی کنیزہ کی شادی کے بکھیڑے سمیٹ کر لاہور آ رہی ہیں سبین۔ تمہیں ملنے۔"

وہ خوش ادائی سے بولے ___ "امی کو جب میں نے تمہارے متعلق بتایا۔ تو انہوں نے قطعی برا نہیں مانا ___ لاہور آنے کے لئے فوراً رضامند ہو گئیں ___ میری خوشی کے لئے وہ سب کچھ کر سکتی ہیں ___ سبین ___ سب کچھ ___"

گاڑی چلتی گئی۔

باتیں ہوتی رہیں ___

اور

جب شام خاصی جھک آئی تو دونوں اپنی لمبی ڈرائیو سے واپس پلٹے ___

دونوں پر اعتماد تھے۔

یہ

اعتماد

خوشیوں سے مزین تھا۔

مصطفیٰ نے سیمن کو اس کے گھر ڈراپ کیا۔ سیمن نے انہیں چائے کی آفر کی۔ لیکن
انہیں کسی ضروری کام سے ساڑھے آٹھ بجے جانا تھا۔ اس لئے رکے نہیں۔

سیمن انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے گاڑی سے اتری۔

تو

اس نے دیکھا۔

تائی کی ادھر والی کھڑکی کھلی تھی۔ یقیناً" وہ وہاں کھڑی تھیں۔ سیمن کے کہیں
وقت آنے جانے پر ہمیشہ وہ نظر رکھتی تھیں۔ اس بات کا سیمن کو بھی پتہ تھا ___

اس لئے اس نے صرف سر کو جھٹکا ___

اور

جب مصطفیٰ گاڑی نکال لے گئے۔

تو

وہ

خراماں خراماں چلتی اندر آگئی ___ اماں فضیلت اندر کچن میں تھی۔ وہ سیمن کے
لئے رات کا کھانا بنا رہی تھی۔

سیمن نے اسے فوری طور پر چائے بنا کر لانے کا کہا۔

اور

اپنے کمرے میں چلی گئی۔

تقدیر کے فیصلے کسی کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہوتے۔ ایسا ہوتا تو ہر قلم اپنے حق میں
بہترین فیصلے لکھتی ___ دوسروں کے لئے ہمدردی ہوتی نہ تعلق اور خاص کر ان لوگوں
کے حق میں تو بدترین چیزیں ہی لکھی جاتیں ___ جن سے کسی قسم کی رنجش ہوتی یا
انتقام لینا مقصود ہوتا ___ بدلہ لینے کا تو یہ سب سے سہل اور آسان طریقہ ہوتا ___
انسان اس طرح اتنا خود غرض ہو جاتا کہ اس کی مثال نہ ملتی ___ یہ فیصلے اس کے اپنے
ہاتھ میں نہیں ہیں۔ تب بھی انسانی خود غرضی اس حد تک بڑھ چکی ہے۔ کہ بڑی بڑی
مثالیں سامنے آتی ہیں۔ اچھے لوگ تو یہ دیکھ دیکھ کر ہی کانپ اٹھتے ہیں ___

بہرحال۔

تقدیر کے اپنے ہاتھ ہیں۔

اور

یہ ہاتھ اللہ تعالے کی رضا خوشنودی کے پابند ہیں۔

چونکہ انسان اس بات سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کیا ہے اور تقدیر
کے ہاتھ ہمارے لئے کیا رقم کر رہے ہیں۔ اس لئے انسان ہر کام کو اپنی مرضی کے تابع
کرنے کی خواہش کرتا ہی رہتا ہے۔ اس میں ایسا ہونے کی دعائیں بھی شامل ہوتی ہیں اور
کبھی کبھی خود سری اور خود غرضی کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔ اپنی مرضی ومنشا کے مطابق
پالینے کا ہر وثوق انداز اسی زمرے میں آتا ہے اور اسی لئے اپنے طور پر انسان اپنے خیال
میں صحیح سمت ہی کی طرف قدم اٹھا رہا ہوتا ہے۔

اکثر ایسا ہو بھی جاتا ہے۔ کہ گوہر مقصود ہاتھ آجاتا ہے۔

لیکن

کبھی کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا۔ تقدیر کا فیصلہ کچھ اور ہو چکا ہوتا ہے اور ہم اپنے اپ
طور بالکل الٹی سمت ہی محو سفر ہوتے ہیں۔ جہاں سے لوٹتے وقت دھچکا لگتا ہے۔ یو
محسوس ہوتا ہے ہماری کاوشیں فیل ہونے کے ساتھ ہم سے زیادتی ہوئی ہے۔

لیکن

ایسا نہیں ہوتا۔

ہوتا وہی ہے۔ جو تقدیر اللہ تعالی کی خوشنودی اور رضا سے ہمارے لئے فیصلہ کر
ہے ——

کچھ ایسا ہی

ثمینہ بیگم کے ساتھ بھی ہوا ——

وجیہہ کو بہو بنانے کے لئے انہوں نے منیب سے ٹکر لی تھی۔ اپنا فیصلہ پورے ماورا
رعب داب کے ساتھ اس پر مسلط کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کی پسند کو ذرہ بھر وقعت
نہ دی تھی —— جو وہ چاہتی تھیں۔ وہی کر گزرنا چاہتی تھیں ——

لیکن

قدرت نے تقدیر کے فیصلے پر اپنی مہر ثبت کر دی تھی —— وجیہہ اور منیب کا جوڑ
اللہ کو منظور نہیں تھا۔ اس جوڑ اور بندھن کے لئے ثمینہ کی مثال کشتی الٹے پانیوں میں
لے جانے کی طرح تھی اور اسے یقین تھا اعتماد تھا وثوق سے کہتی تھی۔ کہ وہ منیب کے
لئے وجیہہ کو منتخب کر چکی ہے۔ اس کے علاوہ وہ کسی اور کا نام بھی نہیں سننا چاہتی ——

اس نے ابھی تک اس رشتے کی طلبی کے لئے دامن نہیں پھیلایا تھا۔ گھر کی بات
سمجھتی تھی۔ کسی وقت بھی ہاتھ پھیلایا جاسکتا تھا —— اسے یہاں سے کسی طور انکار ک
بھی امید نہ تھی —— روپیہ پیسہ لیاقت شرافت کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ منیب ایک اکلو
بیٹا تھا۔ جو ڈاکٹر تھا —— سپیشلسٹ تھا —— سمارٹ تھا اور شریف بھی —— اس کے
خیال میں وجیہہ کے لئے یہ موزوں ترین رشتہ تھا ——

ثمینہ کے ہاں جو کپڑے دھونے اور استری کرنے والی ملازمہ آتی تھی۔ وہی وجیہ

کے ہاں بھی یہ کام کرتی تھی —— ہفتے میں دو دن ثمینہ کے ہاں اور دو دن وجیہہ کی امی
کے ہاں جایا کرتی تھی —— یوں اس میڈیا کے ذریعے دونوں گھرانوں کو خیر خیریت کی
خبریں مل جایا کرتی تھیں۔ ویسے بھی یہ نوکر لوگ گھر کے غیر محسوس طور پر بھیدی ہو جاتے
ہیں۔ ایسی خبریں جو دونوں گھرانے آپس میں ایک دوسرے سے پردہ راز میں رکھا کرتے
تھے۔ اس نوکرانی کے ذریعے معلوم ہو جاتی تھیں —— بعض خبریں بے ضرر ہوتیں۔
لیکن بعض بڑے کام کی اور بوقت ضرورت ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار کے طور پر
استعمال ہونے والی ہوتیں —— یوں حمیداں دونوں گھروں میں غیر شعوری طور پر مخبری کا
کام بھی سرانجام دے رہی تھی۔

اس دن حمیداں ایک دن کے ناغے کے بعد آئی۔ تو ثمینہ نے آتے ہی باز پرس کی
"کل کیوں نہیں آئیں تم —— کپڑوں کا ڈھیر جمع ہو گیا ہے۔ جانتی ہو اب گرمی ہے اور
وائیل کے کپڑے ایک دن سے زیادہ نہیں چلتے —— نوشی کے کپڑے کلف لگانے کے
لئے پڑے تھے۔ اس دن بھی تم چھوڑ کر چلتی بنیں ——"

حمیداں اس کی باتیں سن کر بولی "آج سارے کام کر ڈالوں گی بیگم صاحبہ —— نہ
آئی آپ کی دیورانی صاحبہ نے کل مجھے روک لیا تھا۔"

"کیوں ——" ثمینہ نے کہا "انہیں پتہ تو تھا تم نے یہاں آنا ہے۔"

"جی پتہ تھا۔ لیکن کل ان کے ہاں مہمان آرہے تھے کافی سارے۔ اس لئے مجھے
روک لیا تھا —— خانساماں تو تھا۔ لیکن اوپر کا کام کرنے والی لڑکی چھٹی پر تھی —— کام
بہت تھا۔"

ثمینہ جھٹ سے بولیں "اتنے مہمان؟ کون آیا تھا ——"

"طاہرہ بی بی کی بہن فاخرہ بیگم آئی تھیں۔ ان کے ساتھ چند بی بیاں اور دو تین مرد
بھی تھے۔ ان کے بیٹے نبیل صاحب بھی تھے۔ اور میاں مظہر خان صاحب بھی۔"

ثمینہ کے کان کھڑے ہوئے۔ جلدی سے بولی "اتنے لوگ؟"

"جی ہاں۔"

"کوئی خاص تقریب تھی ___"

ثمینہ نے سر نفی میں ہلایا۔ تو حمیداں اپنا بھاری بھرکم وجود ان کے قریب گھسیٹتے ہو
بولی "نبیل صاحب کا رشتہ لے کر آئے تھے وہ لوگ۔"

"کیا؟"

"جی بیگم صاحبہ۔ وجیہہ بی بی کے لئے نبیل صاحب کا رشتہ لے کر آئے تھے۔
ایک دفعہ پہلے بھی طاہرہ بیگم اور ان کے میاں ان کے ہاں اس نیت سے آچکے تھے۔ ا
تو باقاعدہ ہاں ہونا تھی۔"

"کیا؟؟" ثمینہ کو لگا ایک لمحہ کے لئے اس کا دم رک گیا ہے۔

"جی بیگم صاحبہ ___ آپ کو سن گن نہیں تھی۔ اس رشتے کی ___"

ثمینہ چپ ہی رہی ___

"کل میرے خیال میں ہاں ہو گئی ہے۔"

"کس نے کہا تجھ سے۔"

"باتیں ہی ہو رہی تھیں جی ___ بہت خوش تھے لڑکے والے۔ اے بیگم صاحب
کوئی غیر تھوڑے ہی ہیں۔ طاہرہ بی بی کی بہن ہے فاخرہ بیگم نبیل صاحب سگے بھا
ہیں۔ یہ خوبصورت جوان ہے ___ بیگم صاحبہ سچ مانیں تو دونوں کی جوڑی بہت اچ
ہے۔ چاند اور سورج والی بات ہے۔"

حمیداں بیگم کو کل دونوں طرف سے اچھے خاصے پیسے ملے تھے۔ سیر بھر مٹھائی ؛
طاہرہ نے اس کے بچوں کے لئے دی تھی۔ اس لئے خوب بڑھ چڑھ کر تعریفیں کر ر
تھیں۔

ثمینہ بیگم تو گنگ سی رہ گئی تھی۔ طاہرہ اس کے لئے اجنبی تھی۔ نہ نبیل۔ نہ ہی
احساس کہ طاہرہ بھانجی کی مانگ کر سکتی ہے۔ لیکن ابھی تک کسی طرف سے بات چھیڑی
گئی تھی اس لئے اس طرف سے کوئی بے اطمینانی نہ تھی۔ وہ تو منیب نے اپنی پسند کا جھ
کھڑا کر دیا تھا۔ ورنہ اب تک تو وہ وجیہہ کا رشتہ مانگ بھی چکی ہوتی۔

اب بس۔

طاہرہ نے کر لی تھی۔

اور

بقول حمیداں ہاں بھی ہو گئی تھی۔ ثمینہ کو رشتہ ہاتھ سے نکلنے کا افسوس بھی ہوا تھا
اور طاہرہ پر غصہ بھی آیا تھا۔ جس نے ہاں کرنے سے پہلے اس کے کانوں میں بھنک تک نہ
ڈالی تھی اور بقول اس کے اس نے وجیہہ وجیہہ کا رشتہ باقاعدہ مانگا تو نہیں تھا۔ لیکن جتنا
پیار وہ وجیہہ سے کرتی تھی۔ یا اس کے ناز نخرے اٹھاتی تھی۔ وہ طاہرہ کی نظروں سے
پوشیدہ تو نہ تھے۔ آخر ان کا کچھ مطلب بھی تھا ___

ثمینہ بڑی دیر جزبز ہوتی رہی۔

ایک طرف تو رشتہ ہاتھ سے نکل گیا تھا ___

دوسری طرف۔

منیب کو اب نیچا دکھانے کی گنجائش نہ رہی تھی۔

وہ بڑی بددل۔

اور

بڑی بے مزہ ہوئی ___

حمیداں اپنا کام کرنے لگ گئی۔ آج ثمینہ نے اس کے سر پر کھڑے ہو کر نہ تو کپڑے
دھلوائے نہ ہی نوشی کے کپڑوں کو کلف لگوائی ___ اپنے بیڈ میں جا کر چپ چاپ پڑ گئی۔
شعیب بھی کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ منیب ہوسپٹل گیا ہوا تھا اور نوشی اپنی سہیلی
کے ہاں جا چکی تھی۔ گھر پر کوئی بھی نہ تھا۔ جس سے وہ کچھ کہتی سنتی۔ دوپہر کے کھانے پر
ہی شعیب اور نوشی نے آنا تھا۔ دل کا غبار ان کے سامنے ہی نکال سکتی تھی۔

شعیب اور نوشی کے آنے سے پہلے ہی وجیہہ کی ہاں ہونے کی پکی سندا سے مل گئی۔
طاہرہ کا نوکر مٹھائی لے کر آیا تھا۔ طاہرہ نے کہلوا بھیجا۔ کہ فرصت ملتے ہی وہ خود بھی آئے
گی ___ وجیہہ کی ہاں کا اس نے نوکر کے ہاتھ ہی کہلا بھیجا تھا۔

ثمینہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتی رہی۔

شعیب گھر آئے تو ثمینہ نے بڑے شاکی انداز میں ان سے گلہ کیا اور وجیہہ کی ہاں انہیں بتایا ___

"آپ کی بھابی نے تو ہر بات ہم سے چھپا کر رکھی۔ کانوں میں بھنک تک نہ پڑنے دی۔ بھلا یہ ہاں کا فیصلہ ایک ہی دن میں ہو سکتا ہے۔ دونوں بہنوں میں لگتا ہے۔ پہلے سے یہ معاملہ طے تھا ___"

شعیب کو بھی وجیہہ کے اچانک رشتے کا سن کر اچنبھا تو ہوا تھا۔ لیکن ثمینہ کی طرح تو انہیں غصہ آیا نہ ہی زیادہ برا لگا۔ وجیہہ ان کی ملکیت تو تھی نہیں۔ والدین نے جو مناسب سمجھا کیا ___

شعیب صاحب کو تو قدرے اطمینان بھی نصیب ہوا۔ وہ بیٹے کی پسند کسی طور ٹھکرانے کے حق میں نہ تھے۔ زندگی منیب کی تھی اور اسے گزارنے کا اسے پورا حق تھا۔ بحیثیت والدین وہ اسے رائے تو دے سکتے تھے۔ لیکن اپنی رائے یا فیصلہ اس پر مسلط کرنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے ___ ماں بیٹے میں جو دنوں سے چپقلش چل رہی تھی۔ وجیہہ کا رشتہ طے ہو جانے سے وہ ختم ہو گئی تھی ___

جب ثمینہ نے شاکی انداز میں طاہرہ کے متعلق شعیب صاحب سے بات کی تو وہ بڑی متحمل آواز میں بولے "بھئی وہ بچی کی ماں ہے۔ جو بھی اس کے مفاد میں ہوگا۔ وہ تو وہی کرے گی۔ باقی رہی یہ بات کہ اس نے اس رشتے کی بات ہم سب سے چھپائے رکھی تو ہم کو بھی اس کا اختیار ہے کہ جو بات چاہیں مخفی رکھیں۔ جو چاہیں نشر کر دیں۔"

"تو آپ خوش ہوئے ہیں۔ بھتیجی کا رشتہ اس کی ماں کی مرضی سے طے ہو گیا۔" وہ طنز سے بولی۔

"ماں اور باپ دونوں کی مرضی سے طے ہوا ہوگا ___ ایک بات ہے ثمینہ صاحبہ ___ رشتہ تو انہوں نے کہیں نہ کہیں کرنا ہی تھا ___ آپ شاید پہلے مانگ لیتیں ___ تو وجیہہ آپ کی ہو جاتی۔ اب فاخرہ نے پہل کر لی اور اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو گئی

___ تو کیا برا ہوا۔ بہت اچھا خاندان ہے ان کا ___ روپے پیسے کی بھی کمی نہیں ___ دوسرے ملکوں تک پھیلا ہوا بزنس ہے۔ لڑکا بھی خوبصورت ہے۔ پڑھا لکھا ہے اور بزنس میں باپ کا ہاتھ بٹا رہا ہے ___"

"یہ اپنے صاحبزادے سے پوچھیں نا ___ جس کا سب کیا دھرا ہے۔ اس نے ایسا فساد کھڑا کیا۔ کہ ہم لوگ رشتے کی بات ہی نہ کر سکے ___"

"یہ تقدیر کے لکھے ہوتے ہیں ثمینہ۔ انہیں کوئی نہیں بدل سکتا۔ منیب اور وجیہہ کے ستارے نہیں ملے تھے۔ جہاں ملے تھے وہاں بات ٹھہر گئی ___ خدا کرے وجیہہ ہمیشہ خوش و خرم رہے ___"

"لیکن میرے دل میں تو گلہ رہے گا۔"

"یہ گلہ اپنے تک ہی رکھنا۔ اب طاہرہ یا یوسف کے سامنے اس کا اظہار نہ کرنا۔"

شعیب صاحب نے تاکید کی۔

لیکن

ثمینہ کہاں سننے والی تھی ___ دل کا غبار تو نکالنا ہی تھا۔ وجیہہ کے ہاتھ سے نکلنے کا جو دکھ اسے ہوا وہ تو ہوا ___ لیکن زیادہ تلملا وہ اس بات پر رہی تھی۔ کہ منیب کے ہاتھوں وہ مات کھا گئی ___ اب تو اس کے پاس کوئی جواز نہ تھا اس کی پسند کو ٹھکرانے کا۔ نہ ہی اس نے اب تک کوئی متبادل رشتہ ڈھونڈ رکھا تھا ___

وہ اگلے دن ہی طاہرہ کے یہاں جا پہنچی۔ ظاہر تو یہی کیا۔ کہ ہاں کی مبارک دینے آئی ہے۔

مبارک دی بھی۔

لیکن۔

اس کے تاثرات ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ طاہرہ نے بھی بھانپ لئے اور وجیہہ نے بھی نوٹس لیا ___

طاہرہ نے تو گول مول سی بات کی "فاخرہ عرصے سے میرے پیچھے پڑی تھی۔ نبیل

اور وہ بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں ___ " طاہرہ نے کہا۔

"وجیہہ کو بھی نبیل پسند ہوگا" ثمینہ طنز سے بولی۔

"پتہ نہیں۔ لیکن اس نے اس رشتے سے انکار نہیں کیا۔ نبیل اور وہ بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں ___ " طاہرہ نے کہا۔

"جانتے تو وجیہہ اور منیب بھی ایک دوسرے کو بچپن ہی سے تھے ___ " ثمینہ نے منہ بنا کر کہا۔

"دیکھیں بھابی" طاہرہ چند لمحے چپ رہنے کے بعد بولی "آپ ٹھیک کہتی ہیں لیکن۔"

"لیکن کیا؟"

طاہرہ پھر چپ ہوگئی ___ ثمینہ نے اس پر ایک گہری نگاہ ڈالی پھر زبردستی خوشگوار لہجہ بناتے ہوئے بولی "تم لوگوں کو پتہ تو ہوگا ___ کہ ہم بھی وجیہہ کے امیدوار تھے۔"

"ہاں" طاہرہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"فاخرہ سے پہلے ہم طلبگار بن کر آجاتے۔ تو ___ " اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تو طاہرہ نے بات مکمل کرتے ہوئے کہا "تو بھی شاید یہ رشتہ نہ ہوتا ___ اچھا ہی ہوا ___ جو آپ نے پہل نہیں کی ___ "

ثمینہ نے چونک کر اسے دیکھا ___ پھر حیرانگی سے بولی "کیوں؟ کیوں نہ ہوتا یہ رشتہ۔"

"اس لئے کہ وجیہہ راضی نہ تھی" طاہرہ نے جھٹ سے کہہ دیا۔

"کیا؟"

"ہاں بھابی ___ وجیہہ نے انکار کر دیا تھا ___ " طاہرہ نے سچی بات کہہ دی۔ "مجھے پتہ تھا۔ کہ آپ وجیہہ کو بیٹی بنانے کی خواہشمند ہیں اور یقین مانیں۔ اگر نبیل مجھے پیارا تھا۔ تو منیب بھی کچھ کم نہ تھا ___ "

"تو پھر" ثمینہ بے خبری سے بولی۔

طاہرہ نے چند لمحے توقف کیا۔ کچھ جھجک محسوس کی۔ لیکن بات چونکہ شروع کر ہی دی تھی۔ اس لئے اسے اختتام تک بھی پہنچانا تھا ___

وہ بولی "بھابی ___ وجیہہ کو معلوم ہوگیا تھا۔ کہ منیب کی دوستی کسی ڈاکٹر لڑکی سے ہے۔ وہ اس لڑکی کو دیکھ بھی چکی تھی ___ منیب کے ساتھ اسے ایک بار بوتیک میں بھی دیکھا تھا ___ گاڑی میں ساتھ جاتے تو دو تین بار دیکھ چکی تھی ___ "

ثمینہ چند لمحے تو کچھ بول ہی نہ سکی ___ پھر آہستگی سے بولی "اس عمر میں لڑکے دوستیاں کرتے ہی ہیں۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ___ کہ ___ "

طاہرہ نے اس کی بات اچک لی اور بولی "بھابی وجیہہ نے اس لڑکی کے متعلق اپنے طور پر کافی معلومات حاصل کی تھیں۔ یہ صرف دوستی نہیں ___ منیب اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

طاہرہ نے چند لمحے رک کر پھر کہا "بھابی آپ، خود بھی تو جانتی ہیں۔ آپ کب سے منیب کو قائل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ وہ مان ہی نہیں رہا ___ "

"تمہیں کس نے کہا ___ "

"بات نکل ہی جاتی ہے نا ___ مجھے بھی پتہ چل گئی ___ "

ثمینہ جو گلہ شکوہ اور طنز کرنے آئی تھی۔ طاہرہ کی بات سے کچھ شرمندہ سی ہوگئی اس نے جان لیا۔ کہ حمیداں نے ہی اس کے گھر کے بھید طاہرہ پر کھولے ہونگے ___

"بھابی" طاہرہ نے ملائمت سے کہا۔ "ہمارے بچے جوان ہیں ___ سمجھدار ہیں انہیں اپنی زندگیوں کے ایسے اہم فیصلے کرنے کا حق ملنا چاہئے۔ وہ اگر سوچ سمجھ کر کوئی اچھا قدم اٹھا رہے ہیں ___ تو ہمیں ان کا ساتھ دینا چاہئے ___ وجیہہ نے ساری بات مجھ سے کی تھی ___ وہ آپ سے بہت پیار کرتی ہے ___ آپ کی عزت کرتی ہے۔ منیب بھی اسے ناپسند نہیں۔ لیکن وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہے۔ کانوں سے سن چکی ہے۔ اس لئے وہ سوچ بھی نہیں سکتی۔ کہ اک ایسے شخص سے وابستگی کا اظہار کرے۔ جو کسی اور سے وابستہ ہو چکا ہے۔ اس حد تک کہ اس کے سوا کسی دوسری لڑکی

طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا ۔۔۔ آپ ہی بتایئے کیا وجیہہ نے کوئی
فیصلہ کیا۔ یا ہم نے اس کی مرضی کو دیکھتے ہوئے کوئی غلط قدم اٹھایا ۔۔۔ ؟"

ثمینہ چپ رہی ۔۔۔ اب اس کے پاس منیب کی پسند سے انکار کی گنجائش کہاں
تھی ۔۔۔ یقیناً طاہرہ ہر بات سے باخبر تھی ۔۔۔ وجیہہ نے منیب اور ماہ نور کو بوتیک
اکٹھے دیکھنے اور پھر اکٹھے ہی گاڑی میں جانے والی بات ثمینہ سے پہلے بھی کہ دی

طاہرہ سامنے والے صوفے سے اٹھ کر ثمینہ کے پاس آبیٹھی اور اس کے گلے
بازو ڈال کر اس کے گال سے گال لگاتے ہوئے پیار سے بولی "بھابی آپ منیب کی بات
جائیں ۔۔۔ وہ جہاں چاہتا ہے وہیں اس کی شادی کر دیں ۔۔۔ وہ ماشاء اللہ میچور
ہے۔ وہ اس ڈاکٹر سے دل لگی نہیں کر رہا ۔۔۔ وہ یقیناً اسے دل سے پسند کرتا ہے۔

ثمینہ کچھ نہ بولی ۔۔۔

طاہرہ اپنا بازو اس کی گردن سے نکال کر الگ ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی "ویسے بھی
ڈاکٹر ہے ۔۔۔ اس کی شریک حیات اصولاً ڈاکٹر ہی ہونی چاہئے ۔۔۔"

ثمینہ چپ ہی رہی۔ طاہرہ اسے سمجھاتی رہی۔ منیب کی راہ ہموار کرنے کے لئے
نے خاصی کاوش کی ۔۔۔

نوکرانی چائے کی ٹرالی لے آئی۔

طاہرہ نے ٹرالی اپنے سامنے گھسیٹ لی۔ اور ٹرالی پر رکھے چائے کے ساتھ
پینے کے لوازمات اٹھا اٹھا کر ثمینہ کے سامنے سنٹر ٹیبل پر رکھنے لگی۔

ثمینہ نے اس کا ہاتھ روک دیا ۔۔۔

"صرف ایک پیالی چائے دے دو ۔۔۔ یہ چیزیں اٹھالو ۔۔۔"

طاہرہ مسکرا کر بولی اور مٹھائی کی پلیٹ اس کے سامنے کرتے ہوئے بولی۔ "یہ ت
کو ضرور کھانا پڑے گی ۔۔۔ ورنہ میں سمجھوں گی۔ آپ ہم سے ناراض ہیں ۔۔۔

"ناراضگی کیسی؟" طاہرہ نے سارے حالات 'واقعات کھول کر اس کے سامنے رکھ

ئے تھے۔ انکار کیسے کر سکتی تھی۔

اور

اگر

انکار کرتی بھی۔

تو

اب کیا ہو سکتا تھا۔

تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

○ ○ ○

سبین سپر سٹور میں ضرورت کی کچھ چیزیں لینے گئی۔ آج چھٹی تھی۔ اس نے یہ کام آج ضرور کرنا تھا۔ شیمپو ٹوتھ پیسٹ صابن اور دو ایک لپ اسٹک خریدی کچھ غیر ضروری چیزیں بھی دیکھنے لگی ــــ وہ اس کاؤنٹر پر آکر کھڑی ہو گئی ــــ ڈیکوریشن پیسز رکھے تھے۔ اسے ان کی ضرورت تو نہ تھی تاہم خوبصورت اشیاء کی کشش اسے ادھر لے آئی تھی۔ وہ کرسٹل۔ ماربل اور شیشے کی نفیس چیزیں دیکھنے لگی۔ اس کاؤنٹر پر اور بھی لوگ کھڑے تھے۔ دو عورتیں ایک لڑکی اور دو تین آدمی خریداری کر رہے تھے ــــ لڑکی اس کاؤنٹر پر نہیں ساتھ والے پر ہیر بینڈ اور کلپس وغیرہ دیکھ رہی تھی ــــ

"سبین" پیچھے سے آواز آئی تو سبین نے گردن موڑ کر دائیں طرف دیکھا۔ سانولی سی عورت جس نے چمکیلے سے کپڑے پہن رکھے تھے ادھر کھڑی تھی۔ لیکن وہ اس کی طرف نہ دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہیں پرلے کاؤنٹر پر کھڑی لڑکی پر جمی تھیں یقیناً عورت نے سبین کو آواز دی تھی۔ کیوں کہ اس سے زیادہ قریب اور کوئی عورت نہ تھی۔

سبین اس عورت کو جانتی پہچانتی نہ تھی۔ اس لئے قدرے حیران بھی ہوئی۔ پھر اگلے لمحے کو اس کے ذہن میں یہ سوچ آئی۔ کہ یہ عورت شاید اس کی کبھی پیشنٹ رہی ہو یا کسی پیشنٹ کے ساتھ ہوسپٹل آئی ہو۔ اس لئے بڑی ملائمت سے اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ آپ نے مجھے پکارا ــــ"

وہ عورت اس کے سراپا پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولی "میں اپنی بیٹی سبین کو بلا رہی تھی ــــ وہ کھڑی ہے۔"

سبین نے گردن موڑ کر پرے کاؤنٹر پر کھڑی نوجوان لڑکی کو دیکھا۔ جو کپڑے ا

موتیوں کے ہیر بینڈ دیکھ رہی تھی۔

سبین مسکرائی اور بولی "آپ کی بیٹی کا نام بھی سبین ہے؟"

"جی۔"

"میرا نام بھی سبین ہے۔ اسی لئے میں سمجھی آپ نے مجھے بلایا ہے۔"

"آپ کا نام بھی سبین ہے؟" وہ عورت اسے دیکھتے ہوئی بولی۔

"جی ہاں۔ ویسے یہ عام نام نہیں۔ میں نے آج پہلی بار کسی دوسری لڑکی کا یہ نام سنا ہے۔"

"ہاں واقعی یہ نام عام نہیں ــــ" وہ ہنس کر بولی "میں سمجھتی تھی۔ صرف میں ہی سبین نام رکھ سکتی ہوں۔"

سبین خوبصورتی سے ہنس پڑی ــــ "اب تو آپ کو پتہ چل گیا ہوگا۔ کہ یہ نام عام نہ سہی لیکن دوسرے بھی رکھ سکتے ہیں ــــ"

وہ عورت مسکرا دی ــــ

سبین کا موڈ خوشگوار تھا۔ اس لئے ہنس کر بولی "پہل یقیناً" میرے والدین کی ہیں آپ کی بیٹی سے بڑی ہوں ــــ"

"میری بیٹی بھی اتنی چھوٹی نہیں ــــ بائیس سال کی ہونے والی ہے ــــ پتلی دبلی ست ہے اکثر بیمار بھی رہتی ہے ــــ"

سبین نے لڑکی کی طرف دیکھا ــــ پھر ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اس کی ماں سے پوچھا "کیوں بیمار رہتی ہیں؟"

وہ عورت سر جھٹک کر بولی "بس کبھی کچھ ہو جاتا ہے کبھی کچھ ــــ"

"آپ ان کا مکمل معائنہ کروایئے نا ــــ معائنہ تو ہر سال سب کو ضرور کروانا چاہئے۔"

"بہت دفعہ کروایا ــــ سب کچھ ٹھیک ہی ہوتا ہے۔"

"خوراک پر دھیان دیں۔ اگر سب کچھ ٹھیک ہے۔ تو پھر خوراک میں کمی بیشی ہوئی

ہوئی۔"

وہ عورت مسکرائی اور یونہی کہہ دیا۔ "آپ ڈاکٹر ہیں۔"

"جی" ثمین نے کہا۔ "میں میوہسپتال میں ہاؤس جاب کر رہی ہوں۔ فرصت
کسی وقت اسے لے کر آجایئے ــــ وہاں کافی سپیشلسٹ ہیں ــــ"

وہ عورت بولی "ہم دوبئی میں رہتے ہیں۔ وہاں بہت بڑے سپیشلسٹ ہیں۔ ا
دکھا چکی ہوں ــــ"

اسی دوران وہ لڑکی ادھر آگئی۔ ماں کو ایک خوبصورت لڑکی سے باتیں کرتے د
بولی "امی چلیں ــــ"

"ان سے ملو ــــ یہ تمہاری ہم نام ہیں ــــ ثمین ــــ" ماں نے بیٹی سے
دبلی پتلی گہری سانولی رنگ والی لڑکی مسکرا کر ثمین کو دیکھتے ہوئے بولی "آپ کا نا
ثمین ہے۔"

"ہاں" ثمین نے کہا۔ ثمین کو یہ سانولی سلونی تیکھے نقوش والی لڑکی اچھی لگی۔

"یہ ڈاکٹر بھی ہیں" ماں نے کہا۔

تو

بیٹی بولی "ڈاکٹر صاحبہ میری امی کو دوستی کر لینے کی بری عادت ہے۔ دیکھیں نا
میں کھڑے کھڑے آپ کا نام بھی پوچھ لیا اور کام بھی۔"

"ثمین" ثمین نے لڑکی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا ــــ "محض اتفاق ہ
انہوں نے میرا اور میں نے آپ کا نام جان لیا ــــ"

ثمین نے مختصراً اس کی ماں کے ثمین کو آواز دینے پر اپنے چونک کر جواب د
بات لڑکی کو سنائی۔

تو

وہ ہنس پڑی اور بولی "آپ کے ساتھ یہ واقعہ نہ بھی پیش آتا۔ تو بھی امی آپ
دوستی کر لیتیں ــــ آپ کا پتہ وتہ تو نہیں پوچھا انہوں نے۔"

"پوچھ لیا ہے" ماں ہنس کر بولی "میوہسپتال میں ہاؤس جاب کر رہی ہیں۔ کسی دن
ملنے چلیں گے انہیں ــــ"

"دیکھا" لڑکی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ثمین بھی مسکرا دی اور دونوں سے بولی "مجھے
بہت خوشی ہوئی آپ دونوں سے مل کر ــــ ضرور آیئے گا" اس نے اپنے وارڈ وغیرہ کا
ان کو بتایا ــــ

"آؤں گی" عورت بولی "مجھے آپ بہت پیاری لگی ہیں ــــ"

"ثمین نام کی لڑکیاں ہوتی ہی پیاری ہیں" وہ لڑکی خوشدلی سے مسکراتے ہوئے بولی۔
"کیوں ڈاکٹر صاحبہ؟"

ثمین مسکرا دی ــــ

سٹور میں رش بڑھ رہا تھا۔ عورتیں مرد بچے آ جا رہے تھے۔ خریداری زوروں پر
تھی۔

اس لئے ثمین کو کاؤنٹر کے پاس ان ماں بیٹی کے ساتھ جگہ روک کر کھڑے ہونا اچھا
نہیں لگا۔

اس لئے

ان کو خدا حافظ کہتے ہوئے مڑی۔ جاتے جاتے یہ ضرور کہا۔ "ملنے آیئے گا۔ میں
آپ کا انتظار کروں گی ــــ"

جواباً ماں بیٹی نے بھی خدا حافظ کہا اور شاپنگ کرنے میں لگ گئیں۔

ثمین کے ذہن میں ماں بیٹی اور ان کی باتیں کچھ دیر رہیں۔ پھر وہ گھر آکر اپنے کاموں
میں لگ گئی

آج دوپہر کا کھانا ہمیشہ کی طرح تائی کی طرف تھا۔ فارغ ہو کر وہ ادھر جانے کے لئے
تیار ہونے لگی۔ اس نے خوبصورت سیاہ لیس کا لباس پہنا ــــ بڑا سا دوپٹہ اوڑھا ا
اماں فضیلت کو بتانے کچن کی طرف آگئی۔

جو

کچن کی الماریوں میں رکھے برتن نکال نکال کر دھو رہی تھی۔

"اماں میں جا رہی ہوں۔ کھانے پر" وہ بولی۔

"جاؤ بیٹا۔"

"کیسی لگ رہی ہوں ان کپڑوں میں۔"

"نظر بد دور بہت ہی پیاری۔ لگتا ہے کالے بادلوں میں چاند چمک رہا ہو۔"

"اے ہائے اماں ___ یہ بتاؤ قابل اعتراض تو نہیں یہ کپڑے ___"

"کیوں ہونگے ___ کیا ان کی بہو بیٹیاں نہیں پہنتیں ایسے کپڑے۔"

"ٹھیک۔"

وہ دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے کچن سے باہر نکلی لاؤنج میں آئی اور اندرونی دروا
سے تائی کے گھر جانے کو قدم اٹھایا۔

اچانک ہی ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

وہ فون کی طرف لپکی۔

دل آپوں آپ چاہا۔ کہ خدا کرے مصطفیٰ کا فون ہو۔

اور

دل کی خواہش بعض اوقات ابھرنے سے پہلے ہی پوری ہو جاتی ہیں۔

فون مصطفیٰ ہی کا تھا ___

"بہت بور ہو رہا ہوں" مصطفیٰ نے احوال پرسی اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد
"تمہیں لینے آجاؤں کھانا کہیں باہر جا کر کھاتے ہیں ___"

"ہائے نہیں۔"

"کیوں۔"

"آج تائی صاحبہ کی طرف دوپہر کا کھانا ہے۔ سارا خاندان اس دن ان کے ہاں
ہوتا ہے۔"

"تو کیا ہوا ___ خاندان تمہاری کیا پرواہ کرتا ہے اور تم خاندان کی کیا پرواہ کر

ہو۔"

"جبین ہنس کر بولی "اب کرنا پڑ رہی ہے۔"

"کیوں؟ حالات بدل گئے کیا۔"

وہ ہنس ہنس کر بولی "شاید بدل ہی جائیں۔"

"مجھے تمہاری بات سمجھ نہیں آئی ___"

"اتنے کور ذہن کب سے ہو گئے۔"

"جب سے تمہارے ساتھ پالا پڑا ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

مصطفیٰ قدرے رک کر بولے "بولو آجاؤں تمہیں لینے۔"

"نہیں بھئی میں تو ابھی تائی جی کی طرف جا رہی ہوں۔ سب لوگ آچکے ہیں بتایا نا
اب مجھے ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔"

"لیکن کیوں۔"

"اس لئے۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر ہنستے ہوئے بولی "ڈاکٹر صاحب اس لئے۔ کہ جب آپ
کی امی یہاں آئیں گی ___ تو ظاہر ہے انہیں تائی اور پھپھو وغیرہ ہی سے ملوانا ہوگا نا میں
اب ان لوگوں سے تعلقات بگاڑنے کی بجائے سنوارنا چاہتی ہوں۔ تاکہ وہ میرے متعلق
آپ کی امی ___"

مصطفیٰ نے بات کاٹی اور ہنس کر بولے "بہت ہوشیار ہو گئی ہو ___"

اتنی ٹھوکریں کھائی ہیں ڈاکٹر صاحب ___ اب بھی نہ سنبھلوں گی تو کب سنبھلوں
گی۔"

اوہو۔"

"جی ہاں۔"

"تو دوپہر کا کھانا کینسل کروں۔"

"کیوں۔ آپ کھا آیئے نا۔"

"اکیلا۔"

"منیب کو بلالیں۔"

"وہ گیا ہاتھوں سے۔ کئی روز ہوئے ملا ہی نہیں ___"

"بیچارہ۔"

"اور تمہاری سہیلی ماہ نور؟"

"بیچاری۔"

مصطفیٰ ہنس پڑے "بہت شوخ ہو رہی ہو۔"

"آپ کی صحبت کا اثر ہے۔"

"میں بہت سنجیدہ اور متین آدمی ہوں۔"

اب سبین ہنس پڑی۔

چند لمحے دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر طے پایا کہ دونوں رات کا اکٹھے کریں گے ___

خدا حافظ کے بعد فون رکھ دیا۔ سبین پھولی نہ سما رہی تھی۔ گال پہلے ہی پیازی تھے اب تو ان پر گلابوں کے کھلنے کا گمان ہو رہا تھا۔

وہ اٹھلاتی ہوئی درمیانی دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی۔ کہ پھر فون کی گھنٹی اٹھی۔

"اب کون؟" وہ اپنے آپ سے سوال کرتے ہوئے پلٹی۔ فون اٹھایا۔ تو دوسرے طرف عائشہ تھی ___

"خیریت؟" سبین نے اس کے سلام کا جواب دینے کے بعد پوچھا "اس وقت فون ہے۔"

"تو کیا تم نے کوئی قدغن لگا رکھی ہے۔ اس وقت فون کرنے پر۔"

"ارے نہیں عائشہ ___ لیکن تم اکثر شام ہی کو فون کرتی ہو نا۔"

"آج تمہیں چھٹی ہے اور تم گھر پر ہی ہو۔ اس لئے فون کر دیا۔"

"میں ابھی تائی کی طرف جا ہی رہی تھی ___"

"وہی چھٹی والا لنگر ہے۔"

"بدتمیز ___" سبین نے ہنس کر کہا "لنگر کہہ رہی ہو ___ بڑی پر تکلف دعوت ہوتی ہے ___"

"اتنے ڈھیر سارے لوگ جو جمع ہوتے ہو۔ لنگر ہی ہوا نا۔"

"اچھا ___ جلدی کہو ___ کیوں فون کیا ___ کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں۔"

"کیا؟"

وہ ہنس کر بولی "ہمارے ہاں بھی کل "لنگر" کا اہتمام ہوا ہے ___ آسکو گی؟"

"دوپہر یا شام ___"

"رات ___ ڈنر ہے۔"

"بہت سے لوگ آرہے ہیں؟"

"آں ___ بہت زیادہ تو نہیں ___ لیکن کافی ہیں۔"

"سہیلیوں میں سے کس کس کو بلایا ہے؟"

"صرف تم ہی ہو۔ ماہ نور نے ڈیوٹی کا کہہ دیا ہے اور مریم کراچی گئی ہوئی ہے اس لئے صرف تم ہی ہو ___ اس لئے ضرور آنا ___"

"اچھا ___"

"یہ ڈھیلی سی اچھا نہیں چلے گی۔ ضرور آنا ہوگا ___"

"تمہارا ریحان بھی آئے گا ___"

"وہ یہاں نہیں ہے ___ لندن گیا ہوا ہے کام کے سلسلے میں۔"

"ٹھیک ہے آجاؤں گی ___"

"ضرور آنا ہوگا۔ ریحان یہاں ہوتا تو تمہارے اس دیوانے کو بھی بلالیتی

وہ ہنس کر بولی۔ تو سبین نے ہنس کر کہا "یوں تو نہ کہو عائشہ ___"

"کیوں نہ کہوں۔ سالی ہوں پورا حق بنتا ہے" وہ بھی ہنس کر بولی ___ تو
خوشدلی سے ڈانٹا ___ "ابھی سے ایسے رشتے استوار نہ کرو۔"

"کیوں۔"

"کیا خبر قسمت میں کیا لکھا ہے ___ "

نوشتہ تقدیر صاف پڑھا جارہا ہے بی بنو ___ "

دونوں کچھ دیر اسی قسم کی باتیں کرتی رہیں۔ پھر ایک دوسرے کو محبت سے خ
کہا۔ فون رکھ کر بیین تائی کے گھر چلدی ___

پورا خاندان جمع تھا۔ کھانا لگانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں ___ خوب گپ شپ
رہی تھی۔ سب خوب انجوائے کر رہے تھے۔ بیین نے دیکھا پھپھو عاصمہ کچھ زیادہ ہی
نظر آرہی تھیں۔ بعد میں انہوں نے بیین کو راز داری سے بتایا۔ کہ ثمن کے لئے
رشتہ بھی آگیا ہے۔ یہ رشتہ پہلے رشتے سے واقعی بہت اچھا ہے ___ وہ بیین کی
گزار تھیں۔ جس نے انہیں یہ دوسرا رشتہ بھی پرکھنے کی صلاح دی تھی۔

بیین سے سب اچھی طرح ہی ملے نئی نسل تو اس کی ہم خیال ہی تھی۔ طیبہ
بیوی سے اس کے اچھے مراسم تھے۔ چچا بھی اس سے پیار کرتے تھے۔ ایک تائی تھیں
جس کو بیین کے طور طریقے پسند نہ تھے۔ ان کے رویے میں آج بھی کوئی فرق نہ آیا
ملی تو خوشی سے تھیں۔ لیکن بیین اس جذبوں سے عاری خوشی کو محسوس کر سکتی تھی۔

بیین کی چھٹی اچھی گزری۔

رات اس نے مصطفیٰ کے ساتھ ویلج میں ڈنر کیا۔ کھانا پینا یا ماحول تو جیسا تھا سو تھا
وہ دونوں تو ایک دوسرے کی قربتوں سے مسحور تھے ___ نشاط کے مہربان لمحوں کا ر
کشید رہے تھے۔ دونوں کے دل چاہتے تھے۔ کہ یہ رسیلا وقت یہیں رک جائے۔ وہ ایک
دوسرے کے ساتھ اسی طرح بیٹھے قربتوں کی مہک سے مسحور ہوتے رہیں اور ایک
دوسرے کے لمس کے روح پرور کیف کو اندر اتارتے رہیں ___ دونوں نے باتیں
کیں۔ ایک دوسرے کو محسوس زیادہ کیا۔

رات مصطفیٰ بیین کو چھوڑنے آئے۔ تو تائی کی کھڑکی حسب معمول کھلی تھی اور
پردے کے پیچھے کوئی سایہ سرکا تھا۔

بیین نے اپنی خوبصورت آنکھوں سے ادھر دیکھا اور پھر مصطفیٰ کو آنکھوں کے
اشارے ہی سے بتایا ___ کہ اس کے اس وقت گھر لوٹنے کی مخبری ہو گئی ہے۔

مصطفیٰ نے اس کا نرم وگداز ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آہستگی سے دبایا اور پھر ہاتھ
چھوڑتے ہوئے بولے "چند دن اور سہی ___ اور سہی۔"

پھر دونوں مسکرا دیئے ___

مصطفیٰ چلے گئے۔ تو بیین اندر آگئی۔ آج وہ بےحد خوش تھی۔ مصطفیٰ کی قربتیں روز
روز مہکتی جارہی تھیں ___ ان سے مل کر لگتا تھا۔ وہ اب دو نہیں۔ ایک ہو چکے ہیں۔

ایک

جن کی خوشیاں

اور

غموں کی سانجھ بھی ایک ہو چکی ہے۔

رات بھر وہ رومان پرور فضاؤں میں رنگین و حسین رو پہلے سنہرے سپنے دیکھتی رہی
ی صبح آنکھ جلدی نہ کھلی ___ جلدی جلدی تیار ہو کر ہوسپٹل بھاگی۔ اس کا دیر سے
پٹل پہنچنا کوئی انہونی بات نہ تھی۔ اسی لئے وہ زیادہ گھبرائی نہ تھی۔ سر قیوم وارڈ کا
ؤنڈ لینے پہنچ چکے تھے۔ اس نے شکر کیا۔ کہ اس کے بیڈز کی طرف وہ ابھی نہ آئے
ے۔

رات اس نے عائشہ کے ہاں جانا تھا۔ ماہ نور بھی مدعو تھی۔ لیکن ڈیوٹی کی وجہ سے نہ
کتی تھی۔ گھر آنے سے پہلے بیین ماہ نور سے بھی ملی۔ عائشہ کے ہاں جانے کے لئے کہا
___ لیکن اس نے معذرت کر دی "پہلے بھی میری غیر حاضریاں لگ چکی ہیں۔ آج تو میں
ی طور نہیں جاسکتی۔"

ماہ نور کا چہرہ اترا ہوا تھا ___ غالباً منیب کی طرف سے اسے مایوسی کے سوا کچھ نہ ملا

"نہیں آنٹی اگر آپ اتنی زیادہ پریشان ہیں۔ تو میں پہلے سبین کو دیکھ لیتی ہوں۔"
سبین نے آنٹی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"بھئی سبین۔ میں نے کہا نا وہ سو رہی ہے۔ اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہئے۔ معمولی سا بخار ہے۔ نائنٹی نائن پوائنٹ کچھ۔"

"صرف" سبین نے آنٹی کی طرف دیکھا۔ "ان کی گھبراہٹ سے تو لگتا تھا بخار زیادہ ہے ___"

"میں نے کہا نا آنٹی سبین کے لئے بہت جلدی پریشان ہو جاتی ہیں۔" عائشہ بولی۔ "چلیں آنٹی اندر چلیں۔ مہمانوں سے گپ شپ لگائیں۔ دھیان سبین سے ہٹا ادھر لگائیں ___"

"ہاں آنٹی ___ معمولی سا بخار ہے۔ گرمی کی وجہ سے ہو گیا ہو گا۔ کل آپ غالباً دوپہر کو شاپنگ کرتی رہی ہوں گی ___"

"ہاں" عائشہ بولی "چار پانچ بجے واپس آئی تھیں ___"

"چلئے کوئی بات نہیں۔ میں اسے کوئی دوائی دے دوں گی۔ انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گی۔ اسے ابھی واقعی سونے دیں ___ اٹھ جائے تو میں دیکھ لوں گی ___ آیئے۔"
سبین نے ملائمت سے آنٹی سے کہا۔ جو سراپا پریشانی کھڑی تھیں۔

"چلیں سارا آنٹی ___ اب تو ڈاکٹر آپ کو تسلی دے رہی ہے" عائشہ نے ان کا ہاتھ پکڑا وہ بہ امر مجبوری ان کے ساتھ ڈرائینگ روم میں آ گئیں۔ جہاں چھ سات مرد اور اتنی ہی عورتیں بیٹھی تھیں۔ گپ شپ چل رہی تھی۔ مشروب کے خالی گلاس ان کے سامنے میزوں پر پڑے تھے۔ کچھ مہمان جو بعد میں آئے تھے۔ ان کے لئے ٹھنڈے میٹھے مشروب کے گلاس نوکر ٹرے میں رکھے لا رہا تھا۔

عائشہ کی امی اور ابو نے سبین کو دیکھا۔ سبین نے مودبانہ سب کو سلام کرنے کے بعد بطور خاص ان دونوں کو سلام کیا۔ جواباً عائشہ کی امی نے اسے گلے سے لگا کر اس کا ماتھا چوما اور اس کے ابو نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ احوال پرسی کی۔ دونوں

اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے ___ عائشہ کسی مہمان سے باتیں کرنے لگی۔

"ہاؤس جاب ختم ہو گئی یا ابھی باقی ہے" عائشہ کی امی نے اس سے پوچھا۔

"جی ابھی کچھ ماہ ہیں" وہ بولی۔

"آؤ بیٹھو ___" انہوں نے کہا۔ پھر سارا کو دیکھا تو اس سے کہا "یہ ڈاکٹر سبین ہیں۔ عائشہ کی بہت پیاری دوست ___"

"میں ان سے مل چکی ہوں آنٹی" سبین مسکرائی۔ "اتفاق دیکھیں ان کی بیٹی کا نام بھی سبین ہے۔"

"تم بھی میری بیٹی ہو" سارا کو اس پر پیار آ گیا ___

"جی بالکل" سبین اس اعزاز پر مسکرائی ___

"سارہ میری کزن ہیں" عائشہ کی امی نے کہا ___ "یہ دبئی میں ہوتی ہیں۔ دو سال بعد آئی ہیں۔ جب بھی آتی ہیں۔ لاہور میرے پاس ضرور آتی ہیں۔ ویسے ان کے سسرال کراچی میں ہیں۔ بہت پیاری بہن ہے میری۔ لیکن ہے بڑی وہمی اور جلد پریشان ہو جانے والی ___"

سبین نے مسکرا کر سارا کو دیکھا اور بولی "آج آنٹی سبین کی وجہ سے پریشان ہیں۔ اسے بخار ہو گیا ہے ___"

"ڈاکٹر سبین ___ اسے کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہتا ہے۔ آپ نے دیکھا نا کتنی دبلی پتلی ہے۔"

سبین مسکرا کر بولی "آپ کا وہم ہے ___ آنٹی وہ دبلی پتلی ہے تو۔ لیکن میرا خیال ہے کمزور نہیں ___ کل پوری دوپہر آپ نے بازار میں گھومتے پھرتے گزاری۔ بس گرمی ہی سے اسے بخار ہو گیا ___ آپ گھبرائیں نہیں۔ ٹھیک ہو جائے گی ___ اتنا بخار تو خود بخود اتر جائے گا ___"

"کہیں بڑھ نہ جائے۔"

"نہیں بڑھے گا۔ میں ابھی جا کر اسے دیکھ لوں گی ___ دوائی لکھ دوں گی۔"

"دوائیاں تو میرے پاس پڑی ہیں ___ میں ہمیشہ باہر سے اس کے لئے ہر قسم کی دوائیاں لے کر آتی ہوں ___"

"یہ تو اور اچھی بات ہے۔ اصلی دوائیاں ہوں گی۔ جلد اثر کریں گی۔ بس آپ متفکر نہ ہوں۔"

عائشہ کی امی ہنس کر بولی "متفکر ہونا۔ وہم کرنا پریشانی اپنے اوپر مسلط کرلینا۔ اس کی پرانی عادت ہے ___"

سارا نے ان کی طرف دیکھ کر صرف گہری سانس لی۔ پھر ایک مہمان عورت جو رشتے میں ان کی بھابی لگتی تھی۔ اس کی طرف آگئی۔ دونوں ایک دوسری کا حال احوال پوچھنے لگیں۔

ثمین بھی کچھ دیر عائشہ کے ساتھ مہمانوں میں بیٹھی۔ عائشہ نے کئی لوگوں سے اس کا تعارف کروایا ___ دو چار سے ثمین پہلے سے متعارف تھی۔ باقی چہرے اس کے لئے نئے اور اجنبی تھے۔

محفل خاصی پر بہار تھی۔ مہمان آپس میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کسی نہ کسی طرف سے بلند بانگ قہقہے ابل پڑتے۔ کس طرف ہنسیوں کی مترنم گونج اٹھتی اور کسی طرف مسکراہٹوں کی پھوار چہرے بھگوئے دیتی۔ سب بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

ہاں

ایک آنٹی سارہ تھیں۔ جن کے چہرے پر پریشانی کے سائے واضح تھے۔ وہ باتوں کے دوران دو بار اٹھ کر ثمین کو دیکھنے جا چکی تھیں۔ ثمین اب بھی سو رہی تھی۔ باقی چہرے اس لئے واپس آجاتی تھیں۔

کھانا لگ گیا۔

رنگا رنگ کھانوں کی خوشبو بڑی لذت انگیز اور اشتہا آمیز تھی۔

سب مہمان کھانے کے کمرے میں آگئے۔ پلیٹوں اور چچوں کی کھنک باتوں کی چہک

میں مدغم ہوگئی ___

سب نے اپنی اپنی پلیٹوں میں کھانا لیا اور میز سے ہٹ گئے۔ کچھ بزرگ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کچھ جوان جوڑے کھڑے ہو کر کھانا کھانے لگے۔ آپوں آپ گروپ بن گئے ___ باتوں اور ہنسیوں کی مہکاروں کے درمیان کھانا کھایا جانے لگا۔ عائشہ اس کا بھائی اور امی ابو بطور خاص لوگوں کی خاطر و مدارات میں مصروف تھے۔ ہر ایک کو پوچھ رہے تھے۔ ڈشیں اٹھا اٹھا کر ان کو کھانا پیش کر رہے تھے۔

ثمین بھی اپنی پلیٹ میں کھانا لیکر ایک طرف کھڑی ہوگئی۔ عائشہ اس کے پاس ڈش لے کر آئی "بڑی مزیدار مچھلی ہے لونا ___"

ثمین نے ایک پیس اٹھا کر پلیٹ میں رکھ لیا۔ پھر لوگوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولی "تمہاری آنٹی سارہ شاید پھر ثمین کو دیکھنے گئی ہیں ___"

عائشہ مسکرائی "یہ معمول کی بات ہے۔ جب تک ثمین کی طرف سے انہیں تسلی نہ ہوگی وہ ایک لقمہ حلق سے نہ اتاریں گی۔"

"ہائے اللہ" ثمین بولی "بہت پیار کرتی ہیں بیٹی سے۔"

"ہاں ___"

"ایک اکیلی ہوگی۔"

بیٹی اکیلی ہی ہے۔ لیکن ان کے وہم کی ایک وجہ بھی ہے۔"

"کیا؟"

"کسی وقت بتاؤں گی ___ اس وقت تو تم آرام سے کھانا کھاؤ۔ میں بھی مہمانوں کو دیکھوں۔"

عائشہ ڈش لیکر دوسرے مہمانوں کی طرف مڑ گئی ___

عائشہ کے امی ابو اور بھائی نے بھی باری باری آکر ثمین کو اور کھانا لینے کا کہا۔ عائشہ کا بھائی ذوہیب تو کچھ دیر ثمین کے ساتھ گپ شپ بھی لگاتا رہا۔

لوگ ابھی کھانے پینے میں مشغول ہی تھے۔ کہ ثمین نے اپنی پلیٹ رکھدی۔ اتنے

میں سارہ کو بھی عائشہ لے کر آگئی۔

"آنٹی کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا ___ آپ کچھ کھا تو لیں ___" عائشہ بولی۔

"ببین ابھی تک سو رہی ہے ___" وہ پریشانی سے بولی

"تو کیا ہوا ___ اسے آرام کرنا چاہئے" عائشہ بولی۔

"میں اس کے پاس بیٹھتی ہوں۔ کھانا وہیں لے جاتی ہوں" سارہ بولی۔

"اوں ہوں" عائشہ نے انہیں پلیٹ نپکن اور کانٹا پکڑاتے ہوئے کہا "مجھے پتہ ہے آپ وہاں کچھ نہیں کھائیں گی۔"

اس دوران ببین بھی ادھر آگئی ___ سارا سے پوچھا "آنٹی ببین اٹھ گئی یا سو رہی ہے۔ میں نے دیکھا ہے آپ کئی دفعہ ادھر جا چکی ہیں ___"

سارا بیچارگی سے بولی "پتہ نہیں اٹھ کیوں نہیں رہی۔ کہیں بیہوش ___"

"نہیں آنٹی ___ اتنے سے بخار سے بیہوشی نہیں ہوتی ___ میں کھانا کھا چکی ہوں۔ اس کے پاس جا کر بیٹھتی ہوں۔ مجھ پر اعتماد کریں۔ میں ڈاکٹر ہوں ___ اسے دیکھ لیتی ہوں۔"

عائشہ نے زبردستی ان کی پلیٹ میں کھانا ڈالا اور ببین سے بولی "جاؤ تم اس کے پاس بیٹھو۔ تمہارے لئے سویٹ ڈش میں وہیں لے آؤں گی ___"

"میں جاتی ہوں۔ سویٹ ڈش کی ضرورت نہیں" ببین نپکن میز پر رکھتے ہوئے بولی پھر سارا سے کہا "آنٹی آپ آرام سے کھانا کھائیں ___"

ببین اس کمرے میں آگئی جس میں سارا کی بیٹی بیڈ میں پڑی سو رہی تھی۔ کمرے میں کنڈیشنر کی وجہ سے ہلکی سی خنکی تھی۔

ببین اس پر جھک گئی ___ اس کا سانس ہموار تھا۔ ماتھے پر ہلکی سی نمی تھی۔ غالباً جو معمولی سا ٹمپریچر تھا۔ وہ اتر گیا تھا ___ آہستگی سے ببین نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھا ___ وہ بھی ٹھیک ہی تھی۔

ببین کو اطمینان ہوا۔ وہ بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ کر اس کے اٹھنے کا انتظار

کرنے لگی ___ سارا کی پریشانی اسے بلاوجہ لگ رہی تھی۔ لیکن

عائشہ نے جو کہا تھا۔ "ان کے وہم کی ایک وجہ بھی ہے" تو اس بات سے اسے سارا اور ببین میں خاصی دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ اس کا دل وہم کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔ اس کا ان لوگوں سے کوئی تعلق واسطہ تو نہیں تھا۔ محض تجسس تھا اور وہ معلوم کرنا چاہتی تھی۔ کہ آخر انہیں کیا وہم ہے جو بیٹی کی معمولی سی تکلیف سے بھی وہ اتنی پریشان ہو جاتی ہیں۔

تھوڑی دیر بعد ببین نے ایک ہلکی سی ہائے کے ساتھ کروٹ بدلی۔ آنکھیں کھولیں اور پھر بار بار انہیں جھپکا۔ ابھی نیند کی غنودگی تھی۔ اس لئے اپنے اوپر جھکی ببین کو پہچان نہ پائی۔

"کیسی ہو ببین" ببین نے اس کے ماتھے سے بال ہٹاتے ہوئے ملائمت سے پوچھا۔

"آپ؟" ببین نے بار بار پلکیں جھپکیں۔

"مجھے بھول گئیں ___ میں بھی ببین ہوں۔ کل ہم سپر سٹور میں ملے تھے نا۔"

"اوہ۔ ہاں" اس نے اب پوری بیداری میں اسے دیکھا اور بیڈ میں اٹھ کر بیٹھ گئی ___ "آپ یہاں؟"

"میں عائشہ کی دوست ہوں" ببین نے اس کی حیرانگی رفع کرتے ہوئے کہا "اس نے آج مجھے کھانے پر بلایا تھا۔"

"اچھا" اس نے ببین کو بیٹھنے کے لئے کہا۔

ببین ہنس کر بولی "تم خواہ مخواہ بیمار پڑ گئیں۔ کھانے پر بہت سے لوگ آئے ہوئے ہیں۔ بڑی پر بہار محفل تم نے بیڈ میں پڑ کر مس کی ___"

"مجھے بڑی تکان ہوگئی تھی ___"

"کل بازاروں میں گھومتی پھری ہیں نا۔"

"شاید اسی وجہ سے ___"

"یہی وجہ ہے۔ معمولی سا ٹمپریچر بھی ہوگیا تھا۔ اب تم بالکل ٹھیک ہو" ببین نے جو

اس کی کلائی نبض دیکھنے کے لئے پکڑ رکھی تھی چھوڑتے ہوئے کہا۔ "اب معمولی سا
بھی نہیں ہے ___ چاہو تو تھرمامیٹر لگا کر دیکھ لو ___"

"وہ تو دیکھنا ہی پڑے گا ___" وہ مسکرائی "ورنہ امی کو یقین نہیں آئے گا ___

"بھئی تمہاری امی تمہارے لئے جتنی پریشان تھیں۔ میں تو ڈر ہی گئی۔ کہ پتہ نہ
تمہیں کیا ہو گیا ہے ___"

"یہ کوئی نئی بات نہیں سبین آپا ___" سبین نے کہا پھر جلدی سے بولی "میں آپ
ڈاکٹر سبین کہوں یا سبین آپا ___"

سبین مسکرائی "سبین آپا کہو۔ غالباً تم عائشہ کو بھی آپا ہی کہتی ہوگی۔"

"ہاں ___" اس نے کہا۔

سبین نے میز پر رکھا تھرمامیٹر اٹھایا۔ اسے جھٹکا ___ دھویا اور سبین کے منہ میں
دیا "امی کے آنے سے پہلے تمہارا بخار چیک کر ہی لوں ___"

سبین نے اس کی نبض پر بھی انگلیاں رکھ دیں۔

بخار نارمل سے بھی کم تھا اور نبض بھی بالکل ٹھیک تھی ___ سبین نے تھرمامیٹر
واپس رکھتے ہوئے کہا۔ "اب تم بالکل ٹھیک ہو۔ چاہو۔ تو ادھر چلو۔ سب میں جاکر بیٹھو
باتیں کرو۔ کھانا کھاؤ۔"

"نہیں سبین آپا ___" سبین بولی "میں ابھی یہیں ٹھیک ہوں۔ میرے پوری
ٹھیک ہونے کی جب تک امی کو تسلی نہ ہو جائے گی۔ میں یہاں ہی رہوں گی ___"

سبین نے کچھ حیرانگی سے اسے دیکھا۔ ماں بیٹی دونوں ہی عجیب لگیں اسے۔ چند
چپ رہنے کے بعد سبین بولی "تمہاری امی کے متعلق تو عائشہ اور آنٹی نے بتایا ہے۔
تمہارے معاملے میں وہ بیحد حساس ہیں۔ جلد پریشان ہو جاتی ہیں۔ وہمی بھی ___"

سبین نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "ہاں سبین آپا یہ سب باتیں ٹھیک ہیں۔
ذرا کچھ ہو تو امی سمجھنے لگتی ہے۔ میں مر جاؤں گی ___"

"ہائے اللہ نہ کرے۔ ایسی باتیں وہ کیوں سوچتی ہیں ___"

"بس میرا خیال ہے جب سے میں پیدا ہوئی ہوں ___ انہیں یہ وہم ہے۔"

سبین چپ ہو گئی۔

تو

وہ بولی "اس کی ایک وجہ بھی ہے سبین آپا ___"

"وجہ؟"

"ہاں۔"

"کیا وجہ ہے اس کا کچھ مداوا ہونا چاہئے۔"

سبین کچھ کہنے کو تھی۔ کہ عائشہ اور آنٹی سارا اندر آگئیں۔ سارا تو لپک کر سبین کی
طرف بڑھیں "کیسی ہو بیٹی ___"

"بالکل ٹھیک ہیں آنٹی" سبین بولی "بخار اتر گیا ہے نبض معمول کی ہے۔ سانس
بالکل ہموار ہے ___"

"سچ" سارا نے سبین کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور پھر اس کی پیشانی چوم لی۔ "شکر ہے
خدایا تیرا ___"

"اسے کچھ نہیں آنٹی ___ آپ اتنا پریشان نہ ہوا کریں ___" سبین ایک ڈاکٹر کی
حیثیت سے سارا کو تسلیاں دینے لگی۔

سبین کو سارا کے وہم کے متعلق جاننے کا تجسس پیدا ہوا تھا۔ اب تو یہ تجسس کرید
بن گیا ___ کچھ جاننے کی خواہش شدت اختیار کر لے۔ تو انتظار کا یارا نہیں رہتا۔ سبین
نے بھی کچھ ایسا ہی محسوس کیا۔

اسی لئے۔

جب سب مہمانوں کے جانے کے بعد عائشہ کے ساتھ وہ برتن اکٹھے کر رہی تھی۔

اس نے عائشہ سے پوچھ ہی لیا۔

عائشہ مسکراتے ہوئے بولی "قابل رحم ہیں بیچاری سارا آنٹی۔ لیکن ضمیر کی مجرم ہیں
سزا بھگت رہی ہیں ___"

اب سبین کے تجسس میں دلچسپی پیدا ہوگئی۔ پلیٹیں اوپر تلے رکھ کر عائشہ کے پاس آ
بولی "اچھی خاصی دلچسپ کہانی ہے۔ سناؤ نا مجھے ___"

"یہ کام سمیٹ لیں ___" اس نے پورے کمرے میں بکھرے برتنوں کی طرف
دیکھا۔

"ہاتھوں سے کام کرو منہ سے بولتی جاؤ" سبین نے چھریاں کانٹے اکٹھے کرتے ہو۔
کہا تو عائشہ سارا آنٹی کی کہانی سنانے لگی ___

"سارا آنٹی کی شادی کراچی میں ایک متوسط خاندان میں ہوئی تھی۔ انکل صفدر واپڈ
میں تھے۔ معمولی تنخواہ تھی۔ اس لئے باہر جانے کی مسلسل کوششیں کرتے تھے۔ آنٹ
سارا کی شادی کو چھ سال ہوگئے۔ لیکن بچہ نہیں ہوا۔ جس کی وجہ سے بہت پریشان رہتی
تھیں۔ اولاد کی خواہش تڑپ بن گئی۔ تو انہوں نے بچہ گود لینے کا سوچا۔ اتفاق ہی سے
انہیں ایک نوزائیدہ بچی مل گئی ___"

"اچھا تو یہ سبین ان کی لے پالک ہے" سبین جلدی سے بولی۔

"ارے نہیں" عائشہ نے گلاس ٹرے میں رکھتے ہوئے کہا۔

"تو۔"

"یہ ان کی اپنی بیٹی ہے۔"

"اچھا ان کی اپنی اولاد بھی ہوگئی۔"

"تم سنو تو سہی" عائشہ نے کہا سبین نیپکن اکٹھے کرتے ہوئے ہمہ تن گوش ہوگئی۔

"ہاں تو انہیں نوزائیدہ بچی مل گئی۔ کہتے ہیں بہت خوبصورت بچی تھی۔ اس کا نام
انہوں نے سبین رکھا ___"

"پھر۔"

"پھر سبین چار پانچ ماہ ہی کی تھی۔ کہ آنٹی سارا پریگننٹ ہوگئیں۔"

"اچھا؟"

"ہاں ___"

"پھر تو یہ بچی ان کے لئے واقعی خوش بختی کی دلیل ہوئی۔"

"بات تو یہی تھی۔ لیکن یہی آنٹی سے بھول ہوگئی۔ اس کا پچھتاوہ اب ضمیر کی خلش
بن گئی ہوئی ہے نا ___"

"کیا بھول ہوئی۔"

"سارا آنٹی کی اپنی گود ہری ہونے والی ہوئی۔ تو ان کی دلچسپی بچی میں کم ہوگئی۔ پھر
انہوں نے سوچا دو بچے کیسے اکٹھے پالیں گی۔ اس لئے انہوں نے وہ بچی کسی کو دے
دی۔"

"کیا؟" سبین کے منہ سے بیساختہ نکلا ___ "کس کو دے دی ___"

"بس پتہ نہیں کس کو ___ انکل صفدر نے کسی کو دے دی ___" عائشہ نے
گلاس لے جانے کے لئے نوکرانی کو بلایا۔ پھر سبین کی طرف دیکھ کر بولی "وہ بچی تو جس
نے لی پال ہی لی ہوگی ٹریجڈی آنٹی کے ساتھ ہوئی۔ ان کے لڑکا پیدا ہوا۔ لیکن چھ ماہ کا
ہوکر مر گیا بس آنٹی تو نیم پاگل ہوگئیں ___ انہیں وہم بیٹھ گیا کہ یہ سب کچھ اسی لئے
ہوا۔ کہ انہوں نے ننھی سی جان پر ظلم کیا۔ چھ ماہ کی بچی جو ان کے ہاتھوں کا مس پہچاننے
لگی تھی۔ جو ان کے سینے کی گرمی اپنے اندر اتارتی تھی۔ انہوں نے بیدردی سے اپنے
سے جدا کر دی۔"

"پھر۔"

"پھر دو تین سال گزر گئے۔ تب بڑی منتوں مرادوں اور علاجوں کے بعد یہ سبین پیدا
ہوگئی ___ انہوں نے دل کی تسلی کے لئے ان کا نام سبین ہی رکھا۔ لیکن ان کا دل
مطمئن نہ ہوا ___ پہلی سبین کے ساتھ کیا ہوا ظلم انہیں بھولا نہیں۔ یہ سبین اکثر بیمار
رہتی ہے آنٹی کو دھڑکا لگا رہتا ہے۔ کہ کسی دن یہ بھی چل بسے گی ___ وہ سمجھتی ہیں۔
انہیں اپنے ظلم اور زیادتی کا بدلہ ملے گا ___ بس یہ ہے ان کا وہم ___"

سبین جو یہ کہانی سن کر کچھ افسردہ ہوگئی تھی بولی ___ "ویسے انہوں نے کی بہت
زیادتی ہے ___"

"بالکل" عائشہ نے نوکرانی کو گلاسوں کی ٹرے دیتے ہوئے کہا۔ "بس یہی وہم پچھتاوہ ہے انہیں ____"

"ہوں" سبین نے سارے استعمال شدہ نیپکن اکٹھے کرکے نوکرانی کو پکڑا دیئے۔

جب تک سارے برتن سمیٹ نہ لئے گئے۔

دونوں

یہی باتیں کرتی رہیں۔

○ ○ ○

ماہ نور اور منیب کئی دنوں کے بعد ملے تھے۔ ماہ نور کو ڈیوٹی ختم ہوتے ہی منیب نے بلا بھیجا تھا۔ وہ وارڈ سے سیدھی ادھر آگئی تھی۔ جدھر منیب گاڑی میں بیٹھا تھا ___

ماہ نور اب تو منیب کی امی کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکی تھی۔ منیب سے ملنا بھی لا حاصل لگتا تھا۔ وہ سوچتی بھی تھی۔ کہ کیوں اندھا دھند اس سمت دوڑی جارہی ہے۔ جو کہیں ختم ہی نہیں ہوتی ___ سبین نے بھی اسے رائے دی تھی۔ کہ منیب سے لاتعلق ہو جائے۔

لیکن

یہ کوئی ایسا سہل کام تو نہیں تھا۔ جو وہ کر گزرتی۔ وہ کوئی ٹین ایجر لڑکی نہ تھی جس نے جذباتیت میں آکر ایک مرد کو پسند کرلیا تھا۔ جسے جنس مخالف کی کشش نے بیساختہ کھینچ لیا تھا۔ وہ تو صحیح میچور لڑکی تھی۔ سب کچھ جانتی تھی۔ سمجھتی تھی۔ اس نے پیار دلداریاں اور ناز برداریاں اٹھوانے کے لئے نہیں کیا تھا۔ منیب کے ساتھ تو عمر بھر کا ساتھ نبھانے کے لئے اس نے پیار کی خاردار وادی میں قدم رکھا تھا۔ وہ سیدھی سادہ سی لڑکی تھی۔ اس کے قدم اٹھ گئے تو اٹھ گئے تھے۔ وہ سچائی میں یقین رکھتی تھی۔ منیب پر اسے پورا اعتماد تھا۔ کہ وہ اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ اسی لئے وہ سبین کی رائے پر عمل پیرا نہ ہو سکی تھی۔ تعلق ہوتے ہوئے تعلق توڑنے کا اظہار وہ نہیں کر سکتی تھی۔ نہ ہی ایسا کرکے وہ منیب کو کسی کرب و اذیت میں مبتلا کر سکتی تھی۔ وہ سوچتی منیب کا قصور بھی کیا ہے۔ جو وہ اسے اتنی سخت سزا دے ___

اسی لئے

وہ منیب کی ماں کے سخت اور کسی حد تک ظالم رویے کے باوجود منیب سے ملتی رہی

تھی منیب اسے تسلیاں دیتا تھا۔ حوصلے سے وقت گزارنے کی تلقین کرتا تھا۔ یقین د
تھا۔ کہ وہ اس کا اور صرف اس کا ہے۔ بھلے شادی نہ ہو۔ ماں ضد پر اڑی رہے۔
لیکن

وہ
اسی کا رہے گا۔ وہ اپنی زندگی تمام تر ناہمواریوں کے باوجود اسی کے نام کر چکا تھ
منیب نے آج بھی جب وارڈ بوائے سے کہہ کر اسے بلا بھیجا تو وہ ہوسٹل جانے کی بجا
اس کے پاس آ گئی ___

تفکرات کی دھند اس کے چہرے پر چھائی تھی۔ وہ اداس تھی۔ افسردہ تھی۔ منیب
دیکھ کر بھی وہ مسکرائی نہیں۔ سلام کا تبادلہ بھی سنجیدگی سے ہوا۔

منیب گاڑی سے باہر نکل آیا۔ اس کے چہرے پر آج کچھ کھلتی ہوئی رونق تھ
آنکھوں میں چمک بھی تھی۔

"آیئے جناب" منیب نے گاڑی کا دوسری طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

ماہ نور گھوم کر دوسری طرف آئی اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

منیب بھی اپنی سیٹ پر آن بیٹھا۔

"اتنے دن کہاں تھیں ماہ نور" اس نے سٹیرنگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ سوال تو مجھے پوچھنا چاہئے" ماہ نور نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"کام بہت زیادہ تھا۔"

"فون کرنے کی بھی فرصت نہ تھی ___"

"تم ہی کر لیتیں ___"

"آپ کا کوئی ایک ٹھکانہ ہو تو فون کرتی۔"

"وارڈوں ہی میں گھومتا پھرتا رہتا ہوں ___ ہاں چند دن پڑھنے میں مصروف رہا۔
ایک کورس آ گیا تھا ___"

"چلو ___ ٹھیک ہے۔"

"تم ___ ناراض ___"

ماہ نور نے ایک گہری سانس لی اور بولی "ناراضگی کی سٹیج سے آگے نکل چکی ہوں۔
ں سے فائدہ ہے نہ نقصان۔"

منیب نے اس کی بات پر ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اس نے بے موقع قہقہے پر گردن گھما کر
ب کو دیکھا۔

منیب نے گاڑی سٹارٹ کی اور پارکنگ لاٹ سے گاڑی نکال لے گیا۔ اب وہ ہوسپٹل
ے باہر نکلنے والی سڑک پر مڑ رہا تھا۔

"کہاں جا رہے ہیں۔" ماہ نور نے پوچھا۔

"کہیں بھی" وہ بولا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آج شام بلکہ رات تک تمہارے ساتھ گھومنے پھرنے کی نیت
ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں بھی بہت دنوں سے بور ہو رہی تھی ___"

"ایمرجنسی میں ڈیوٹی تھی؟"

"ہاں۔"

"چلو خیر ___ آج تو فری ہو۔"

"ہوں تو ___"

"وقت کی کوئی پابندی اور قید نہیں نا۔"

وہ چپ رہی۔

"ماہ نور ___" وہ گاڑی نیلا گنبد والی سڑک سے نکالتے ہوئے مال پر آتے ہوئے

! ___

"جی۔"

"پہلے کھانا نہ کھا لیں اڑھائی بج رہے ہیں" اس نے گھڑی دیکھی۔

"مجھے کوئی خاص بھوک نہیں" وہ ہولے سے بولی۔

"کیوں۔ کیا غم کھا کھا کے پیٹ بھر لیا ہے" وہ شوخ سے لہجے میں بولا۔

"منیب۔"

"ہوں۔"

"پلیز ایسے مذاق نہ کیا کریں۔"

"کیوں۔"

"کیونکہ یہ مذاق دکھ دیتے ہیں ___"

"میرے وعدوں کے باوجود ___ کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ___"

"اعتماد نہ ہوتا تو آپ کے ساتھ یوں چلی نہ آتی ___ نتیجہ کچھ بھی ہو ___ اپنے آپ کو اس اعتماد کے حوالے کر چکی ہوں۔"

"ماہ نور ___" اس نے گردن موڑ کر اپنا گال ماہ نور کے گال کے قریب کرتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"جی" وہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے بولی۔

"ایک خوشخبری سناؤں۔"

"خوش خبری؟"

"ہاں۔"

"وہ کیا؟"

"سناؤں ___ خوش ہو جاؤ گی اور یہ جو چہرے پر بارہ بج رہے ہیں نا ___ ان پر خوشگوار تاثر دینے لگیں گے۔"

ماہ نور نے جلدی سے رخ اس کی طرف کیا۔ یقیناً کوئی خوش کن بات ہی تھی۔ بڑے دنوں بعد منیب اسے خوش نظر آ رہے تھے۔ وہ اپنی بے تابی چھپا نہ سکی۔ جلدی سے بولی۔

"سنایئے نا۔ کیا خوشخبری لائے ہیں آپ۔"

منیب اس کے شوق کو مزید ہوا دینے کے لئے بولا "کہیں چل کر بیٹھتے ہیں۔ پھر آرام سے سناؤں گا۔"

وہ جلدی سے بولی "ابھی سنانے میں کیا حرج ہے۔"

"حرج تو کوئی نہیں" وہ گاڑی آواری کی طرف لیجاتے ہوئے بولا ___

"تو پھر" وہ قدرے جھلائی۔

منیب مسکرایا ___ اس کی طرف قدرے جھکا اور مسکرا کر بولا "تمہیں یہ سن کر یقیناً خوشی ہوگی کہ وجیہ نے میرے ساتھ رشتے کے بندھن سے انکار کر دیا ہے۔"

"کیا؟" وہ بے صبری سے بولی۔

منیب نے ایک لمحہ کو آنکھیں بند کر کے کھولیں اور سر اثباتی انداز میں ہلاتے ہوئے اسے مخمور نظروں سے دیکھا۔

پھر بولا۔

"مزید خوشخبری ___ کہ اس کی منگنی اس کے خالہ زاد سے ہو رہی ہے۔ نبیل ہے۔ شاید میں نے نبیل کے متعلق تمہیں پہلے بھی بتایا تھا۔ بہت اچھا؟ آدمی ہے بہت بڑی بزنس ہے۔"

ماہ نور چپ رہی۔

اس کے کان تو شاید یہ خوش خبری سننے کے متمنی تھے۔ کہ منیب کی امی مان گئی ہیں اور اب منیب اور اس کے رشتے میں کوئی روکاوٹ نہیں ___

منیب نے پھر گردن گھما کر اس دیکھا ___ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے حیران سا ہو کر بولا "تمہیں خوشی نہیں ہوئی ___"

وہ اب بھی خاموش رہی۔

منیب نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا "ماہ نور تم نے اتنی بڑی بات سنی اور خوشی کا اظہار ہی نہیں کیا ___ اب ___"

اس کی بات ایک دم ہی کاٹتے ہوئے ماہ نور بولی "اب آپ کی امی کوئی اور وجیہ

ڈھونڈلیں گی۔"

"نہیں ۔۔۔" منیب نے فرط جذبات سے اس کا ہاتھ زور سے دباتے ہوئے کہا

"اب کوئی اور وجہ ہو گی۔ تو وہ ماہ نور ہی ہو گی ۔۔۔ تم ماہ نور تم "

ماہ نور نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے اسے دیکھا۔

"یقین مانو ۔۔۔ اب ہمارے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ تم جانتی ہو۔ ابو اور نوشی پہلے سے میرے حق میں ہیں ۔۔۔ امی وجیہہ پر بڑی فریفتہ تھیں۔ وہ ہاتھ سے نکل گئی وہ ابھی شکست کے اس شاک سے نہیں نکلیں ۔۔۔ جب وہ سنبھلیں گی تو ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا۔ کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے کا بنا دیں ۔۔۔"

ماہ نور نے سر اٹھا کر بے یقینی سے اسے دیکھا تو منیب کو اس بیچاری سی لڑکی پر بے طرح پیار آگیا ۔۔۔ لیکن گاڑی میں بیٹھے ہوئے وہ اپنے اچھے جذبات کا اظہار نہ کر سکا اس کا ہاتھ میں لیا ہوا ہاتھ ہی بار بار دبائے گیا۔ جسے ماہ نور نے بھی اس کے ہاتھ سے نکالنے کی کوشش نہ کی۔

ہاں

وہ

اب اثبات و نفی کے درمیان معلق تھی۔ یہ کیفیت کسی طور پر خوشگوار نہیں ہوتی۔ اس میں اثبات کی خوشیوں کے کوئی لمحے ہوتے بھی ہیں۔ تو انہیں نفی ڈس لیتی ہے۔

منیب اسے اس کیفیت سے نکالنے کے لئے باتیں کرتا رہا۔

"امی اب کافی نرم پڑ گئی ہیں "

"تاہم میں اب امی سے بگڑنے کی زیادہ ہی اداکاری کر رہا ہوں۔"

"امی نوشی سے تمہارے متعلق پوچھتی رہتی ہیں۔ نوشی کا ووٹ تمہارے حق میں ہے اس لئے جان ، تمہارے بارے میں امی کو وہ کیا کہتی ہو گی۔ "

"آج کل ابو مجھ سے بہت خوش نظر آتے ہیں۔ کل تو ہنس کر مجھ سے ہاتھ ملایا اور کہا "تم نے میدان مار ہی لیا "

"امی نے اس سلسلے میں ابھی مجھ سے تو کوئی بات نہیں کی۔ لیکن ان کا رویہ اب مخالفانہ ہوتا ہے ۔۔"

"میں بھی اب چپ ہوں ۔۔۔ جب تک وہ خود یہ بات نہیں چھیڑیں گی۔ میں کچھ ں گا نہیں۔ ماہ نور ۔۔۔ چند دن صبر آزما ہیں "

"ی کے پاس اور کوئی چارہ ہی نہیں ۔۔۔ اب تو انہیں میری بات ماننا ہی ہے۔"

"گھر میں بس بدمزگی نے جنم لیا ہوا ہے۔ اسے زیادہ وقت پر چھپایا نہیں جا سکتا۔"

"ماہ نور ۔۔۔ پلیز اب تو خوش ہو جاؤ "

باتیں کرتے ہوئے وہ گاڑی آواری کی بجائے پی سی کی طرف لے آیا۔ کار پارک تے ہوئے اس نے ماہ نور سے کہا "یہاں کا کھانا مجھے خاص پسند تو نہیں۔ لیکن۔"

ماہ نور سیٹ پر بیٹھے بیٹھے بولی "تو پھر یہاں کیوں آئے ہیں ۔۔۔"

"یہاں فضا اچھی ہوتی ہے" وہ بولا "پھر ماہ نور سے اترنے کا کہہ کر گاڑی بند کی اور بھی اتر آیا

دونوں ساتھ ساتھ چلتے اندر پہنچ آئے۔

ہوٹل میں معمول کی سی چہل پہل تھی۔ لوگ آجا رہے تھے۔ یہاں اکثر دفتری ٹنگز بھی ہوتی تھیں۔ بیاہ شادیوں کی تقریبات بھی ۔۔۔ دوستوں عزیزوں کی دعوتیں نے ن بھی اور وقت گزاری کے لئے ہوٹل کی دلکش فضا میں بیٹھ کر چائے کافی اور ویات پینے والوں کی بھی خاصی تعداد ہوتی۔ کھانا کھانے کے لئے زیادہ تر لوگ رات کو تے۔ لیکن لنچ کے لئے بھی آنے والوں کی کمی نہ ہوتی

ماہ نور اور منیب نے بھی یہاں کھانا کھایا ۔۔۔ کھانے کے دوران بھی وہی باتیں ہوتی ں ۔۔۔ اس لئے زیادہ وقت گاڑی کے اندر ہی گزارا۔ اے سی سے گرمی کا کچھ تہ مداوا ہو ہی رہا تھا

رات کے کھانے کے لئے منیب نے چائنیز ریسٹورانٹ میں ماہ نور کو لے جانا چاہا۔"

لیکن۔

اسے قطعاً بھوک نہ تھی۔ وہ رات کا کھانا اکثر نہیں کھاتی تھی۔ جسم مائل بہ فر
تھا۔ اس لئے اس نے احتیاطاً رات کا کھانا چھوڑ رکھا تھا۔ دودھ کا کپ لے لیتی یا ایک
بسکٹ کھالیا کرتی تھی۔

بھوک منیب کو بھی خاص نہیں تھی۔ اس لئے اس نے صرف برگر پر ہی اکتفا کیا
سٹیڈیم آئے ہوئے تھے ۔ ماہ نور نے پاٹ پوری سے دو چار چیزیں خریدنا تھیں۔
دکان کے اندر چلی گئی۔ تو منیب جاکر برگر لے آیا۔ ساتھ کوک بھی۔

واپسی پر یہ برگر دونوں نے مل کر کھایا۔ ماہ نور انکار کرتی رہی۔ لیکن منیب ایک آ
بائٹ لے کر برگر اس کے منہ کے قریب کر دیتا۔ چنانچہ اسے بھی بائٹ لینا پڑتی۔ اب
نور بھی قدرے خوش تھی۔ اپنائیت کے اپنے ہی رنگ بکھر رہے تھے۔ دونوں ا
دوسرے کا جھوٹا کھا رہے تھے۔ کوک دو بوتلیں وہ لایا تھا۔ لیکن پہلے ایک کھولی اور با
باری پی۔ پھر دوسری ___ ایسا کرتے ہوئے وہ بے طرح خوش ہو رہے تھے۔ بچوں
طرح۔

انسان اندر سے تو بچہ ہی ہوتا ہے۔ کبھی کبھی دانستہ بچوں ایسی حرکتوں سے جو ا
خوشی ہوتی ہے۔ وہ اسی وجہ ہی سے تو ہوتی ہے۔ ورنہ دو میچور ڈاکٹروں کا اس طرح
حرکات سے خوش ہونے کا کیا جواز تھا ___

کوئی گیارہ بجے کے قریب دونوں واپس لوٹے۔ راستہ بھر باتیں کرتے رہے۔ با
کے دوران سبین اور مصطفیٰ کا بھی تذکرہ ہوا ___

"مصطفیٰ سے دو تین دن سے پہلے ملاقات ہی نہیں ہوتی" منیب نے گاڑی چلا
ہوئے کہا۔

"میں نے کافی دنوں سے انہیں نہیں دیکھا۔"

"سبین سے تو ملتی رہتی ہو۔ حال احوال کیسے ہیں ___"

"سبین آج کل کچھ اپ سیٹ رہتی ہے۔"

"کیوں" منیب نے جلدی سے گردن موڑ کر اسے دیکھا "مصطفیٰ تو بہت خوش ـ

اس کی امی سبین سے ملنے آرہی ہیں ___ "

"اسی بات کی تو سبین کو پریشانی ہے۔"

"کیوں ___ تمہاری طرح اس کی سوچیں بھی منفی رخ کو جارہی ہیں ___"

"نہیں اس کا معاملہ اور ہے۔"

"کیسے؟"

"مصطفیٰ کی امی اسے پسند کرنے نہیں ملنے آرہی ہیں۔ اس سے یہ بات تو واضح ہو
جاتی ہے۔ کہ وہ مصطفیٰ کی پسند کا احترام کرتی ہیں اور کریں گی بھی ___ ویسے بھی سبین
جیسی لڑکی کو ناپسند کرنے کا تو کوئی جواز ہی نہیں۔ اس کے پاس ہر وہ چیز ہے جو کسی ماں کو
بہو ڈھونڈنے میں دیکھنا پڑتی ہے ___"

"تو پھر وہ پریشان کیوں ہے ___ ظاہر ہے رشتہ بلا تردد طے ہو جائے گا ___"

"ہے نا پریشانی ___"

"بھئی کیوں۔"

"گھر والوں کی طرف سے ___ اب مصطفیٰ کی امی آئیں گی تو رشتہ تو طے
نہیں کرے گی۔ وہ اس کے گھر والوں سے ملیں گی۔ دست سوال پھیلائیں گی ___"

"بے شک ___"

"آپ کو پتہ تو ہے سبین کے ماں باپ تو ہیں نہیں۔ دادا بھی فوت ہو چکے ہیں۔
باقی خاندان والے اسے جیسا سمجھتے ہیں ___ وہ ___"

"ہوں ___ یہ بات تو ہے ___ وہ بتاتی ہے نا ___ تائی وغیرہ اس کے متعلق
اچھی رائے نہیں رکھتی ___"

"اچھی رائے؟" ماہ نور سبین کی ہمدردی میں بولی "وہ تو ایسی ایسی باتیں اس کے
بارے میں کہتی ہیں۔ کہ خود ان کے بچے ان سے نالاں ہیں ___ انہیں منع کرتے رہتے
ہیں۔ لیکن وہ پیٹھ پیچھے برائیاں کرنے سے نہیں چوکتیں۔ اس کی پھپھو کا رویہ اب کچھ
بہتر ہوا ہے۔ ورنہ وہ بھی ___ توبہ ___ بیچاری سبین ایسے خاندان میں پتہ نہیں کیسے جی

رہی ہے ___ "

"ہوں ___ مشکل تو ہے۔ لیکن سبین نے بھی تو جینے کے اپنے ڈھنگ سے وضع کر رکھے ہیں۔"

"تو کیا کرے۔"

"ٹھیک ہے واقعی وہ کیا کرے۔ ویسے اس کے کزنز تو اس کے خاصے خیر خواہ ہیں۔"

"سب سے زیادہ مخالفت تائی کرتی ہیں ___ اعتراضات بھی وہی کرتی ہیں ___ لیکن بقول سبین منہ پر کچھ نہیں کہتیں ___ جیسے اپنے بچوں کی نگرانی اور رکھوالی کرتی ہیں ___ اس کی کبھی نہیں کرتیں ___ "

"اس کی ماں ہے نہ باپ ___ تائی کو اس سے پیار نہ سہی ہمدردی تو ہونی چاہئے ___ اب سبین اسی لئے تو پریشان ہے ___ مصطفیٰ کی امی اس کے رشتے کے لئے تائی ہی سے تو ملیں گی۔ پتہ نہیں تائی کیا رویہ اختیار کرتی ہیں ___ اس کے متعلق انہیں کیا کہیں گی ___ "

"ہوں۔"

"سبین اپنے دوستوں سے کھلے بندوں ملتی ہے۔ سب اس کے گھر بھی آتے جاتے ہیں۔ سبین بھی ان کے ساتھ جاتی آتی ہے۔ تائی اس بات کی کڑی نگرانی کرتی ہے۔ کہ وہ رات کتنے بجے واپس لوٹی۔ کس کے ساتھ سوئی۔ کون کون اس کے گھر آیا ___ سبین کہتی ہے۔ رات جتنی بھی دیر سے وہ گھر آئے تائی کے کمرے کی ادھر کی کھڑکی کھلی رہتی ہے اور وہ پردے کی اوٹ سے دیکھ رہی ہوتی ہیں ___ "

"دیکھو ماہ نور ___ سبین بہت اچھی لڑکی ہے۔ بڑے مضبوط کردار کی ہے۔ خود مختار ہے اسے روکنے ٹوکنے والا بھی کوئی نہیں ___ لیکن ___ "

"لیکن کیا؟ ___ "

"یہ کہ عام گھرانوں میں یہ بات پسند نہیں کی جاتی۔ کہ غیر شادی شدہ لڑکی اتنی آزاد ہو۔"

"اسی لئے تو وہ پریشان ہے ___ خاص کر تائی کی طرف سے۔ جب انہیں یہ پتہ چلے گا کہ مصطفیٰ اور سبین ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ محبت کا رشتہ طے ہو رہا ہے۔ تو جانے وہ مصطفیٰ کی امی کو کس انداز سے اس کی آزادی کی باتیں۔ جنہیں وہ بے راہ روی کہتی ہیں بتادیں ___ "

منیب نے سرہلایا۔ واقعی یہ بات پریشانی کی تو تھی۔

"اس سلسلے میں ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے ___ " چند لمحے چپ چاپ گاڑی ڈرائیو کرنے کے بعد منیب بولا ___

"کیسے؟"

"اس صورت حال سے کم از کم مصطفیٰ کو مطلع کر دینا چاہئے ___ "

"یعنی۔"

"یعنی یہی کہ تائی سبین کے متعلق ایسی گل افشانی بھی کر سکتی ہیں۔ کہ سبین کو پسند کر لینے کے باوجود مصطفیٰ کی امی بددل ہو جائیں ___ "

"آپ ہی مصطفیٰ سے یہ باتیں کر سکتے ہیں ___ "

"کوشش کروں گا ___ اس کی امی کے آنے سے پہلے یہ باتیں اسے بتادوں۔ تاکہ وہ اپنی امی کو ان باتوں کے لئے ذہنی طور پر تیار کر سکے ___ "

کچھ دیر دونوں سبین اور مصطفیٰ ہی کی باتیں کرتے رہے ___

پھر

منیب نے ماہ نور کو ہوسٹل چھوڑا۔ اور بہت جلد اسے کوئی نوید سنانے کا وعدہ دے کر گھر چلدیا ___

○ ○ ○

ڈرائنگ روم کے پردے گرمی کے پیش نظر تنے ہوئے تھے۔ اے سی چل رہا تھا
کمرے میں خاصی ٹھنڈک تھی۔ سبین کا چھوٹا سا ڈرائنگ روم سلیقے سے آراستہ
___ فرش پر قالین بچھا تھا۔ اس کے رنگ سے ملتے جلتے پردے تھے صوفوں پر بھی ا
مناسبت سے کپڑا چڑھایا گیا تھا۔ سائیڈ ٹیبلز پر پردوں کے ہم رنگ شیڈوں وا
خوبصورت لیمپ تھے۔ دیواروں پر پرانی ہینڈ پینٹنگز تھیں۔ کونوں میں پیتل کے منق
سٹینڈ تھے۔ جن پر آرائشی پھول کرسٹل کے گلدانوں میں سجے تھے۔ دادا کے وقت کے
نوادرات جو اس کے حصے میں آئے تھے۔ وہ بھی اس نے بڑے سلیقے اور طریقے
ڈرائنگ روم کی زینت بنا رکھے تھے۔ ایک دیوار پر اس کے دادا مرحوم کی بڑی سی تص
تھی۔ ان کی شان رعب و تمکنت اس تصویر میں ان کے خدوخال سے نمایاں تھا۔ ا
سے ذرا نیچے اس کے مرحوم والدین کی تصویر تھی۔ یہ تصویر ان کے کار حادثہ میں ختم
جانے سے تھوڑی ہی دیر پہلے کی تھی۔ دونوں جوان اور خوبصورت تھے۔ اس تصویر
دس گیارہ سالہ عمر بھی تھا اور امی کے گھٹنے سے لگی دو اڑھائی سالہ وہ خود بھی تھی۔
تصویر پہلے اس نے اپنے بیڈ روم میں لگا رکھی تھی۔ اب یہاں لگا دی تھی۔ جانے ا
کیوں لگتا تھا۔ کہ اس تصویر کے بغیر ڈرائنگ روم کی آرائش ادھوری ہے۔

سبین ہسپتال سے واپس آکر ڈرائنگ روم ہی میں بیٹھی تھی۔ مصطفیٰ نے گھر آ
فون کیا تھا ___

وہ آچکے تھے۔ سنٹر ٹیبل کے پاس جس پر ڈیکوریشن کی خوبصورت چیزیں رکھی تھ
وہ کھڑی تھی۔ گلابی پھولدار وائیل کے ہلکے پھلکے جوڑے میں ملبوس تھی۔ اسی کے ہم
دوپٹہ کندھوں پر ڈالا ہوا تھا۔ چہرے پر گلابوں کی رنگت نکھری تھی۔ آنکھوں میں

کوٹے ہوئے ستارے بھرے تھے۔ ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش
تھی۔ مصطفیٰ ہاتھوں میں پکڑا ہوا پھولوں کا گلدستہ اس کی طرف بڑھا رہے تھے وہ آف
وائٹ شلوار قمیض پہنے ہوئے تھے۔ چہرے کی رونق اور جاذبیت پتہ دے رہی تھی۔ کہ وہ
بہت خوش ہیں۔

انہوں نے پھول سبین کی طرف بڑھائے ___

سبین نے دونوں ہاتھوں سے خوبصورت پھول تھام لئے۔ تھامتے ہوئی اس کی انگلیاں
مصطفیٰ کے ہاتھوں سے مس ہوگئیں ___ اک برق سی اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی۔
چہرہ گلگوں ہوگیا ___ شرگیں نگاہوں سے اس نے مصطفیٰ کی طرف دیکھا جو شوخی سے
مسکرا رہے تھے ___ اس کے ہاتھوں کو چھونے کی حرکت دانستہ تھی یا نادانستہ ___
بہرحال وہ اس سے محظوظ ضرور ہوئے تھے ___

سبین نے پھول اپنے ساتھ لگا لئے ___

مصطفیٰ اس کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولے "اجازت ہو تو بیٹھ جاؤں۔"

"بیٹھئے نا ___" وہ ورطہ حیرت و مسرت سے چونک کر نکلتے ہوئے بولی۔

مصطفیٰ صوفے پر بیٹھ گئے ___

سبین نے پھول ایک واز میں رکھ دیئے اور بولی "ان کے لئے شکریہ۔"

"شکریہ تو تمہیں ضرور ادا کرنا تھا۔"

"کیوں۔"

"کیونکہ یہ پھول مسرتوں کی نوید ہیں ___"

"جی۔"

"جی میں آج یہ بتانے حاضر ہوا ہوں ___ کہ امی کل شام کراچی سے لاہور پہنچ
رہی ہیں ___"

ایک لمحہ کو سبین کا دل اچھلا۔ یوں لگا حلق میں آن اٹکا ہے۔ اس نے گردن گھما کر
مصطفیٰ کی طرف دیکھا۔

"یہاں آؤ ___ ادھر بیٹھو" مصطفیٰ نے برابر والی سیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ لیکن
ان کے سامنے والے سنگل صوفے پر بیٹھ کر بولی "واقعی آپ کی امی آ رہی ہیں ___"
مصطفیٰ مسکرا کر بولے "ہاں ___ ان کا فون آیا ہے۔ وہ کل شام آئیں گی
پرسوں آپ کا امتحان ہوگا ___"

ثمین کی حالت کچھ پہلے ہی عجیب سی ہو رہی تھی۔ مصطفیٰ نے امتحان کا کہا۔ تو ا
دل بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا ___

"پرسوں وہ تمہیں ہوسپٹل میں ملنے آئیں گی" مصطفیٰ بولے۔

"میرا امتحان لینے" ثمین پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی۔

"امتحان تو ہوگا ہی ___"

"یعنی"

"ایا۔ کہو کیا کہنے کو تھیں۔"

"وہ جو آپ ___ کہہ رہے تھے۔ کہ وہ مجھے ملنے آ رہی ہیں۔ پسند ناپسند والی
نہیں ___"

مصطفیٰ نے صوفے پر پہلو بدلا ___ اور بولے "بھئی یہ امی لوگ عجیب و غریب
مخلوق ہوتی ہیں ___ کہہ تو دیا تھا۔ کہ میری پسند کو وہ اولیت دیں گے۔ لیکن ہو سکتا
تم سے مل کر ___"

وہ ان کی بات کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے بولی "تو ابھی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا مرحلہ
باقی ہے۔"

"تو اور کیا ___"

"مصطفیٰ" وہ بے طرح گھبرا گئی ___ مصطفیٰ اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہو
ہوئے۔ بولے ___ "بھئی یہ مرحلہ تو سب لڑکیوں کی زندگی میں آتا ہی ہے۔"

"جو وہ ___ مجھے پسند نہ کر سکیں ___ تو ___"

"تو ___"

"ہاں۔"

مصطفیٰ نے بڑے پیار سے اسے گھورا اور بولے "تو تم ہو کسی کم ہو۔ انتہائی قدم
اٹھانے سے بھی گریز کرنے والی نہیں ___ کیا تھا ایسی کوئی صورت حال ہوتی۔ تو تم مجھے
چھوڑ دوگی۔ خطرناک ارادوں اور سوچوں والی لڑکی!۔"

ثمین کچھ نہ بولی۔

چند لمحے مصطفیٰ بھی چپ رہے۔ پھر بولے۔ "گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں نہیں چھوڑ
وں گا۔ دوسرا قیس بن جاؤں گا تمہاری خاطر لڑوں گا اپنا مقدمہ۔ امی کو مجبور کر دوں گا۔
وہ ہار جائیں گی۔"

"نہ ہاریں ___ تو ___"

وہ جھٹ سے بولے "تو میں ہار جاؤں گا۔"

ثمین نے گھبرا کر انہیں دیکھا

تو

وہ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ثمین کے صوفے کی پشت پر آتے ہوئے بازو اس
کے گلے میں حمائل کرتے ہوئے جھک کر بولے "نادان لڑکی ___ ہمیشہ منفی سوچیں ہی
تمہارے ذہن کا احاطہ کرتی ہیں۔ سارے وسوسے اور وہم دل سے نکال دو۔"

پھر انگریزی میں بولے "تم میری زندگی کا حصہ بن چکی ہو ثمین ___ تم میری ہو
اور ہمیشہ رہوگی۔ ہمیں کوئی جدا نہیں کر سکتا ___ سمجھیں ___"

انہوں نے جھک کر اپنی ٹھوڑی اس کے بالوں پر رکھ دی ___ جانے کب اور کیسے
ثمین نے ان کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے ___

ذہنی روحانی اور جسمانی قربت کا یہ مختصر لمحہ جلد ہی گزر گیا۔ لیکن دونوں کیف و سرور
میں ڈوب سے گئے ___

مصطفیٰ نے اس کے گلے سے بازو نکال لئے اور سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے بولے
"ثمین کیسی میزبان ہو تم ___ اتنی گرمی کھا کے آیا ہوں۔ ٹھنڈا پانی تک نہیں پینے کو

دیا۔"

ثمین ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی "آپ نے اتنا ہراساں کیا کہ میں سب کچھ بھول ہی ___ ابھی لاتی ہوں۔"

وہ سراپا مسکراہٹ بنی ان کو دیکھتے ہوئے باہر چلی گئی ___

مصطفیٰ جیسے گنگناتے مسکراتے رسیلے لمحوں میں گم ہوگئے ___ کچھ دیر وہ ویسے کھڑے رہے ___

پھر ادھر ادھر سرسری سی نگاہ کمرے پر ڈالی۔ بائیں دیوار پر لگی ثمین کے داد تصویر پر نظر پڑی تو وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ادھر آگئے اور بغور تصویریں دیکھنے لگے

ثمین باداموں کے شربت کا جگ اور گلاس ٹرے میں رکھے اندر آئی۔

تو

وہ تصویروں کے سامنے کھڑے تھے۔ ثمین کی طرف ان کی پشت تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہیں" ثمین ان کے دائیں ہاتھ آکر بولی پھر خود ہی کہا "یہ میرے جان ہیں ___ حیدر زمان ___"

"اور یہ" مصطفیٰ نے نچلی تصویر پر انگلی رکھی غالباً "تمہارے امی ابو ___ اور۔"

"ہاں یہ میری امی ہیں ___ یہ ابو ___ یہ عمر بھائی ___ اور یہ میں" اس نے تصویر پر انگلی رکھی ___

"تمہارے بھائی بھی ہیں" وہ مڑ کر بولے۔

"ہاں ___ عمر بھائی ___ پڑھنے کے لئے امریکہ گئے۔ وہیں کے ہوگئے ___ بولی مصطفیٰ پھر تصویر دیکھنے لگے دو اڑھائی سالہ ثمین پھولے پھولے سے فراک میں پیاری لگ رہی تھی ___

"بچپن میں تو تم بہت ہی پیاری ہو ___" مصطفیٰ نے اس کی تصویر دیکھتے ہو کہا۔

تو

شوخی سے ثمین کے منہ سے نکل گیا "کیا اب نہیں ہوں ___"

مصطفیٰ ایک دم ہی پلٹ کر اس کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ ثمین کو گھورنے کے انداز میں دیکھے گئے۔ پیازی گلاب کی پتیوں ایسے بے داغ چہرے والی لڑکی اب کچھ زیادہ ہی پیاری لگ رہی تھی۔ گھبرا کر شرما کر ثمین نے دو ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔

اس ادائے دلربائی سے مصطفیٰ بے اختیارانہ جذباتی ہونے لگے۔ لیکن انھوں نے جلد ہی اپنے آپ پر قابو پالیا۔

اور

شوخ لہجے میں بولے "اب۔ اب تو تم اتنی گھاگ ہو کہ ___"

ثمین وہاں سے ان کا پورا جملہ سنے بغیر ہٹ کر سنٹر ٹیبل کی طرف آگئی اور میٹھا خوشبودار مشروب گلاس میں ڈالتے ہوئے بولی ___ "آیئے ___ شربت گرم ہو جائے گا ___"

مصطفیٰ ادھر آکر صوفے پر بیٹھ گئے۔ ثمین نے انہیں گلاس پیش کرتے ہوئے کہا "یہ شربت گھر کا بنا ہوا ہے۔ یہ میری اماں فضیلت بناتی ہے ___"

مصطفیٰ صاف سمجھ رہے تھے۔ کہ وہ باتوں کا رخ دوسری طرف موڑنا چاہ رہی ہے۔ جذباتی لمحوں کے چنگل سے نکلنے کی کوشش کر رہی ہے۔

"بہت چالاک ہو" مصطفیٰ نے اس کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے خیرہ کن نظروں سے اسے دیکھا۔

"ایویں ہی ___" اس نے خوبصورت سرزنش لیکن مسکراتی نظروں سے انہیں دیکھا۔

ثمین نے اپنے لئے بھی جگ سے گلاس بھرا ___

اور

دونوں

آہستہ آہستہ شربت پینے لگے۔

مصطفیٰ نے گلاس خالی کر کے میز پر رکھ دیا۔ ثمین اپنا آدھا گلاس میز پر رکھتے ہو
ان کے لئے شربت ڈالنے لگی۔ تو مصطفیٰ نے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہو

"بس۔"

"کیوں ___ اچھا نہیں لگا؟" ثمین نے پوچھا۔

"بہت مزے دار ہے ___"

"تو پھر اور لیں نا ___"

"کچھ دیر بعد لے لوں گا۔ پڑا رہنے دو۔"

ثمین نے جگ رکھ دیا اور اپنا گلاس گھونٹ گھونٹ پی کر ختم کرنے لگی۔

دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے اصل موضوع کی طرف آ گئے ___ مص
اس سے پوچھنا چاہ رہے تھے۔ کہ ان کی امی اور فردا اس کے گھر آنا چاہیں۔ تو وہ کس
ملیں؟

منیب نے کل ہی انہیں ثمین کے اہل خانہ خاص طور پر تائی کے رویے سے کھل
مطلع کیا تھا۔ ثمین بھی کبھی کبھی انہیں بتاتی رہتی تھی اور انہوں نے خود بھی دو ایک د
تجربہ کیا تھا۔ کہ رات کو جب بھی وہ ثمین کو ڈراپ کرنے آئے۔ تائی پس پردہ کھڑکی پ
ضرور کھڑی ہوتیں ___

ثمین کچھ افسردہ سی ہو گئی ___ اس سلسلے میں وہ پریشان تو رہتی ہی تھی۔ تائی ۔
تو بہت ڈر لگتا تھا کہ کہیں وہ اس کے خلاف مصطفیٰ کی امی کے سامنے دل کا غبار نہ نکا
دیں۔

"امی تمہارے ہاں آئیں گی تو سہی۔ وہ کہتی تھیں۔ میں بار بار تو کراچی سے آ نہ سکوں
گی ایک دفعہ ہی سارا معاملہ نپٹا کر آؤں گی ___"

"انہیں آنے تو دیں۔ پہلے مجھے تو دیکھ لیں ___ پھر ___"

"پھر؟"

"پھر" وہ چپ ہو گئی ___

"تم اپنے گھر والوں سے میرا اور امی کا غائبانہ تعارف ابھی سے کروا دو نا ___"

وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولی "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"اپنی کسی کزن کے ذریعے کہلوا دو ___ کیا تمہاری کزنز بھی تمہارے خلاف ہیں۔"

"نہیں تو" وہ جلدی سے بولی "کزنز سب اچھے ہیں۔ ان کے ساتھ میرے مراسم
اچھے ہیں ___ بہت پیارے ہیں سب ___ میرا بڑا خیال رکھتے ہیں ___"

"تو پھر ٹھیک ہے ___ تم کسی کے ذریعے تائی سے کہلوا دو نا ___"

وہ چپ رہی۔

پھر

پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی "پہلے آپ کی امی مجھ سے تو مل لیں۔ جانے ان کا فیصلہ
کیا ہو ___ میں پیشگی ان سے کہہ دوں ___ بعد میں بات ہی نہ بنے!۔"

"ایسا نہیں ہو گا ثمین ___"

"میں رسک نہیں لینا چاہتی ___ پہلے ان سے ملاقات ہو جائے۔ پھر کچھ نہ کچھ کر
ہی لوں گی ___ پھپھو اور ان کی بیٹی ثمن سب کچھ طے کر لیں گی ___"

"تو میں بے فکر ہو جاؤں۔"

وہ ہنس کر بولی "بالکل۔"

تھوڑی دیر دونوں یہی باتیں کرتے رہے ___

پھر

ثمین اٹھی تو مصطفیٰ بولے "کیوں۔ اٹھ کیوں گئیں ___"

"چائے پینے کا کوئی ارادہ نہیں کیا؟" اس نے کہا۔

"پی لیں گے۔ تم بیٹھو ابھی۔"

"اماں کو بتا تو آؤں ___"

"کیا۔"

"چائے کے ساتھ ___"

مصطفیٰ نے ایک دم اس کی بات کاٹی اور بولے "صرف چائے پئیں گے۔ ساتھ وا
کچھ نہیں ___ تم بیٹھو ابھی ___"

وہ

پھر ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی ___ شام کے ساڑھے چھ بج چکے
مصطفیٰ کو آئے کافی وقت گزر چکا تھا۔ لیکن لگتا تھا جیسے ابھی آئے ہیں۔ لمحے ہی گزر۔
ہیں ساعتیں ہی بیتی ہیں ___ محبتوں کا اپنا ہی انداز اور اپنا ہی رنگ ہوتا ہے۔ خوشبو
کے لمحات کیسے گزر جاتے ہیں پتہ بھی نہیں چلتا۔

دونوں مصروف گفت وگو تھے۔ باتوں کا کوئی سرا بھی پکڑا جاتا۔ وہ ختم ان دونوں
ہونے والے رشتے پر ہی منتج ہوتا۔ مستقبل کے خوبصورت خواب دونوں کی آنکھوں میں
سجے تھے۔ مصطفیٰ تو ان خوابوں کی حسین تعبیر کے متعلق پر یقین تھے۔ یقین سبین کو بھی
تھا ___ لیکن کسی کسی وقت یہ یقین ڈول جاتا۔ جب تک مصطفیٰ کی امی اس سے مل
اپنی مرضی اور پسند کا اظہار نہ کر دیتیں۔ تیقن اسی طرح ڈولتے رہنا تھا۔

وہ باتیں کر ہی رہے تھے۔ کہ باہر بیل ہوئی

"کوئی آیا ہے" سبین اٹھتے ہوئے بولی۔

"کون ہو سکتا ہے" مصطفیٰ نے کہا "تمہارا کوئی عزیز رشتہ دار؟"

"وہ پہلے تائی کی طرف جاتے ہیں ___" سبین دروازے کی طرف جاتے ہوئے بو

"کوئی اور ہوگا ___ آپ اطمینان سے بیٹھیں میں دیکھتی ہوں"

وہ کمرے سے باہر نکل کر لاؤنج میں آئی۔ لاؤنج خاصی گرم تھی۔ وہ بیرونی درواز
کی طرف بڑھی ___

"کون؟" اس نے دروازہ کھولنے سے پہلے پوچھا۔

"ہمارے سوا تمہارے ہاں اس وقت کون آسکتا ہے سبین" یہ ماہ نور کی ہنستی ہو
آواز تھی۔

"اوہ تم ___" سبین نے بے اندازہ خوشی سے دروازہ کھول دیا ___

باہر

صرف ماہ نور ہی نہیں منیب بھی تھا ___

ماہ نور اندر آتے ہی سبین سے لپٹ گئی۔ وہ بے حد خوش لگ رہی تھی۔ وفور مسرت
سے اس نے سبین کو جھنجھوڑ ہی ڈالا۔

"ارے ہے ماہ نور ___" سبین نے اپنا آپ اس سے بمشکل چھڑا کر منیب کو دیکھا۔
جو ان دونوں کے ملن کو بڑی مسرت سے دیکھ رہا تھا ___

"اسے کیا کر دیا۔ پاگل ہو رہی ہے خوشی سے" سبین نے کہا۔

"ہونا بھی چاہئے" ماہ نور بولی ___

"اندر تو چلو" سبین نے کہا۔ "خود یہاں کھڑی ہو۔ ڈاکٹر صاحب کو بھی یہیں کھڑے
رکھو گی ___"

"پوچھو گی نہیں ہم اتنے خوش کیوں ہیں" ماہ نور اس کے بازو سے لپٹے لپٹے قدم
اٹھاتے ہوئے بولی۔

"کوئی بہت بڑی بات ہی ہوگی" سبین نے کہا "بڑے دنوں سے موڈ آف ہی تھا
تمہارا۔"

"سبین" ماہ نور سے رہا نہیں جا رہا تھا "سبین بہت ہی بڑی بات ہے۔"

"اب بتا ہی دو" منیب کے چہرے پر مسکراہٹیں پھیلی تھیں۔

"سبین منیب کی امی مان گئیں ___" وہ جلدی سے بولی ___ "وہ چندی ہمارے
ہاں جانے کو تیار ہیں ___"

"سچ" اب فرط مسرت سے سبین نے اسے گلے سے لگالیا۔ چند لمحے دونوں ایک
دوسری سے لپٹے لاؤنج ہی میں کھڑی رہیں ___ اتنی اچھی خبر تھی۔ سبین کو واقعی بہت
خوشی ہوئی ___

منیب لہک کر بولا "ہم نہ کہتے تھے۔ کہ رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن۔"

"بہت خوشی ہوئی۔ بے حد خوشی ہوئی ___" سبین بولی۔

ان سب کی آوازیں سن کر مصطفیٰ بھی باہر نکل آئے ___ "کیا ہوا بھئی ___ ا
منیب اور ماہ نور صاحب ہیں ___"

منیب آگے بڑھ کر مصطفیٰ سے ملا ___ مصافحے کے بجائے وہ بھی ان سے بغل گ
ہو گیا "تم یہاں تھے۔ پکڑ لیا نا" وہ ہنس کر بولا۔

"بھئی کوئی چور تو نہیں ہوں۔ جو پکڑ لیا۔" مصطفیٰ مسکرائے۔ پھر اسے اپنے
الگ کرتے ہوئے بولے "کس خوشی کی بات ہو رہی تھی۔"

"یار میدان مار لیا میں نے" اس نے مصطفیٰ کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ امی کو منا ہی لی
منایا کیا وہ خود رضامند ہو گئیں ___ اسلام آباد ماہ نور کے والدین کے پاس جانے کو ت
ہیں ___"

"سچ" مصطفیٰ نے منیب کا ہاتھ پکڑ کر بڑی محبت سے دبایا ___

سب مسرور و شاداں نظر آنے لگے۔

ثمین انہیں لے کر اندر آ گئی ___

باتوں کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا۔ اب منیب اپنی امی کے رضامند ہونے
کہانی سنا رہا تھا۔ بالکل ڈرامائی انداز میں سب کچھ ہوا تھا۔

"چلو یہ بھی اچھا ہو گیا ___" مصطفیٰ بولے "آپ سب لوگ اب ہمارے فاتحہ بال
کے لئے دعا کریں ___"

سب ہنس پڑے۔ منیب بولا "تمہیں کس بات کی فکر ہے۔ تمہارا فاتحہ بالخیر تو ہو گا
___ پریشانیاں تو ہم نے دیکھی ہیں ___"

"شکر کریں انجام اچھا ہوا" ثمین بولی۔

"اس خوشی میں اب شاندار سی چائے ہو جائے" مصطفیٰ بولے

"چلیں کہیں باہر چل کر پیتے ہیں چائے" منیب نے کہا "یہ چائے میری طرف
سے۔"

"بالکل۔ بالکل" مصطفیٰ نے کہا

"سب تیار؟" منیب نے دونوں لڑکیوں کی طرف دیکھا ___
انہیں بھلا کیا اعتراض تھا۔ دونوں نے ہاں کہی ___

پھر

تھوڑی دیر بعد وہ سب چائے پینے کسی اچھے سے ریسٹورانٹ میں جا رہے تھے ___
سب بے حد خوش تھے۔ خوشیوں کی انتہائیں جیسے ان کے قدموں میں جھک آئی تھیں۔

○ ○ ○

اس دن موسم خلاف توقع اور خلاف معمول بہت ہی اچھا تھا۔ صبح سے مطلع ابر آ
تھا۔ اردگرد کہیں رات کو بارش ہوئی تھی۔ جو ہواؤں میں نمی تھی۔ جس سے
ٹھنڈک کا احساس ہوتا تھا۔ بادل اب بھی سینہ چرخ پر ادھر ادھر لڑھکتے پھر رہے تھے۔
کبھی زور دار جھونکوں میں چلنے لگتی۔ کبھی سبک خرامی سے ___ دھول مٹی بھی اڑتی
لیکن فضا کی نم آلودگی میں اس سے طبیعت بدمزہ نہ ہوتی ___

ہسپتال میں آج لوگوں کی آمد کچھ زیادہ ہی تھی۔ اچھے موسم کی وجہ سے گھروں
نکلنا آسان ہوگیا تھا۔ اس لئے اپنے عزیزوں دوستوں اور رشتہ داروں کی خبر گیری کے
جوق در جوق چلے آرہے تھے۔

آؤٹ ڈور میں مریضوں کا بھی بہت رش تھا ___ رش اس وجہ سے بھی زیادہ
کہ ایک مریض کے ساتھ تین تین چار لوگ آئے ہوئے تھے۔ گو یہ مریضوں کے
کسی طور اچھی بات نہیں ہوتی۔ مرض معمولی بھی ہو تو ان کے ساتھ آنے والوں کی
وقوفانہ ہمدردیوں اور غیر ذمہ دارانہ باتوں سے مریض اپنے آپ کو تشویشی حالت میں گر
سمجھنے لگتا ہے ___ ڈاکٹروں کے سمجھانے کے باوجود یہ سلسلہ نہ رکا تھا نہ رک سکتا تھا

بہرحال۔

موسم اچھا تھا۔

اس لئے سارے کام مستعدی سے ہو رہے تھے۔ ڈاکٹرز نرسیں وارڈ بوائیز اور ما
ادھر سے ادھر آجا رہی تھیں ___ وارڈوں اور پرائیویٹ کمروں میں بھی آج کافی
تھی ___ وارڈوں کے انچارج راؤنڈ لے چکے تھے۔ اب ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹرز
نرسیں اپنے اپنے مریضوں کی دیکھ بھال کر رہی تھیں۔ وقت پر مریضوں کو دوائیں

ٹمپریچر اور بی پی لینا ان کا معمول تھا۔ ہر مریض کے چارٹ پر وہ یہ سب چیزیں نوٹ بھی کر
رہی تھیں۔

ہسپتال میں شور شرابا بھی کافی تھا۔ مغربی وارڈ میں کوئی مریض چل بسا تھا۔ اس کے
لواحقین پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ اک کہرام مچا تھا۔ رشتہ دار اونچی آوازوں میں
روپیٹ رہے تھے۔ دوسرے مریض گھبرا رہے تھے۔ کچھ اپنے بستروں سے اٹھ کر اس
جوانمرگ کو دیکھنے اس کے بیڈ کے گرد جمع ہوگئے تھے ___ ڈیتھ سرٹیفیکیٹ بن کر آگیا تو
گھر والوں کے سپرد ڈیڈ باڈی کردی گئی ___

اتنے بڑے ہسپتال میں یہ روز ہی کا معمول تھا ___ مریض یہاں آتے تھے۔ کچھ
صحت یاب ہوکر لوٹتے کچھ یہیں جان جان آفرینش کے حوالے کردیتے۔ خوشی کے لمحات
بھی ہوتے غم کی گھڑیاں بھی آتیں ___ یہ تو ہوسپٹل کا دستور و معمول تھا۔ ہسپتال کے
عملے کے لئے بھی یہ عام سی بات تھی۔ موت اور زندگی کا کھیل وہ اتنی بار دیکھ چکے
ہوتے۔ کہ مرجانے کا دکھ اور بچ جانے کی خوشی ان کے لئے معمول کی بات ہوتی۔

یہ موت ماہ نور کے دائیں طرف کے وارڈ میں ہوئی تھی۔ واویلا اور آہ وپکار سن کر
اس نے وارڈ نرس سے یہی پوچھا تھا "کون مرا ___ "

نرس نے کندھے اچکائے اور بولی "شاید وہ لڑکا جو لیکومیا کا مریض تھا ___ "

"ہوں" ماہ نور نے سر ہلایا ___ پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئی ___ اس نے کسی
ادھوری فائل کو مکمل کرنا تھا ___ اب اس کا کام تقریباً ختم ہی تھا ___

کام ختم ہوا۔۔

تو

اس نے فائل بند کرکے میز کے ایک طرف رکھ دی۔ پھر کرسی سے اٹھی۔ وارڈ پر
نگاہ ڈالی۔ پھر اپنے ان چھ بیڈز کو دیکھا۔ جن پر پڑے مریضوں کی دیکھ بھال اس کے ذمہ
تھی۔ دو مریض آنکھیں بند کئے پڑے تھے۔ دو کروٹ بدل کر لیٹے تھے۔ ایک تکئے کے
سہارے بیٹھا تھا اور ایک کو ڈرپ لگی ہوئی تھی۔

وہ اس وقت چائے کی طلب محسوس کر رہی تھی۔ کام بھی ختم تھا۔ اس لئے نرس کو ضروری ہدایات دے کر بولی "میں ڈاکٹر سبین کی طرف اس کے وارڈ میں جا رہی ہوں ـــــ وہاں سے کنٹین جائیں گے ـــــ"

"جی بہتر۔"

"ضرورت ہوئی تو بلا لینا ـــــ"

"جی اچھا۔"

ماہ نور ڈرپ لگے پیشنٹ کے پاس آئیں۔ سینڈ پر لٹکا گلوز ملا دوائی والا بیگ دیکھا۔ پھر پائپ میں گرتے والے ڈراپس گھڑی دیکھ کر گنے۔ کہ ایک منٹ میں کتنے ڈراپس مریض کے اندر جا رہے ہیں ـــــ سب ٹھیک تھا۔ پیشنٹ کو تھپکی دے کر تسلی دیتے ہوئے وہ آہستہ آہستہ چلتی وارڈ سے باہر نکل آئی

وہ سبین کے وارڈ کی طرف جا رہی تھی ـــ

اس کے اندر داخل ہونے سے پہلے ہی سبین دروازے سے باہر نکل آئی ـــــ

"تم" اس نے ماہ نور سے کہا۔

"تمہاری طرف ہی آ رہی تھی ـــــ چلو کنٹین چل کر چائے پیتے ہیں۔ آج موسم دیکھو کتنا خوبصورت اور کیسا خوشگوار ہے ـــــ"

"ہاں جی" سبین بولی "ویسے موسم کی کیا بات ـــــ انسان کے اندر کا موسم خوبصورت اور خوشگوار ہونا۔ تو یہ باہر کا موسم بھی اچھا لگتا ہے ـــــ اگر بندے کے اندر آندھیاں اور جھکڑ چل رہے ہوں۔ حبس ہو رہا ہو۔ تو باہر کے موسم کی خوشگواری بے معنی سی ہوتی ہے ـــــ اصل چیز اندر کا موسم ہوتا ہے ـــــ"

ماہ نور اس کے فلسفے پر ہنس پڑی ـــــ "تمہارے اندر کا موسم کیسا ہے؟"

"بس کچھ نہ پوچھو ـــــ کبھی طوفان اٹھ رہے ہیں۔ کبھی گھٹن ہو رہی ہے ـــــ کبھی ـــــ"

ماہ نور بات کاٹ کر ہنستے ہوئے بولی "خوشگواری کا نام و نشان بھی نہیں؟"

"وہ تو آج کل تمہارے اندر باہر پھیلی ہے نا ـــــ"

"بالکل ـــــ میں تو آج کل اتنی خوش ہوں ـــــ کہ بیان نہیں کر سکتی ـــــ اور ـــــ ہاں ـــــ"

"کیا؟"

"آج تو تمہیں مصطفیٰ کی امی ملنے آ رہی ہیں ـــــ"

"اسی لئے تو خوفزدہ ہوں ـــــ اندر کا موسم گڈمڈ ہو رہا ہے سخت ڈر لگ رہا ہے۔"

"پاگل ہو تم تو ـــــ بھلا ڈرنے کی کیا بات ـــــ سبین میری جان تم جیسی لڑکی کو بھلا کون ناپسند کرے گا مجھے تو اتنی سی بھی ناامید نہیں" اس نے اپنی شہادت کی انگلی پر انگوٹھا اس طرح رکھا ـــــ کہ صرف ناخن کا اندرونی سرا ہی سبین کو نظر آیا ـــــ

وہ اس بات پر مسکرا دی پھر بولی "ماہ نور مجھے واقعی ڈر لگ رہا ہے۔ وہ آج آ رہی ہیں۔"

"ہاں مصطفیٰ مجھے ملے تھے۔ انہوں نے بتایا تھا ـــــ"

"آنے والی ہی ہوں گی ـــــ"

"تو کیا ہوا ـــــ"

"تم نہیں جانتیں۔ جو گھڑیاں مجھ پر بیت رہی ہیں۔ ان میں یقین اور بے یقینی کا عنصر کیا کیا گل کھلا رہا ہے۔"

"سبین تمہاری باتیں سن کر مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ تم تو اتنی پر اعتماد لڑکی ہو ـــــ تمہیں اپنے آپ پر جتنا بھروسہ ہے۔ وہ شاید ہی کسی لڑکی میں ہو ـــــ"

"یہ بات تو ہے ـــــ لیکن کبھی کبھی ـــــ"

"میرے دل میں خیال آتا ہے ـــــ کہ" ماہ نور نے اس کی بات کاٹ کر سریلے انداز میں شوخ نگاہی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ تو سبین بیساختہ ہنس پڑی اور بولی "بس اس سے آگے کچھ نہیں کہنا ـــــ"

"وہی تو کہنے کی بات ہے۔ کہ جیسے تجھ کو بنایا گیا ہے میرے لئے ـــــ" ماہ نور نے

ڈاکٹرز روم سے کچھ فاصلے پر ماہ نور رک گئی "لو بھئی جاؤ اب تم۔ کمرہ امتحان یہ رہا
___ اب تم جانو اور تمہارا کام ___"

"ماہ نور کی بچی" سبین نے اسے چٹکی کاٹی۔

"ہاں" وہ درگزر کرتے ہوئے بولی "نتیجہ جو بھی ہو۔ سب سے پہلے تم نے مجھے بتانا
ہوگا۔"

سبین نے سر ہلایا۔

ماہ نور واپس مڑی۔

اور

سبین نے آگے قدم بڑھایا۔ اس نے اپنی ہمت مجتمع کی۔ آپوں آپ اس میں اعتماد کی
قوت عود آئی۔ اس نے اپنے آپ کو اندر سے ایک دم ہی مضبوط محسوس کیا۔

"کیا ہوا ___ زیادہ سے زیادہ ریجیکٹ ہی کر دیں گی نا" اس نے باغیانہ انداز میں
سوچا۔

"مر تو نہیں جاؤں گی۔ دکھ ہی ہوگا۔ سہہ لوں گی۔ قوت برداشت بہت ہے مجھ
میں۔"

کچھ ایسی ہی مثبت و منفی سوچیں سوچتی وہ ڈاکٹرز روم کے دروازے کی طرف بڑھی۔
اس کے دستک دینے سے پہلے ہی دروازہ کھل گیا اور کھلے کھلے چہرے کے ساتھ مصطفیٰ نے
اس کا استقبال کرتے ہوئے کہا "امی اور فردا تم سے ملنے آئی ہیں ___"

سبین نے کھلے دروازے سے اندر نگاہ ڈالی۔

ایک صوفہ نما کرسی پر مصطفیٰ کی امی بیٹھی تھیں۔ برابر والے کین کے صوفے پر
جوان سی عورت یقیناً فردا تھی ___

سبین نے اندر قدم رکھا۔ تو دونوں کی نگاہیں اس پر پڑیں ___

مصطفیٰ اس کے ساتھ ساتھ اندر آئے ___

سبین نے مودبانہ دونوں کو سلام کیا۔

دونوں اسے دیکھ کر مبہوت سی ہو گئیں۔ شاید سلام کا جواب بھی نہ دے سکیں۔
دیا بھی ہوگا۔ تو اتنا آہستہ کہ کوئی سن ہی نہ سکا۔

"امی" مصطفیٰ نے تعارف کرانے کو کہا "یہ ہیں ڈاکٹر سبین حیدر۔"

"اور سبین" وہ اب سبین کی طرف دیکھ کر بولے "یہ ہیں میری امی اور یہ میری بہن
فردا ___ جو لاہور ہی میں رہتی ہیں ___"

سبین دونوں کی طرف دیکھ کر بڑے تعظیمی انداز میں مسکرائی۔

ماں بیٹی اب بھی ایک ٹک سبین کو تکے جا رہی تھیں ___ پھر فردا ہی کی محویت ٹوٹی
تو اس نے بڑے پیار سے کہا "ادھر آؤ سبین ہمارے پاس بیٹھو۔"

سبین آگے بڑھی اور فردا کے ساتھ بیٹھ گئی ___

مصطفیٰ کی امی اب بھی سبین کو تکے جا رہی تھیں ___

"امی" مصطفیٰ ماں کی پشت پر آکر ہولے سے بولے "کیسی ہے سبین ___"

مصطفیٰ کی امی نے ماتھے کو انگلیوں سے مسلا اور بولیں "مجھے لگ رہا ہے اسے میں نے
پہلے بھی کہیں دیکھا ہے ___"

"دیکھا ہوگا" مصطفیٰ بولے۔

"لیکن کہاں یہی تو یاد نہیں آرہا ___" وہ بولیں ___ پھر سبین کی طرف رخ
کرکے اس کے سراپا پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے بولیں "تم کبھی کراچی گئی ہو ___"

سبین نے ہولے سے سر نفی میں ہلایا ___ "بچپن میں شاید کبھی امی ابو کے ساتھ
گئی ہوں گی۔ جب سے ہوش سنبھالا ہے کبھی نہیں گئی ___"

"پتہ نہیں کیوں تم اتنی مانوس لگی ہو ___" وہ آہستگی سے بولیں۔

"مانوس لگی کو چھوڑیں امی۔ یہ کہیں کہ ڈاکٹر سبین آپ کو کیسی لگی ہے" مصطفیٰ نے
پھر ہولے سے کہا۔

تو

امی کے چہرے پر بڑی واضح پسندیدگی نظر آنے لگی۔ بولیں "ماشاء اللہ بہت پیاری

اور فردا کو سیمن پسند آگئی ہے۔ اس لئے بے فکر ہو گئے ___ ان کی باتوں میں انہوں
دخل نہیں دیا ___ امی کو اپنی تسلی کرنے کے لئے سوال کرنے دیئے ___

بہت سی باتیں پوچھنے کے بعد امی نے سیمن سے کہا "بیٹے ہم تمہارے گھر آنا چاہیں
ہمیں کس کے پاس آنا ہو گا ___ بات تو بزرگوں ہی سے کرنا ہوتی ہے نا۔"

سیمن چند لمحے چپ رہی۔ پھر سر جھکائے جھکائے بولی "تایا جان اور تائی سے آ
___ مل سکتی ہیں ___"

"ٹھیک" وہ بولیں۔

"کب آئیں ___" فردا نے پوچھا۔

"جب آپ کا جی چاہے" سیمن ہولے سے بولی۔

"پرسوں شام ٹھیک رہے گا" امی نے مصطفیٰ اور فردا سے پوچھا۔ دونوں نے ہر شو
اشتیاق لہجے میں ہاں کہی۔

"چلو طے ہو گیا۔ ہم پرسوں چھ بجے شام آئیں گے انشاء اللہ" وہ بولیں "آنے سے
پہلے فون کر دیں گے۔"

"جی بہتر" سیمن نے مودبانہ کہا۔

یہ مرحلہ بخوبی طے ہو گیا تھا۔ کوئی مشکل پیش نہ آئی تھی۔ سیمن کا دل کھل اٹھا تھا۔

لیکن

دوسرا مرحلہ باقی تھا ___

ان لوگوں کا تائی سے ملنے کا ___ اس کے متعلق وہ پریشان تو تھی۔ لیکن اس
کوئی نہ کوئی حل اس نے نکال ہی لینا تھا ___

وہ سب تھوڑی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ سیمن تو انہیں اتنی اچھی لگی تھی۔ کہ
ماں بیٹی تعریفوں کے پل باندھ رہی تھیں۔ امی نے تو یہاں تک کہہ دیا "پتہ نہیں کیا بات
ہے۔ اسے پہلی نظر ہی دیکھا تو لگا دل میں اتر گئی ہے ___"

مصطفیٰ اترا کر بولے "ہے نا آپ کی پسند کردہ لڑکیوں پر بھاری ___ مان لیا

ہمیں۔"

سیمن کے گالوں پر حیا کی سرخیاں لہرا گئیں ___ امی اور فردا مسکرانے لگیں ___

پھر

ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ مصطفیٰ نے ان کے لئے کوک منگوائی۔

فردا ہنس کر بولی "خالی کوک! مٹھائی کھلاؤ مٹھائی ___ امی اتنی آسانی سے تمہاری
بات مان گئی ہیں ___"

مصطفیٰ سیمن کی طرف متبسم نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے "شے بھی تو لاجواب
دکھائی ہے نا۔"

سیمن کے گال پھر گلابی ہو گئے ___

پھر باتیں ہونے لگی۔ مصطفیٰ تھوڑی دیر کے لئے اٹھ گئے۔ آفس کا چکر لگانا تھا۔

امی فردا اور سیمن بیٹھی رہیں۔ امی زیادہ تر سوال ہی کئے گئیں۔ سیمن کو دل ہی دل
میں ان کے کچھ سوال اچھے بھی نہ لگے۔ لیکن کیا کرتی مجبوری تھی۔ وہ اسی سے تو سب کو
پوچھ سکتی تھیں ___

لیکن

کچھ بھی تھا۔ سوال ٹیڑھے تھے یا غیر متعلق ___ یہ بات واضح تھی۔ کہ ماں بیٹی کو
سیمن من بھائی ہے اور انہیں یہ رشتہ کرنے میں کوئی اعتراض نہیں بلکہ دلی خوشی ہے۔"

کوئی آدھ گھنٹے بعد مصطفیٰ واپس آئے تو ان تینوں کی باتیں جاری تھیں۔

مصطفیٰ نے بھی کچھ باتوں میں حصہ لیا ___

پھر

گھڑی دیکھی اور سیمن سے پوچھا "تمہاری ڈیوٹی نہیں ہے۔"

"ہے" وہ بولی۔

"تو امی اسے چھٹی دیجئے۔ اس کے مریض اس کی راہ دیکھ رہے ہوں گے ___"

مصطفیٰ نے اٹھتے ہوئے کہا تو سیمن بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی تو نہیں چاہ رہا ___ " فردا بولی "لیکن خیر پرسوں ہم آئیں گے تو تمہارے ہاں بہت دیر رکیں گے۔"

"جی ضرور" وہ بولی "اب میں نے وارڈ میں جانا ہے ___ "

امی بھی اٹھیں اور فردا بھی ___ ثمین نے دونوں کو سلام کر کے کمرے سے نکلنا چاہا تو امی نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگالیا اس کی پیشانی چومی اور پیار سے بولیں "سدا سکھی رہو ___ آج سے تم میری بیٹی ہو ___ اپنی تائی سے جاکر کہہ دینا۔ ہم ان کی طرف سے صرف ہاں سننے آئیں گے۔"

ثمین نے شرگیں نگاہوں سے مصطفیٰ کو دیکھا۔ انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں دل خوش کن اشارہ کیا ___ وہ مسکرا دی۔

پھر فردا بھی اس سے گلے ملی ___ پیار کیا اور دونوں اسے دروازے تک چھوڑنے آئیں ___

ثمین انہیں خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔

وہ اپنے وارڈ کی بجائے سیدھے ماہ نور کے وارڈ میں گئی ___ ابھی ابھی جو اس کا امتحان ہوا تھا۔ حسب وعدہ اس کا دل خوش کن نتیجہ سب سے پہلے ماہ نور ہی کو تو سنانا تھا۔"

○ ○ ○

احتیاطاً" ثمین نے ثمن کو اپنے اعتماد میں لے کر ڈاکٹر مصطفیٰ کے متعلق بتا دیا تھا ___ یہ بھی بتایا تھا۔ کہ اس کی امی کراچی سے اسے دیکھنے آ رہی ہیں۔ رشتے کے سلسلے میں وہ گھر بھی آئیں گی ___

"مجھے صرف یہی پریشانی ہے۔ تائی کا رویہ میرے ساتھ کیسا ہے تم تو جانتی ہو ___ ڈرتی ہوں۔ وہ کہیں میری برائیوں کے پلندے نہ ان کے سامنے کھول بیٹھیں ___ گو سارے خاندان میں میرا کوئی بھی سچا ہمدرد نہیں۔ سب کو مجھ سے شکائتیں ہی ہیں۔ لیکن ایک تم ہو۔ جس پر میں اپنا کچھ حق سمجھتی ہوں ___ " ثمین نے فون پر ثمن سے کہا

ثمن جھٹ سے بولی "ثمین باجی میں آپ کی کزن تو بعد میں ہوں سچی دوست پہلے ہوں پھر آپ نے جو میری مدد کی۔ میں اس کا احسان اتار نہیں سکتی۔ امی تو مجھے اپنے پسندیدہ رشتے سے باندھنے پر کمربستہ تھیں۔ آپ ہی نے میرے حق میں راہ ہموار کی۔ اب آپ کا معاملہ درپیش ہے۔ جو کہیں گی میں کرنے کو تیار ہوں ___ "

"وعدہ نبھانا ہوگا۔"

"کیوں نہیں۔ کہیں تو امی سے بات کروں۔"

"ارے نہیں۔ ابھی نہیں۔"

"تو ___ "

"پہلے مصطفیٰ کی امی مجھے دیکھ لیں۔ بات فائنل تو انہی کی پسند پر ہوگی۔ وہ چند دنوں تک آ رہی ہیں۔ جو انہوں نے مجھے پسند کر لیا تو پھر گھر بھی آئیں گی۔"

"لو جی ___ پسند کیوں نہ کریں گی۔ آپ جیسی ہمہ صفت و موصوف کو کون ناپسند کرنے کی ہمت کرے گا ___ "

"اچھا یہ تو وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ ہاں اس مرحلے کے طے ہونے کے بعد وہ ہمارے گھر آئیں گی ___ ظاہر ہے تائی کے پاس ہی آئیں گی ___ میں چاہتی ہوں جب وہ آئیں تو پھپھو بھی آجائیں ___"

"وہ تو ضرور جائیں گی اور تائی بھی اس اہم موقعہ پر امی کو ضرور بلائیں گی۔"

"وہ تو میں جانتی ہوں ___"

"تو پھر ___"

"پھر یہ کہ پھپھو کو یہاں آنے سے پہلے ساری صورت حال سے باخبر کر دینا۔ تاکہ وہ مصطفیٰ کی امی سے تائی کو کوئی ایسی ویسی بات نہ کرنے دیں۔ جو معاملے کو بگاڑ دے سمجھ گئی ہونا ___"

"بالکل۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں امی کو بتا دوں گی۔"

"ابھی نہیں ___"

"ہاں ہاں ابھی نہیں ___ جب وہ لوگ آئیں تب ___"

"ان سے ملنے کے بعد ان کا جو تاثر ہوا میں تمہیں بتا دوں گی ___"

"ٹھیک ___"

ثمن دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی تھی۔ مصطفیٰ کے متعلق پوچھتی رہی۔

"کیسے دکھائی دیتے ہیں ___"

"باہر کی ڈگری بھی ہے ان کے پاس۔"

"فیملی تو جیسا آپ بتا رہی ہیں بہت ہی اچھی ہے۔ خیر ہم بھی ان سے کم تھوڑے ہی ہیں۔"

"نقش تیکھے ہیں یا سرسری سے۔"

"باتیں زیادہ کرتے ہیں یا کم۔"

"کتنے بہن بھائی ہیں ___"

"بچے خان تو نہیں ہیں ___"

"مغرور تو نہیں لگتے۔"

ثمن نے ہنسی مذاق میں ڈھیر ساری باتیں پوچھیں۔ اس کی شوخیوں کا اس نے بھی شوخ لہجے میں جواب دیا تھا۔

اب

مصطفیٰ کی امی اس سے مل چکی تھیں اور پرسوں شام گھر آنے کا بھی کہہ دیا تھا تو یمین نے پھر ثمن کو فون کیا۔ ماہ نور نے بھی اسے یہی مشورہ دیا تھا۔ کہ وہ ثمن کے ذریعے پھپھو سے ساری بات کھلوا دے۔

"ہیلو ثمن" یمین نے فون پر کہا جواباً ثمن نے بھی ایسا ہی کیا۔

حال احوال پوچھنے کے بعد یمین نے ثمن سے بڑے مسرور لہجے میں کہا "آج میں پاس ہوگئی ثمن ___ مصطفیٰ کی امی مجھ سے ملیں۔ بس وہ تو فریفتہ ہی ہوگئیں۔ اب پرسوں شام وہ ادھر آئیں گی۔ تائی کے پاس ___"

ثمن نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا اور بولی "آپ فکر نہ کریں۔ میں امی کو سب کچھ بتادوں گی ___"

"بس اب سارا معاملہ تم پر چھوڑ رہی ہوں۔"

"ایک بات سنیں یمین باجی۔"

"کیا؟"

"آپ خود کیوں نہیں آجاتیں ہمارے گھر۔ ہم دونوں مل کر امی کو سمجھا دیں گے۔"

ثمن پر زور اصرار کرنے لگی۔

یمین نے بھی یہی مناسب سمجھا۔ بولی "اچھا میں شام کو چکر لگاؤں گی۔ لیکن تم ذرا پھپھو کے کان میں بات تو ڈال دینا۔ وہ ذہنی طور پر تیار تو ہو جائیں۔"

"اچھا بابا ابھی بتا دیتی ہوں ___ کہ یمین باجی کے لئے ایک بہت اچھا بہت اونچے گھرانے کا رشتہ آرہا ہے جو ہر صورت ہو جانا چاہئے۔ ہونا۔ مصطفیٰ صاحب اور یمین صاحبہ ایک ہونے کا تہیہ کئے بیٹھے۔"

منزل چھو لینے کو تھی۔ بیداری میں سرشاری کا عالم تھا۔ بھروسے اور اعتماد کی فضا تھی۔ کوئی وسوسہ کوئی واہمہ نہیں تھا۔

اسی لئے۔

جب اس دن مصطفیٰ نے اس سے کہا "سیمین آج امی تمہارے ہاں آ رہی ہیں۔ ہماری رفاقت کا بندھن خدا کرے بخیرو خوبی بندھ جائے۔"

وفور جذبات سے مصطفیٰ نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت سے دبائے تھے۔ سیمین نے اپنے ہاتھ چھڑانے کی رتی بھر کوشش نہیں کی تھی۔ اب یہ ہاتھ اور ان ہاتھوں کے لمس سے رگ رگ میں سنسناہٹ پیدا کرنے والے جذبات کسی غیر سے متعلق نہیں تھے ــــ

مصطفیٰ اس کے اپنے تھے اور وہ مصطفیٰ کی اپنی تھی۔

آج شام رسمی سی تکلفاتی گفت و گو ہی تو ہونا تھی۔

اس کے بعد؟

اس کے بعد؟؟

سیمین کی سوچوں کا رخ کن کن خوشگوار جہتوں پر پھیل گیا ــــ وہ سوچ سوچ کر پھولے نہ سمائی

شام مصطفیٰ کی امی کا فون بھی آ گیا۔

"ہم آپ کی طرف آ رہے ہیں بیٹی "

اس نے جواب دیا تھا "آنٹی یہاں سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں ــــ "

انتظار واقعی ہو رہا تھا۔

تایا جان نے بھی تھوڑی دیر کے لئے ان لوگوں سے ملنے آ جانے کا کہا تھا۔ ورنہ وہ ان دنوں کام کے سلسلے میں گہری شام اترنے تک دفتر ہی رہتے تھے۔

تائی نے بھی پر تکلف چائے کا بندوبست کر رکھا تھا۔

اور

پھپھو بھی آ گئی تھیں ــــ ثمن بھی اس کے ساتھ آئی تھی۔ ادھر تائی کی بڑی بیٹی صبیحہ بھی سسرال سے آ گئی تھی۔ طلحہ بھی گھر پر تھا اور چھوٹی فریحہ بھی اچھا سا لباس پہنے مہمانوں کی آمد کا انتظار کر رہی تھی ــــ آج ایکا ایکی ہی سب کزنز کو سیمین پر ڈھیروں پیار آ رہا تھا۔ لیکن لڑکیاں تو لڑکیاں طلحہ بھی سیمین کو خوب چھیڑ رہا تھا۔

زندگی میں پہلی بار۔

سیمین

اس گھر میں اتنی اپنائیت محسوس کر رہی تھی۔ وہ اپنے ان کزنز کے ساتھ فریحہ کے کمرے میں بیٹھی تھی۔

اور

تائی

پھپھو کے ساتھ سر جوڑے ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر قریب قریب بیٹھیں کوئی بڑی اہم اور سنجیدہ بات کر رہی تھیں۔ تائی باتیں کئے جا رہی تھیں اور پھپھو جواباً اثباتی انداز میں سر ہلا رہی تھیں۔ گویا وہ جو کچھ کہہ رہی تھیں۔ اس پر صاد کی مہر ثبت کر رہی تھیں۔ دونوں کے چہرے بےحد سنجیدہ تھے۔

انتظار کی لذت آمیز گھڑیاں ختم ہوئیں۔

مصطفیٰ اپنی امی اور فردا کے ساتھ آ گئے۔ وہ سیمین کی طرف ہی آئے تھے۔ لیکن یہاں ان کا استقبال صبیحہ نے کیا تھا۔ سیمین بھی اس کے پہلو میں شرمائی لجائی ہنستی مسکراتی کھڑی تھی۔

مصطفیٰ کی امی نے اسے پیار کیا۔ فردا بھی گلے ملی۔ مصطفیٰ نے بھی شوخ نگاہوں سے سیمین کو دیکھا اور دل کی طرف اشارہ کر کے ہاتھ اس طرح ہلایا۔ جانو کہہ رہا ہے کہ دل کانپ رہا ہے۔

سیمین ادائے دلفریبی سے مسکرا دی۔

صبیحہ ان مہمانوں کو بڑی محبت اور تعظیم سے گھر کی طرف لے چلی ــ

دونوں خواتین لباس اور چال ڈھال سے معزز خاندان کی لگ رہی تھیں۔ اندا
گفتگو بھی معززانہ تھا۔ مصطفیٰ کی امی تو بڑی مدبر اور ذہین خاتون لگ رہی تھیں۔

صبیحہ انہیں لے کر راہداری کے ڈرائنگ روم میں آگئی۔ جہاں امی اور پھپھو نے ان کا خیر
مقدم کیا۔ تعارف ہوا اور تپاک سے احوال پرسی کے بعد معزز مہمانوں کو بیٹھنے کی دعو
دی گئی

صبیحہ اور ثمن نے پردے دروازے سے ان لوگوں کو دیکھا۔ مصطفیٰ کی جاذب نظر او
خوبصورت شخصیت سے دونوں بڑی مرعوب ہوئیں۔ اس اثنا میں سیمن بھی ادھر آپہنچ
تھی۔ دونوں اس سے بے اختیارانہ لپٹ گئیں۔ "ہائے دولہا بھائی کتنے خوبصورت ہیں۔

سیمن خوش تو بہت ہوئی لیکن انہیں ہنستے ہوئے ٹوکا "ان سے دولہا بھائی۔"

"بس ہم نے انہیں پاس کر دیا" ثمن نے پھر بازو سیمن کی گردن میں حمائل کر دیا۔

ڈرائنگ روم میں بیٹھے لوگوں میں باتیں شروع ہوگئیں۔ پہلے تکلفانہ ماحول رہا
پھر آہستہ آہستہ فضا بے تکلفی میں تبدیل ہوتی گئی ___ طلحہ مصطفیٰ کے پاس بیٹھے۔
بھی چند منٹوں کے لئے آگئے ___ اپنی پسندیدگی کا اظہار انہوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے
دیا۔"

مہمانوں کی خاطر مدارات شروع ہوگئیں۔ پہلے انہیں مشروب پیش کئے گئے۔
نوکروں کی بجائے ثمن اور فریحہ ہی لے کر آئیں۔ مصطفیٰ کو دیکھ دیکھ کر ان کے لبوں
مسکراہٹیں مچل رہی تھیں۔ مصطفیٰ کی امی اور فردا نے بھی ان لڑکیوں کو پیار کیا۔ جو بڑ
سلیقے اور مودبانہ انداز میں سب کو کرسٹل کے نفیس گلاسوں میں مشروب پیش کر رہی تھ

چائے بھی بڑی پر تکلف تھی۔ ثمن اور فریحہ ہی چائے کی ٹرالی جو لوازمات سے بھ
تھی لے کر آئیں ___ پلیٹیں نفیس کاغذی نیپکن اور گولڈ پلیٹڈ کٹلری ٹرالی میں ر
تھی۔ جو مہمانوں کو کھانے پینے کے لئے پیش کی گئی ___ سب نے پلیٹیں اور نیپک
لئے۔ جسے ضرورت تھی کانٹا یا چمچ اٹھایا۔

خوشگوار باتوں کے درمیان چائے کے لوازمات کھائے گئے۔ بعد میں چائے پی گئی۔"

اس دوران سیمن کمرے میں نہیں آئی ___ ہاں اس کے بعد جب گفتگو کا سنجیدہ
دور چلا تو وہ ثمن اور فریحہ کے ساتھ ڈرائنگ روم کے ایک چوبی دروازے کے ساتھ لگ
کر کھڑی ہوگئی۔

ثمن اور فریحہ تو باتیں سننے کے شوق میں چھپ کر کھڑی تھیں۔

ہاں

سیمن جیسے اپنے کڑے امتحان کا نتیجہ سننے کے لئے بے تابیاں چھپائے وہاں موجود
تھی۔ اس کا دل بے طرح دھڑک رہا تھا۔ اب تک جو بھی باتیں ہو رہی تھیں۔ وہ اس
کے لئے خوشیوں کا پیغام تھیں ___ اسے حیرت ہو رہی تھی۔ کہ تائی اس رشتے کو بخوشی
قبول کر رہی ہیں ___ آنے والوں کو عزت بخش رہی ہیں ___

خوشیاں سیمن کی بساط سے کہیں زیادہ تھیں۔

اسی لئے شاید۔

ان کا بار۔

سنبھل نہ سکا۔

جیسے نفیس کانچ کا پیمانہ لبالب بھرنے پر ہاتھ سے چھوٹ کر چکنا چور ہو جائے کچھ۔

ویسا ہی سیمن کے ساتھ ہوا۔

خوشیاں کرچی کرچی ہو کر اس کی نس نس میں چبھ گئیں۔

ثمن اور فریحہ کے چہرے بھی زرد پڑ گئے۔

جانے

کیسے

ان دونوں نے سیمن کو سنبھالا۔

جو ششدر ہوگئی تھی۔

گنگ ہوگئی تھی۔

پتھرا گئی تھی۔

تائی نے اپنی رضامندی دینے سے پہلے مصطفیٰ کی امی سے کہا تھا "بہن جی۔ ہمیں یہ عزت افزائی بخش رہی ہیں بہت بہت شکریہ۔ لیکن یہ رشتہ طے کرنے سے میں اپنا فرض سمجھتی ہوں۔ کہ آپ کو بتادوں۔ جبین ہمارے خاندان کی بیٹی نہیں ہے۔

ملیحہ سمیت سب نے حیرانگی سے تائی کو دیکھا۔ پھپھو سر جھکائے بیٹھی رہیں

تائی بولے چلی گئیں ___ ""یہ راز آج کھولنا ضروری تھا۔ رشتوں کے معاملوں میں ایسی بات نہیں ہونی چاہیے ___ جس کا بعد میں پتہ چلے اور بدمزگی پیدا ہو۔ یہ بات اور میری نند" انہوں نے پھپھو کی طرف اشارہ کیا "کو پتہ ہے یا ہمارے شوہروں ہمارے بچوں کو بھی اس بات کا پتہ نہیں۔ میرے دیور سلیمان حیدر اور ان کی بیوی نے اسے گود لیا تھا۔ یہ بچی کس خاندان کی ہے۔ اس کی رگوں میں کس کا خون ہے کسی کی جائز اولاد ہے یا ناجائز ہمیں کچھ پتہ نہیں ___ میرے دیور کا ایک ہی بیٹا تھا۔ کے بعد دیورانی کے کسی نقص کے باعث اولاد نہ ہو سکی۔ اسے بیٹی کا بہت شوق تھا۔ دنوں یہ لوگ ملک سے باہر تھے۔ جو کہیں سے انہیں یہ بچی مل گئی ___ جب واپس تو جبین سوا دو سال کی تھی ___ پھر اچانک ہی میرے دیور دیورانی کار ایکسیڈنٹ چل بسے ___ جبین کو ہمارے سسر نے پالا پوسا ___ یہ ان کی انسان دوستی تھی۔ بچی کو اتنی محبت اور پیار سے پالا۔ پڑھایا لکھایا۔ یہاں تک مہربان ہوئے کہ سلیمان حصے سے جو جائیداد بیٹی کی حیثیت سے بنتی تھی۔ اس لڑکی کے نام رجسٹر کروا دی۔ یہ نہیں جانتے ___ یہ لڑکی کون ہے۔ کسی عربی کا خون ہے انگریز کا ہندوستانی کا یا کا ___ جائز بھی ہے یا نہیں ___ اللہ بہتر جانتا ہے۔ سسر کے سامنے تو ہم لوگ جرات ہی نہ ہوئی تھی۔ کہ یہ باتیں پوچھتے۔"

سب دنگ

گنگ

اور

ہراساں نظر آرہے تھے۔

مصطفیٰ کے چہرے کی ساری روشنیاں اس بیان سے زیادہ ماں کے رویے سے گل ہوگئی تھیں۔ جو بہت مضطرب اور پریشان تھیں اور گھور کر مصطفیٰ سے کہا تھا۔ "یہ باتیں پہلے معلوم کرنا تھیں پھر ہمیں یہاں لاتے ___ "

"بہن جی۔ برا نہ مانئے گا۔ آپ کو یہ سب کچھ بتانا ضروری تھا ___ "

مصطفیٰ کی امی اٹھتے ہوئے بولیں "میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ جو بروقت آپ نے مطلع کر دیا۔ ورنہ ہم تو اس کی حسین صورت دیکھ کر ڈوب ہی رہے تھے ___ "

انہوں نے اور زیادہ باتیں نہیں کیں۔ مصطفیٰ اور فردا کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

اور

جس انداز سے وہ وہاں سے گئی ہیں۔

صاف ظاہر ہوتا تھا۔

کہ

وہ

مصطفیٰ کی پسند کا رشتہ ٹھکرا چکی ہیں ___

تائی پھپھو صبیحہ اور ملیحہ گم سم بیٹھے تھے۔

○ ○ ○

انسان خوشیوں آسودگیوں اور آسائشوں کے تعاقب میں اندھا دھند بھاگا چلا جاتا ہے۔ اسے راستے کی کٹھنائیوں کا احساس ہوتا ہے نہ گردوپیش کا۔ اس کی نگاہیں تو صرف ایک روشن نقطے پر مرکوز ہوتی ہیں۔

چھو لینے کا نقطہ۔

پکڑ لینے کا نقطہ۔

کامیابی سے ہمکنار ہونے کا نقطہ۔

اس کے علاوہ اسے اور کسی بات کا ہوش ہی نہیں ہوتا۔ یہ روشن نقطہ اتنا واضح اور اتنا قریب نظر آتا ہے۔ کہ اس تک پہنچنے میں کوئی دشواری نظر نہیں آتی۔

لیکن

وہ نہیں جانتا

کہ

دشواریوں کی سب سے بڑی دشواری تقدیر ہوتی ہے۔ جس کے ماتھے پر آنے والے لمحوں کی تعبیر لکھی ہوتی ہے۔ یہ تقدیر اندھا دھند بھاگنے والے کے ساتھ ہی بھاگ رہی ہوتی ہے ___

کبھی تو

منزل مقصود تک انسان کا ساتھ دیتی ہے۔

اور

کبھی راستے ہی میں ایسا چکر دیتی ہے۔ کہ انسان بوکھلا جاتا ہے۔ اسے پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اس کا اگلا قدم کامیابی کے راستے پر پڑے گا۔ یا ناکامی کے کھڈے میں اور جب و

اچانک ہی خوشیوں کو پکڑ لینے کی کوشش کرتا تیرہ و تاریک گڑھے میں جا گرتا ہے۔ تو اس کے حواس مختل ہو جاتے ہیں۔ دماغ سن ہو جاتا ہے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

تقدیر کا یہی وار سیمیں پر بھی چل گیا تھا۔ وہ خوشیوں کے روشن نقطے تک پہنچتے پہنچتے ایسے گہرے کھڈے میں جا گری تھی۔ کہ اس کا سنبھلنا۔ یا حواس میں رہنا مشکل ہو گیا تھا۔

بیہوشی ایک دم ہی نہیں اترتی۔ بلکہ آہستہ آہستہ چھاتی ہے۔ پہلے دماغ سن سا ہو جاتا ہے۔ رگوں میں سنسناہٹ دوڑتی ہے۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ ٹانگوں سے جان نکلتی محسوس ہوتی ہے۔ آنکھیں پھٹ جانے کی حد تک کھل جاتی ہیں۔ ان میں تحیر تیرتا ہے۔ پھر یہ آہستہ آہستہ مندنا شروع ہو جاتی ہیں۔ کانوں میں سائیں سائیں کی آوازوں کے ساتھ اردگرد ہونے والی آوازیں بھی مبہم مبہم سی سنائی دیتی ہیں۔ پھر ہولے ہولے آوازیں سائیں سائیں کی لہروں میں ڈوب جاتی ہیں۔ دماغ سوچنے اور سمجھنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ جسم میں اپنا ہی بار اٹھانے کی سکت نہیں رہتی۔

تب وہ بیہوشی میں ڈوب جاتا ہے۔

سیمیں بھی آہستہ آہستہ انہیں مراحل سے گزری۔ تائی کی ابتدائی باتیں تو اس نے بہ ہوش و حواس سنیں۔ ایک اس کے اندر دھماکہ ہوا ___ جیسے بم پھٹا ہو۔ وہ اس خاندان کی بیٹی نہیں تھی۔ بلکہ لے پالک تھی۔ اس بات نے اس کے حواس مختل کر دیئے ___ اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا۔ پھر اس کے ماؤف ہوتے ذہن میں تائی کی اور باتوں کے دھماکے بھی ہوئے ___ "وہ کسی کی جائز اولاد تھی یا ناجائز" ___ یہ دھماکہ تو تباہ کن تھا۔ وہ بے اختیارانہ باہر دوڑی۔ ثمن اور فریحہ اس کے پیچھے بھاگیں ___

سیمیں دونوں کانوں پر ہاتھ رکھے آنکھیں بند کئے اپنے گھر کی طرف بھاگ رہی تھی۔ اچانک اس کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ اس کے جسم نے اس کا بوجھ سہارنے سے جیسے انکار کر دیا۔

وہ لڑکھڑائی۔

لہرائی

پھر

فریحہ اور ثمن کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی گر گئی ___ وہ تو اچھی بات تھی۔ جو
کے ملازم نے بھاگ کر اسے ہاتھوں پر لے لیا تھا۔ ورنہ فرش پر اس طرح گرتی۔ تو
پھٹ جانا یقینی تھا۔

ساری فضا ایک دم ہی بدل گئی تھی۔ مہیب سی خاموشی درودیوار پر چھائی
سارے گھر والے سیمین کے بیڈ کے گرد جمع تھے۔ جو بیہوش پڑی تھی۔ پھپھو نے دو
بار جھک کر اس کے گال تھپتھپائے تھے۔ صبیحہ نے پانی کے چھینٹے منہ پر مارے تھے۔
نے کئی بار اس کا کندھا ہلایا تھا۔ لیکن وہ بے سدھ پڑی تھی۔

"کسی ڈاکٹر کو بلانا چاہئے" صبیحہ نے طلحہ سے کہا جو ایک طرف سے سینے پر ہا
باندھے کھڑا تھا۔

"ابھی ہوش آجائے گا" تائی جلدی سے بولی۔

"امی آپ نے خواہ مخواہ ___"

صبیحہ کی بات پر تائی چمک کر بولی "اے ہے اب میرے سر تھوپو ساری بات۔
ان لوگوں سے یہ بات چھپائے رکھتی ___"

"کیا ہرج تھا امی" طلحہ سنجیدگی سے بولا "جب آپ نے ہم سب سے یہ بات مدا
چھپائے رکھی تو آج بھی چپ رہتیں ___"

"نہیں بیٹے ان لوگوں پر یہ بات واضح کرنا ضروری تھی" پھپھو نے سیدھے ہو
ہوئے کہا۔

"یہ بات راز رکھ کر رشتہ طے کرنا بے ایمانی ہوتی اور شاید بعد میں یہ بات خطرنا
حد تک سنجیدہ ہو جاتی ___"

"امی" ثمن بولی "یہ بات بتانا اتنی ہی ضروری تھی۔ تو آپ لوگوں کو چاہئے تھا۔
سیمین کو بتاتیں ___ اسے اتنا صدمہ تو نہ ہوتا ___ دیکھیں نا کب سے بیہوش پ

ہے۔"

فریحہ اس وقت سیمین سے بے پناہ ہمدردی محسوس کر رہی تھی اس کی آنکھوں میں
نمی تیر رہی تھی گلوگیر آواز میں بولی "کسی ڈاکٹر کو تو بلاؤ ___ اسے ہوش تو آئے ___"

"ہاں طلحہ ___ ذرا فون کردو ___ یہ قریب ہی ڈاکٹر اکرم ہیں ___ انہیں ہی بلا
لاؤ ___" پھپھو نے کہا۔

"ان کے اپنے بیشمار ڈاکٹر کولیگ ہیں۔ انہیں میں سے کسی کو بلالیں" ثمن نے کہا۔

"مجھے ماہ نور کا نمبر پتہ ہے ___ اسے فون کروں" فریحہ نے کہا "ثمن تمہیں بھی تو
ماہ نور کا نمبر پتہ ہے۔"

"وہ تو ہوسٹل میں ہوتی ہے ___" تائی بولی۔

"کوئی بات نہیں ___ سیمین کی بہت پکی اور اچھی دوست ہے آجائے گی۔ ویسے
پہلے آپ ڈاکٹر اکرم کو بھی بلالیں ___" ثمن نے کہا۔

طلحہ خاموشی سے کمرے سے نکل گیا اور ثمن فون کی طرف لپکی۔

ڈاکٹر نے آتے ہی سیمین کے اردگرد کھڑے لوگوں کو وہاں سے ہٹایا۔ پھر جھک کر اس
کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ آنکھوں کے پپوٹے انگوٹھے سے قدرے اونچے کرکے اس کی
آنکھیں دیکھیں۔ ناک بند کرکے سانس چند لمحوں کے لئے روکی۔ تاکہ وہ منہ سے سانس
لے تو بھینچے دانت کھل جائیں۔

اپنے طور پر اس نے ہر ممکن جتن کیا، ضروری طبی امداد پہنچائی۔ سیمین ہلی ایک دو بار
آنکھیں بھی کھولیں لیکن ہوش میں نہ آئی۔

"انہیں ہسپتال لے جانا پڑے گا" ڈاکٹر نے اس کا بلڈ پریشر لیتے ہوئے کہا۔ سب
ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ تائی اب قدرے خجل سی نظر آرہی تھی۔

ڈاکٹر کے جانے سے پہلے ماہ نور اور منیب آگئے۔ دونوں نے اسے دیکھا ماہ نور تو گھبرا
ہی گئی۔ ہاں منیب نے تسلی سے اس کا معائنہ کیا۔ اس کی رائے بھی اسے ہسپتال شفٹ
کرنے کی تھی۔ لمبی بیہوشی خطرے کا باعث بن سکتی تھی۔

ہسپتال میں سبین کو ایک صاف ستھرے الگ کمرے میں رکھا گیا۔ اس کے سار
کولیگ دوڑے چلے آئے۔ سرقیوم بھی اتفاق سے ابھی ہسپتال ہی میں تھے۔ انہوں
بھی آکر اسے دیکھا۔ یہاں اس ہر قسم کی طبی امداد اور سہولت پہنچائی گئی۔ رات
ساڑھے گیارہ بجے کے قریب اسے ہوش آنا شروع ہوا ___

لیکن ہوش میں آنا بیہوشی سے بھی بدتر تھا۔ پہلے تو وہ گردو پیش خالی خالی نظروں س
تکتی رہی ___ پھر جیسے اسے سارا واقعہ یاد آگیا ___ ایک دم ہی اس کے چہرے ک
رنگت بدل گئی۔ مٹھیاں بھنچ گئیں۔ رگیں پھول گئیں اور وہ بے اختیارانہ چیخنے لگی۔

ماہ نور ملیحہ اور ڈاکٹر سارہ نے بمشکل اسے سنبھالا۔ مرد ڈاکٹر جو کمرے سے باہر کھڑ
منیب سے اس کی باتیں کر رہے تھے دوڑے دوڑے اندر آئے۔ طلحہ ثمن اور صبیحہ وغیر
بھی باہر تھیں۔ لپک کر اندر آئیں۔ سبین چیخے جارہی تھی۔ اس کا گلا بیٹھ گیا تھا ___
جسم ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ کبھی چیخیں رکتی تو ٹوٹے پھوٹے لفظ اس ک
ہونٹوں پر تھرکتے ___

"میں کون ہوں ___"

"مجھے بتاؤ ___ میں کون ہوں ___"

ماہ نور تو اسے سنبھالتے ہوئے روئے جارہی تھی۔ "سبین سبین" پکارتی۔ لیکن و
کہاں سنتی تھی ___

صبح تک اس کی یہی حالت رہی۔ کبھی بیہوش ہو جاتی۔ کبھی ہوش میں آکر چیخنے
چلانے اور واویلا کرنے لگتی۔

سارا دن بھی یہی کیفیت رہی۔ سرقیوم نے بتایا کہ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوگی
ہے۔ جس کے لئے اس کی سائیکو تھراپی ہونا ضروری تھی۔ ان کی ہدایت پر اسے دوسری
طرف منتقل کیا گیا۔ جہاں اس کا علاج سرقیوم کی نگرانی میں ہونے لگا۔ ماہ نور منیب اور
سبین کے دوست ڈاکٹروں نے بڑی محبت سے اس کی تیمارداری شروع کردی۔ آپس میں
ڈیوٹیاں بانٹ لیں۔ حالانکہ فریحہ ثمن طلحہ اس کے پاس تھے۔ اماں فضیلت بھی یہاں ہی

تھی۔

دو دن اتنی پریشانی میں گزرے۔

کہ

منیب یا ماہ نور اس کی اطلاع مصطفیٰ کو بھی نہ دے سکے۔ تیسرے دن منیب نے
ساری بات مصطفیٰ کو بتائی تو وہ حواس باختہ سے ہوگئے۔ منیب کے دونوں بازوؤں پر اپنے
ہاتھوں کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے وہ بے اختیارانہ چلائے "اتنے دن تم نے مجھے بتایا
ہی نہیں ___"

"اس بات سے اندازہ کرلو۔ کہ اس کی حالت کتنی پریشان کن تھی" منیب نے ان
کے ہاتھ اپنے بازوؤں سے جھٹک کر ہٹاتے ہوئے کہا۔ وہ اب پورے قصے سے آگاہ ہو چکا
تھا اسے مصطفیٰ پر غصہ بھی آرہا تھا اس لئے سختی سے بولا "تمہارے سامنے اس دن اتنی
بڑی بات ہوگئی ___ تم اپنی امی اور بہن کے ساتھ ہی اٹھ کر چلے آئے ___ آکر فون
ہی کرلیتے ___ تم نے اتنا بھی نہ سوچا ___ کہ تم لوگوں کے یوں اٹھ آنے سے اس نے
کیا اثر لیا ہوگا ___"

مصطفیٰ نے چہرہ دونوں ہاتھوں پر گرالیا۔ اور جب سر اٹھایا تو ان کی آنکھیں سرخ ہو
رہی تھیں بیچارگی سے بولے "منیب مجھے اس کے پاس لے چلو ___ پلیز ___ مجھے لے
چلو۔"

منیب کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "اتنے جذباتی ہونے کی اب ضرورت نہیں ___ بیٹھو
ابھی۔

سنبھالو اپنے آپ کو۔ اس کی حالت قدرے بہتر ہو رہی ہے۔ یہ نہ ہو تم جاؤ۔ تو
تمہیں دیکھ کر وہ پھر چیخنے چلانے لگے۔"

"خدا کے لئے منیب ___ مجھے بتاؤ وہ کس کمرے میں ہے۔ مجھے مت روکو ___"
وہ کھڑے کھڑے بولے۔

"صبر بھئی صبر۔ میں کہہ رہا ہوں نا بیٹھ جاؤ۔ اسے انجکشن دے کر سلایا جاتا ہے۔

میرا خیال ہے وہ سو رہی ہوگی ___"

"تم ٹال مٹول کیوں کر رہے ہو؟"

"اس لئے کہ تمہارا اس طرح وہاں جانا ٹھیک نہیں ___"

"کتنے دن انتظار کروں۔"

"علاج موثر ہے ___ اس کی یہ ہذیانی کیفیت ٹھیک ہو جائے گی۔ ابھی تو ہوش میں آتے ہی وہ پھر باتیں کرنے لگتی ہے جوش میں آجاتی ہے۔ مٹھیاں بھینچ لیتی ہے۔ آنکھوں سے وحشت ٹپکنے لگتی ہے اور پھر یا تو چلانے لگتی ہے یا پوچھنے لگتی ہے "میں کون ہوں۔"

"یا میرے خدا ___" مصطفیٰ نے دونوں ہاتھ گالوں پر رکھ کر آنکھیں بند کرلیں۔

وہ چند لمحے ویسے ہی کھڑے رہے۔

منیب بھی چپ چاپ کچھ سوچتا رہا۔

پھر

وہ بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا "آنٹی واپس کراچی چلی گئی ہیں؟"

مصطفیٰ میز کے سرے پر بیٹھتے ہوئی اداس لہجے میں بولے "ہاں۔ کل چلی گئی تھیں۔"

"ان کا رد عمل؟"

"تم جانتے ہو ___ کیا ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر ___ تم ___"

"اس وقت میں کچھ نہیں جانتا مجھے صرف ثمین سے ملنا ہے اسے دیکھنا ہے۔"

"اور اس کے لئے کچھ کرنا بھی ہے یا ___"

"یار منیب یہ وقت الٹی باتیں کرنے کا نہیں ___ تم میری پریشانی کا اندازہ نہیں کرسکتے کیا؟"

"کرسکتا ہوں۔ لیکن حقائق کو بھی دیکھنا ضروری ہے ___"

"کیسے حقائق ___؟"

"یہی کہ ___ آنٹی ___ تو میرے خیال میں اسے ریجیکٹ کر گئی ہیں۔ میرا یقین ہے۔ کہ وہ کسی ایسی لڑکی سے جس کا ماضی بے نام و نشان ہے تمہارا رشتہ کبھی نہیں جوڑیں گی ___ پھر منیب انگریزی میں بولا "کیا میں درست کہہ رہا ہوں ___"

مصطفیٰ چپ رہے ___

"تمہاری آنٹی سے اس بارے میں کوئی بات ہوئی۔"

وہ اب بھی چپ رہے۔

"لگتا ہے آنٹی کے سامنے تم جھاگ کی طرح بیٹھ گئے ___"

"منیب ___"

"مصطفیٰ بات کو سمجھو۔ معاملہ بڑا پیچیدہ ہو گیا ہے ___ کیا تم ساری گھمبیر صورت حال کا اکیلے مقابلہ کر سکتے ہو ___ ثمین جو بھی ہے ___ تمہیں قبول ہے۔"

"وہ میری زندگی ہے ___"

"یہ لفاظی مت کرو۔ میری بات کا جواب دو۔ میں نے کہا معاملہ بڑا پیچیدہ ہو گیا ہے۔ ثمین کون ہے۔ کس خاندان کی ہے اور بقول اس کی تائی وہ جائز ___"

"منیب خدا کے لئے بس کرو۔ میری حالت پر رحم کھاؤ۔"

"میں تو کہوں گا تم ثمین کی حالت پر رحم کھاؤ۔ یہ فیصلے کی گھڑی ہے۔ تم اپنے ماں باپ سے ٹکر لے کر ان حالات میں ثمین کو اپنا سکتے ہو۔ تب تو ٹھیک ہے ابھی چلو اس کے پاس اور اگر ایسا نہیں کر سکتے یا نہیں کر سکو گے تو بہتر ہے یہیں بیٹھ کر پریشان ہو لو۔ اس کے پاس نہیں جاؤ ___ اس کا نروس بریک ڈاؤن پہلے ہی ہو چکا ہے۔ بمشکل وہ ٹھیک ہونے کے رخ پر آرہی ہے ___"

"کچھ بھی ہو ___ میں اسے دیکھنے جارہا ہوں۔ کسی سے پتہ کرلوں گا کہ وہ کس کمرے میں ہے۔"

وہ آفس سے باہر جانے لگے تو منیب لپک کر آیا اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا

"چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ وہ بے سدھ ہوئی تو اسے ڈسٹرب نہ کرنا۔ بس دیکھ کر
چلے جانا ___ پھر میری باتوں کی روشنی میں کوئی فیصلہ کرسکو ___ تو ___"

"تم ___ مجھے مسلسل پریشان کر رہے ہو ___"

"تمہیں حالات کی سنگینی سے آگاہ کرنا میرا فرض ہے۔"

"شکریہ۔"

وہ باہر نکلے تو منیب بھی باہر آگیا۔

اب وہ انہیں سبین کے پاس جانے سے نہیں روک سکتا تھا۔ اس نے بھی سوچا:
ہوگا دیکھا جائے گا۔ چنانچہ انہیں لے کر سبین کے کمرے کی طرف آگیا۔

سبین انجکشن کے زیر اثر تھی۔ لگتا تھا چپ سادھے پڑی ہے۔ چہرہ پژمردہ اور زرد
تھا۔ بال بکھرے تھے۔ کپڑے بھی مسلے ہوئے تھے۔

اس کے پاس ماہ نور بیٹھی تھی۔ سبین کے گھر سے کچھ لوگ ابھی ابھی اسے دیکھ
گئے تھے۔ ڈاکٹر زکی اور عمیر بھی کچھ ہی دیر پہلے آئے تھے۔ اب واپس جا رہے تھے ___
ماہ نور بھی بے حد تھکی ہوئی اور نڈھال نڈھال لگ رہی تھی۔ انہوں نے بہتیرا کہا
"ہم دونوں یہاں بیٹھتے ہیں۔ آپ اپنے کمرے میں جاکر کچھ دیر آرام کرلیں۔"

لیکن

وہ نہیں مانی تھی ___ رات اس نے اسی کمرے کے دوسرے بیڈ پر کچھ نیند نکال لی
تھی۔

مصطفیٰ کی نظر کمرے میں قدم رکھتے ہی سبین پر پڑی ___ تو انہوں نے گھبرا کر
آنکھیں بند کرلیں اور ہاتھ سے ماتھا پکڑ لیا۔

منیب نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں کرسی پر بٹھا دیا ___ جہاں وہ کئی منٹ اسی حالت
میں بیٹھے رہے۔ منیب کرسی کے پاس ہی کھڑا رہا۔ ماہ نور نے اپنا سٹول جس پر وہ بیڈ کے
قریب بیٹھی تھی منیب کو پیش کیا۔ لیکن اس نے اشارے سے منع کر دیا۔

مصطفیٰ نے کئی منٹ کی مہیب خاموشی کے بعد زبان کھولی اور بھرائی ہوئی آواز:

بولے "یہ سب ___ کیا ___ ہوگیا ___"

"کل تک انشاء اللہ سبین ہوش میں آجائے گی۔ سرقیوم کے ساتھ آج سر زاہد بھی
آئے تھے۔ دونوں کا یہی خیال ہے۔"

"ضرور آجائے گی" منیب بولا "لیکن اس کا ہوش میں آنا بھی تو صدہا پریشانیوں کے
ساتھ ہوگا نا ___ وہ انہیں کیسے فیس کرے گی؟"

"یہی تو فکر مجھے بھی کھائے جا رہی ہے ___" ماہ نور نے سبین کے چہرے پر نظریں
جمائے جمائے کہا ___ پھر خود ہی بولی "بیچاری سبین ___ ہائے اللہ کیا کرے گی یہ۔"

منیب بولا "حیرانی کی بات تو یہ ہے ___ کہ اسے پتہ ہی نہیں تھا؟"

"اس کے گھر میں سوائے چند بڑوں کے کسی کو بھی پتہ نہ تھا۔ کہ وہ ان کے خاندان
کی بیٹی نہیں ہے ___"

"ہاں۔ لیکن گھر کے بڑوں کا اس کے ساتھ سلوک کچھ اچھا بھی تو نہیں تھا۔"

"سبین تو یہی سمجھتی تھی۔ کہ وہ چونکہ اسے خود سر اور دادا کے لاڈ پیار میں بگڑی
ہوئی سمجھتے ہیں ___ اسے کیا پتہ تھا کہ اصلی بات کیا ہے؟"

وہ دونوں باتیں کرتے لگے اور مصطفیٰ اپنی کھوئی ہوئی ہمتوں کو مجتمع کرنے کی کوشش
کرتے رہے ___ وہ کچھ کہہ نہ پا رہے تھے۔ بس کبھی سر تھام لیتے۔

اور

کبھی سبین کے چہرے کو ٹکٹکی باندھے تکے جاتے۔ ان کی ذہنی حالت ابھی ایسی نہ
تھی۔ کہ وہ معاملے کی پیچیدگیوں کو سلجھاتے یا مستقبل کے پلان کے متعلق سوچتے۔"

ہاں یہ احساس غالب تھا۔ کہ آنے والے دور کا چمکتا دمکتا سورج اچانک ہی تاریکیوں
میں ڈوب گیا ہے۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا ہے۔ روشنی کی ایک کرن بھی کہیں
چمکتی نظر نہیں آتی۔

کافی وقت گزر گیا۔

مسز جہاں آرا سبین کا بی پی لینے آئی۔ پھر ڈاکٹر صغیر جو سرقیوم کے اسسٹنٹ تھے

آئے۔ منیب سے وہ باتیں کرتے رہے۔ انہیں بھی یقین تھا۔ کہ سیمن کل تک ہوش میں آجائے گی۔

لیکن

ساتھ ہی

خدشہ بھی تھا ___ کہ ہوش میں آکر وہ شاید اچھا ردعمل نہ دے۔

ان کا کہنا تھا۔ کہ ہوش کے بعد ڈاکٹر سیمن کو سپیشل نگہداشت کی ضرورت ہوگی ان کا حوصلہ اور ہمت بڑھانے کے لئے پیار اور محبت سے کام لینا ہوگا۔ اس وقت انہیں مخلص رشتہ داروں اور دوستوں کی شدید ضرورت ہوگی۔

ڈاکٹر اور سسٹر کے بعد بھی مصطفیٰ اسی طرح بیٹھے رہے۔ ان کی ہمت نہیں بندھ رہی تھی شاید۔

پھر

اچانک ہی سیمن کراہی ___ اس نے ہاتھ ادھر ادھر مارے۔ ماہ نور جلدی سے اس پر جھک گئی۔ منیب بھی قریب آگیا۔

مصطفیٰ بھی کرسی سے ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن قدم وہیں رک گئے۔

"سیمن۔ سیمن" ماہ نور نے اسے پکارا۔

خلاف توقع اس نے "ہوں" کی آواز نکالی۔

تو

ماہ نور نے اس کی گردن تلے اپنا بازو لے جاتے ہوئے اس کا سر قدرے اونچا کیا۔

"سیمن" اس نے اس کا سر بار بار ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔"

"آنکھیں کھولو ___"

سیمن نے تھوڑی سی آنکھیں کھولیں ___

"سیمن ___ مجھے دیکھو ___ میں کون ہوں؟" ___ ماہ نور نے بے تابی سے کہا۔

"تم ___" اس کی بمشکل آواز نکلی۔

"ہاں ہاں میں ___" ماہ نور نے پر امید لہجے میں کہا۔

"تم ___"

"ہاں۔ میں کون ہوں بھلا ___"

"پتہ نہیں۔"

"سیمن ___ سیمن ___" لیکن سیمن کی آنکھیں پھر بند ہوگئیں۔ ماہ نور کی آواز وہ اب نہیں سن رہی تھی ___ ماہ نور نے مایوس ہوکر آہستگی سے اس کا سر پھر تکیے پر رکھ دیا۔ وہ پھر بے سدھ ہوگئی تھی۔

"مصطفیٰ" منیب نے مصطفیٰ کی طرف دیکھ کر کہا آثار اچھے ہیں۔ میرا بھی خیال ہے کہ سیمن کو کل تک مکمل ہوش آجائے گا ___ انجکشن اچھا اثر کر رہے ہیں ___"

"لیکن ___" مصطفیٰ آہستگی سے بولے ___ "ہوش میں آنے کے بعد کیا ہوگا۔"

"دیکھا جائے گا۔ اس کرائسس سے تو نکلے ___"

منیب مصطفیٰ کو لے کر کمرے سے باہر آگیا۔ پھر اس نے مصطفیٰ سے بتیرا کہا۔ کہ وہ اپنے آفس میں چلے جائیں۔

لیکن

وہ نہیں گئے۔ وہیں برآمدے میں کھڑے رہے۔

○ ○ ○

کئی دن جذباتی ریلوں میں بہنے کے بعد صحیح علاج اور پیار و محبت سے دیکھ بھال ہونے کے بعد یمین کچھ سنبھل سی گئی۔ اب وہ نہ تو چیختی چلاتی تھی۔ نہ شور مچاتی تھی نہ ہی جوش میں آکر مٹھیاں بھینچتی تھی اور نہ ہی چیخ چیخ کر پوچھتی تھی۔ کہ میں کون ہوں۔

میری شناخت کیا ہے۔

میری پہچان کیا ہے۔

میرا مقام کیا ہے۔

وہ اب بالکل چپ ہو گئی تھی۔ سب کو ٹکر ٹکر دیکھتی تھی۔ پہچانتی تھی۔ لیکن بات کوئی نہ کرتی تھی۔

ہاں ماہ نور ہی کبھی اسے باتیں کرنے پر مجبور کر دیتی تو وہ ایک آدھ جملہ کہہ دیتی۔ ماہ نور روزانہ اس کے کپڑے تبدیل کرواتی۔ بالوں میں برش کرتی ___ یمین ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔ اب وہ یہی سوچتی رہتی۔ کہ بکھرے ٹکڑوں کو کیونکر جمع کرے اور کسی صورت میں ڈھالے ___

وہ کون تھی؟

اس کی شناخت کیسے ہو سکتی تھی؟

اس کا کس خاندان سے تعلق تھا۔؟

وہ کہیں کسی گندی نالی کا کیڑا تو نہیں تھی ___

اسے جنم دے کر اس دنیا میں پھینک دینے والے کون تھے؟

اب اس کے ذہن میں ہر وقت یہی سوال رینگتے رہتے۔ وہ خاموشی سے انہیں کو سوچتی اور جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتی۔

مصطفیٰ اسے دیکھنے صبح و شام آتے۔ وہ بہت مضمحل اداس اور پریشان دکھائی دیتے یمین سے باتیں کرنے کی بھی کوشش کرتے۔ لیکن وہ ان کی کسی بات کا جواب نہ دیتی۔ ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتی بھی نہیں۔

مصطفیٰ کو ذہنی کوفت ہوتی ___ اذیت سے دو چار رہتے۔ ان کا جی چاہتا۔ یمین ان سے باتیں کرے وہ اسے تسلی دیں ___ اس کے دکھ اور پریشانیاں بانٹ لینے کی بات کریں۔ اس وقت وہ صرف اور صرف اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ باتیں سوچ رہے تھے۔ اپنی ماں کے رویے یا ارادے کے متعلق ابھی ان کا ذہن سوچنے کو تیار ہی نہ تھا۔

یمین جب اذیت کے دور سے نکل گئی۔ تو سر قیوم نے اسے گھر جانے کی اجازت دے دی۔ دوائیوں اور ٹرینکولائزر گھر پر بھی لئے جا سکتے تھے۔ اس لئے ہسپتال کے ماحول سے نکال کر اسے گھر کی فضا میں لے جانا ضروری تھا۔ سر قیوم کہتے تھے۔ کہ گھر کی مانوس فضا اس کی صحت پر اچھا اثر ڈالے گی۔

ماہ نور نے ہسپتال سے چھٹی ملنے اور گھر جانے کی خوشخبری بڑے خوشگوار انداز میں اسے سنائی۔

تو وہ سپاٹ چہرے اور بے رونق آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی "میرا کونسا گھر ہے؟"

ماہ نور سمجھی اسے پھر دورہ پڑنے کو ہے جلدی سے بولی "اپنے گھر جہاں تم رہتی ہو۔"

یمین نے آنکھیں بند کر لیں اور دکھ سے بولی "وہ میرا گھر کہاں؟"

ماہ نور نے اس کا ہاتھ محبت سے تھام کر کہا "یمین ایسی باتیں نہ کرو۔ نہ سوچو وہ گھر تمہارا ہے۔ بلکہ وہ تو تمہاری ملکیت بھی ہے تمہارے دادا ___"

یمین نے اس کی بات کاٹی اور دردیلے لہجے میں بولی "وہ میرے ___ دادا کب تھے؟ میرا دادا تو پتہ نہیں کون ہو گا ___"

"سبین ___ " ماہ نور نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا ___ " چلو وہ تمہارے دادا
سہی۔ لیکن انہوں نے جتنی محبت تمہیں دی۔ کیا تم اسے بھی بھول جاؤ گی ___ "

سبین چپ ہوگئی ___ ماہ نور اسے ان ٹوٹے رشتوں سے پیار کے ناطے
جوڑنے کی کوشش کرنے لگی ___ اس نے اسے بہت سمجھایا۔ سبین چپ چاپ سن
رہی۔ وہ بولتی رہی۔

"تمہیں ایک ٹھکانے کی ضرورت ہے سبین۔ گھر نہیں جاؤ گی تو کہاں جاؤں گی۔"

"ہوسٹل میں رہ لوں گی ___ " ماہ نور کے لمبے سے لیکچر کے بعد سبین نے کہا۔

"سبین ___ ایسا سوچو بھی نہیں ___ تمہارا اپنا گھر ہے ___ جہاں تم پہلے بھی
رہتی تھی اب بھی رہو گی ___ " ماہ نور نے محبت سے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام
کر کہا۔

"وہاں سب لوگ اجنبی ہیں ___ میرے کچھ بھی نہیں لگتے۔ میرا کسی سے کو
رشتہ ہے ہی نہیں۔"

"تم سلیمان اور شمسہ مرحوم کی لے پالک ہو۔ ان کی حیثیت تمہارے ماں باپ
سی تھی ___ "

"وہ بھی تو نہیں رہے ورنہ ان سے ہی پتہ چل جاتا۔ کہ میں کون ہوں ___ ؟"

"اب اس بات کو چھوڑو ___ "

"کیسے چھوڑ دوں ماہ نور ___ مجھے تو اس وقت تک چین نہیں آئے گا۔ جب تک
مجھے میری شناخت میری پہچان اور میرے مقام کا پتہ نہ چلے گا ___ "

"سبین۔"

سبین ماہ نور سے چمٹ کر خوفزدہ سی ہو کر بولی "ماہ نور ___ کہیں میں کسی گندی
کا کیڑا تو نہیں۔ کسی کے گناہوں کا ثمر ___ کسی ___ "

"چپ ہو جاؤ سبین ___ مت سوچو ایسی باتیں ___ اپنے ذہن کو سکون دو۔"

"وہ تو اسی دن ملے گا۔ جس دن میں اپنے آپ کو ڈھونڈ لوں گی تلاش کرلوں گی۔

"یہ کام تم نے کرنا ہے ___ تو سوچوں کو مثبت راہ پر ڈالو۔ چپ چاپ گھر چلو۔
آرام سے رہو۔ پھر سکون سے سوچو کہ اب تم نے کیا کرنا ہے۔"

سبین کو اپنے ہی گھر سے وحشت ہو رہی تھی۔ لیکن ماہ نور کے سمجھانے کا بھی کچھ
اثر ہوا ___ اسے ٹھکانہ تو چاہئے ہی تھا۔ اجنبیوں میں رہنے سے گریزاں ہو کر وہ کچھ
نہیں کر سکتی تھی ___ اپنی تلاش کا اگر اسے مثبت نتیجہ مل گیا۔ تب وہ یہ گھر چھوڑ بھی
سکتی تھی۔

لیکن

ابھی زیادہ سوچنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ سوچوں کے الجھاؤ اس کے ذہن پر بہت
برا اثر ڈالتے تھے۔ اس نے خود ہی ان سوچوں کو ذہن سے جھٹک دیا ___

وہ ماہ نور کے کہنے پر گھر جانے کو تیار ہو گئی۔

شام چھ بجے اسے گھر سے ملک اور صبیحہ لینے آنے والے تھے۔ ماہ نور نے اس کا
سامان اماں فضیلت کے ہاتھ گھر بھجوا دیا تھا۔ اماں فضیلت دو ہفتوں سے سبین کے ساتھ
ہسپتال میں ہی تھی ___ اس لئے ماہ نور نے اسے دوپہر ہی کو گھر بھجوا دیا۔ تاکہ سبین کا
کمرہ وغیرہ صاف کر دے۔

ماہ نور اس وقت کمرے ہی میں تھی۔ جب مصطفیٰ آ گئے۔ سبین کھڑکی کے قریب
کھڑی باہر دیکھ رہی تھی۔ باہر سہ پہر اتر رہی تھی۔ لیکن دھوپ خوب روشن اور تیز
تھی۔ کمرے میں اے سی چل رہا تھا۔ اس لئے باہر کی تپش کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد سبین نے نقاہت محسوس کی۔ آج سارا دن اسے دیکھنے
اس کے کولیگ آتے رہے تھے۔ سبین کو اب ان کے جذبات سے پوری آگہی تھی۔ اس
لئے وہ پورے خلوص سے ان کی محبتیں سمیٹتی رہی ___ یہ سب اس کے کچھ نہیں لگتے
تھے۔

لیکن

کتنا پیار دے رہے تھے۔

کتنا خیال رکھ رہے تھے۔

اس کے یوں بیمار ہو جانے سے کتنا پریشان ہو رہے تھے۔

اس کے ساتھ ہونے والے دکھ دہ حادثے سے کتنی اذیتوں سے گزر رہے تھے۔

سیمن بیڈ کی طرف پلٹی۔

تو

اس کی نظر بیڈ کے دوسری طرف خاموش کھڑے مصطفیٰ پر پڑی ـــــ جن کی چہ
میں اتنا غم تھا۔ کہ سیمن کا دل ایک دفعہ تو مسلا گیا۔

لیکن

وہ کسی کمزوری کے اظہار کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

"سیمن۔ کیسی ہو اب" مصطفیٰ نے کہا "ماہ نور نے بتایا آج گھر جا رہی ہو۔"

"اپنا گھر تو اب کوئی رہا ہی نہیں" سیمن نے آج پہلی بار مصطفیٰ سے ہوں ہاں ـ
علاوہ بھی بات کی "ویسے آج جا ہی رہی ہوں ـــــ بقول ماہ نور مجھے ٹھکانہ تو چاہئے نا۔"

مصطفیٰ نے اک دکھ بھری ٹھنڈی سانس کھینچی۔ ان کی آنکھوں میں اذیت کے واضح
آثار تھے بولے "سیمن کیا تم اس تلخ اور ترش واقعے کو ذہن سے جھٹک نہیں سکتیں۔"

سیمن دکھ اور طنز کے ملے جلے لہجے میں بولی "کون جھٹکنے دے گا؟ آپ؟ یا آپ ـ
گھر والے ـــــ جو حقیقت کے رخ سے پردہ اٹھتے ہی مجھے چھوڑ کر ایسے بھاگے ـــــ
جیسے گندی نالی کے کیڑے سے لوگ اپنا صاف دامن بچانے کے لئے بھاگتے ہیں۔"

"سیمن۔"

"آج سن لیجئے ڈاکٹر صاحب ـــــ میرا آپ کا کوئی تعلق اور کوئی واسطہ نہیں رہا۔
آپ میرے ہوش میں آنے کے بعد یہاں مسلسل آ رہے ہیں۔ شاید میری بیہوشی میں بھی
آتے رہے ہوں ـــــ"

"سیمن" ماہ نور نے اس کی بات ٹوکنے کے انداز میں کاٹی۔ "کیسی باتیں کر رہی ہو۔"

اس نے مصطفیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "انہیں ابھی تک شاید حقیقت کا

احساس نہیں ہوا ـــــ میں انہیں گھر جانے سے پہلے اس بھیانک چہرے سے متعارف کرا
دینا چاہتی ہوں ـــــ"

"سیمن خدا کے لئے ایسی باتیں مت کرو۔ تمہیں ابھی ایسی سوچیں ذہن میں نہیں لانا
چاہئیں۔"

ماہ نور نے اس کا کندھا پکڑ کر کہا۔ "مصطفیٰ بیچارے کا کیا قصور" تم ان سے بدظن تو
نہ ہو ـــــ"

"قصور تو میرے مقدر کا ہے ماہ نور ـــــ" سیمن بولی۔

"بخدا سیمن" مصطفیٰ جیسے کراہے ـــــ "سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیسے؟" وہ جیسے سوکھی آنکھوں سے رو پڑی ـــــ پھر چند لمحے چپ رہنے کے بعد
بولی "آپ کی والدہ کا ردعمل قدرتی ہے۔ وہ اک بے نام و نشان لڑکی کو کیسے اپنا سکتی ہیں۔
مجھے ان سے کوئی گلہ بھی تو نہیں۔ انہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔ وہ حق بجانب ہیں۔ کیا پتہ
میں کون ہوں؟ میری ابتدا کہاں سے ہوئی ـــــ؟ کس نے مجھے دنیا کے سمندر میں تنہا
دھکیل دیا ـــــ"

"سیمن" مصطفیٰ بے اختیارانہ اس کی طرف بڑھے اور اس کے کندھوں پر والہانہ
انداز میں ہاتھ رکھ دیئے۔

جنہیں

بڑی آہستگی سے اس نے اپنے ہاتھ سے ہٹا دیا۔ وہ اس طرح بت بنی کھڑی تھی۔
جیسے کسی جذبے سے آشنا ہی نہ ہو ـــــ

ماہ نور ڈر گئی کہ کہیں پھر وہ ہذیانی کیفیت سے دو چار نہ ہو جائے۔ اس لئے آگے
بڑھی اور مصطفیٰ سے بہ منت کہا "آپ اسے ابھی کچھ نہ کہیں ـــــ"

"ابھی نہیں ماہ نور ـــــ یہ مجھے اب کبھی بھی کچھ نہ کہیں۔ میں کسی طور بھی ان
کے قابل نہیں۔"

"سیمن مت کہو ایسی باتیں ـــــ جو دکھ اور آزار کے سوا مجھے اور کچھ نہ دیں۔"

سبین ہنس پڑی ___ چند لمحے ہنستی ہی رہی۔ ماہ نور گھبرا گئی ___

"تم کیوں گھبرا رہی ہو ماہ نور ___ اچھا ہے آج ہم کھل کر بات کرلیں۔ ہم کبھی ایک دوسرے کے نہیں ہوسکتے۔ اگر خوش قسمتی سے کبھی مجھے اپنا نام و نشان مل گیا اور وہ اس قابل ہوا۔ کہ میں سر اٹھا کر چل سکوں ___ تب ___ شاید ___"

وہ لڑکھڑانے لگی تھی ___

اس نے جلدی سے بیڈ کے تکیے کو پکڑ لیا۔ ماہ نور نے اسے بیڈ پر بیٹھنے کو کہا لیکن وہ کھڑی رہی۔ ماہ نور اسے کھڑا چھوڑ کر دروازے کی طرف چلدی۔

مصطفیٰ اس کی پشت پر آگئے۔ بیچارگی سے بولے "سبین مجھے کس قصور کی سزا دے رہی ہو۔"

سبین چند لمحے ویسے ہی کھڑی رہی۔

پھر

ایک دم ہی پلٹی اور پرجوش آواز میں بولی "ڈاکٹر صاحب قصور میرا ہے نہ آپ کا۔ لیکن کیا کیا جاسکتا ہے۔ حالات نے ہمیں اس جگہ پر لا کھڑا کیا ہے۔ جہاں نہ آپ میرا ہاتھ تھامنے کی جرات کرسکتے ہیں۔ نہ میں ایسی خواہش کو اپنے من میں پنپنے دے سکتی ہوں اس بم دھماکے نے ہمارے درمیان اتنا بڑا گڑھا پیدا کردیا ہے۔ جسے پھلانگنے کی کوشش کرنا بھی عین حماقت ہے۔"

مصطفیٰ چپ رہے۔

وہ بولی "مجھے ابھی اپنے آپ کو تلاش کرنا ہے۔ اپنا سراغ پانا ہے۔ میں اس درد کو بھول کر ماضی میں کود جاؤں گی۔ جہاں سے اپنی ذات کا سرا پکڑنے کی کوشش کروں گی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ کہ یہ سرا کیسا ہوا ___ سراپا نجس ___ یا شرافت ___ میں معلوم کرنا چاہوں گی۔ کہ اس شرافت کو کس نے کس مجبوری کے تحت روندا ___ جب تک مجھے یہ پتہ نہیں چل جائے گا۔ میں کچھ بھی نہیں ہوں ___ کچھ بھی نہیں ___"

وہ بے اختیارانہ سسکیاں بھرنے لگی۔ ماہ نور چند لمحے ہی پہلے انہیں کھل کر باتیں

کرنے کو چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

مصطفیٰ نے اس کے سامنے آتے ہوئے اس کے چہرے سے اس کے دونوں ہاتھ ہٹائے۔

"سبین" انہوں نے اسے پکارا ___

لیکن

سبین کچھ نہیں بولی۔ لہرائی اور اس کا سر ان کے کندھے سے آلگا۔

تب

وہ

بے اختیار ہو ہو کر روئی ___

اس کے آنسوؤں سے مصطفیٰ کی قمیض کندھے سے بھیگ گئی۔ وہ خاموش اسے سہارا دیئے کھڑے رہے۔ سبین کے دل و دماغ کا غبار ان آنسوؤں سے دھل کر اسے کچھ سکون دے سکتا تھا۔ وہ ایک ہاتھ اس کے گرد لپیٹے دوسرے ہاتھ سے اس کے سر کو آہستہ آہستہ تھپتھپا رہے تھے۔

کئی بے سکون لمحے سرک گئے۔

آنسوؤں کے دھارے بہتے رہے۔

وہ روتی رہی۔

روئے گی ___

بالآخر مصطفیٰ نے اپنے کندھے سے اس کا سر اٹھایا ___ اس کی ٹھوڑی کو ہاتھ سے اونچا کرتے ہوئے بولے "میں تمہارے دکھ۔ تمہارے درد سے بخوبی آشنا ہوں۔ میں جانتا ہوں۔ اس حادثے نے ہمارے درمیان ان گنت رکاوٹیں کھڑی کردی ہیں لیکن۔"

وہ ایک لحظہ کو رکے۔

پھر

درد بھرے لہجے میں کہا "تم اپنے آپ کو کبھی تنہا نہ سمجھنا سبین۔ اگر اپنی تلاش کرنا

چاہو۔ تو مجھے ساتھ لینا ___"

"مصطفیٰ" وہ ان سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔ اب اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا

"میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں دوں گی۔ جو کچھ کرنا ہے میں نے خود کرنا ہے ___ میں نے کہا نا ___ اب سب کچھ میری تلاش کے نتیجے پر منحصر ہے۔ اس لئے میری درخواست ہے۔ کہ آئندہ آپ نہ تو مجھ سے ملیں نہ ہی کوئی اور رابطہ رکھیں۔ ہم جہاں تک پہنچے ہیں اتنا ہی کافی ہے ___ مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔ نہ ہی آپ کی امی سے کوئی شکوہ ہے ___ میں نے پہلے بھی کہا نا انہوں نے جو کچھ بھی کیا۔ یہ ان کا حق تھا ___ سو پلیز مجھے تنہا رہنے دیں۔ اپنی تگ و دو میں اپنے تک ہی رکھوں گی ___ مجھے ___ کوئی امید افزا سراغ ملا۔ تو شاید ___ میں آپ کی طرف دیکھنے کی ہمت و جرات کر سکوں۔ بصورت دیگر ___ میں نہیں جانتی ___ میں اپنا کیا حشر کروں گی ___"

"نین۔ میری جان ___ میری زندگی" مصطفیٰ بے اختیارانہ بولے لیکن نین نے ہاتھ ان کے منہ کے سامنے کرتے ہوئے جلدی سے کہا ___ "بس ___ ڈاکٹر صاحب بس اس طرح کے الفاظ میرے لئے استعمال نہ کیجئے ___ اگر یہ الفاظ آپ کو لوٹانا پڑے تو سوچئے میرا کیا حال ہوگا ___ بہرحال۔"

اس نے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا "آپ جایئے ___ اس وقت تک لوٹ کر بھی نہ دیکھئے گا۔ جب تک ___ میں ___ خود اپنے آپ کو اس ___ قابل نہ سمجھوں ___ کہ یہ حق مجھے بھی حاصل ہے ___ جایئے ___ خدا حافظ۔"

اس نے رخ دوسری طرف کر لیا ___

مصطفیٰ وہیں کھڑے رہے۔

چند لمحوں بعد ہی صبیحہ وغیرہ آ گئے ___ مصطفیٰ کوئی بات اب زبان سے نہ نکال سکے۔"

اب ماہ نور بھی اندر آ گئی ___ وہ چند لمحے صبیحہ سے آہستہ آہستہ کچھ کہتی رہی غالباً نین کی دیکھ بھال کے متعلق ہدایات دے رہی تھی۔ صبیحہ اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔"

طٰہٰ بھی اندر آ گیا ___ اس نے مصطفیٰ سے مصافحہ کیا ماہ نور کو سلام کیا پھر صبیحہ سے کہا "چلیں؟"

"بس چلتے ہیں" وہ بولی۔

طٰہٰ نے نین سے پوچھا "کیا محسوس کر رہی ہو۔ طبیعت پوری طرح ٹھیک ہے نا۔"

نین نے سر ہلا دیا ___ ان لوگوں کا اتنے پیار سے احوال پرسی کرنا اسے خوشی کی بجائے دکھ دے رہا تھا۔ یہ اس کے کچھ بھی نہیں لگتے تھے! پریشان کن اور دکھ دہ بات تھی۔

"ٹھیک؟" طٰہٰ اب نین کے پاس آ کر بولا۔

"طٰہٰ بھائی" نین نے کہنا چاہا۔ ان کی احوال پرسی کا جواب اسی محبت سے دینا چاہا۔

لیکن

طٰہٰ بھائی؟

اس نے سوچا کیا میں انہیں طٰہٰ بھائی کہنے کی حقدار ہوں؟ نہیں! اس کے من میں زور دار آواز گونجی۔ یہ میرے تایا زاد نہیں ہیں۔ میں کوئی اور ہوں۔ یہ کوئی اور ہیں۔ اس کا دماغ اس سوچ سے چکرانے لگا ___

چند لمحے پلنگ کے تکئے کو مضبوطی سے پکڑے آنکھیں بند کئے وہ تقریباً ڈولتی ڈولتی کھڑی رہی۔

پھر

صبیحہ اور ماہ نور نے آ کر اسے دونوں کندھوں سے تھام لیا ___

"چلو" وہ دونوں اس کی ذہنی کیفیت سے بے خبر تھیں۔

"اچھا" اس نے ایک دم آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا۔ اس کی نظریں چند لمحے مصطفیٰ پر مرکوز رہیں ___ مصطفیٰ مضطرب ہو گئے ___ لیکن زبان سے کچھ نہیں بولے۔

"چلیں نا" طٰہٰ نے سب سے کہا۔ "اب اسے گھر چل کر آرام کرنا چاہئے ___ یوں

کھڑے کھڑے تھک جائے گی۔ دیکھئے نا کتنی زرد اور کمزور پڑ گئی ہے۔"

سبین نے بے تکی نظروں سے ملوہ کو دیکھا۔

اس نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا "چلو میری بہن۔"

سبین کا جی چاہے ___ چیخ چیخ کر کہے "مت کہو مجھے بہن ___ میرے ساتھ ایسے مذاق مت کرو ___ میں انہیں برداشت نہیں کر سکتی۔ میرا کوئی نہیں۔ میں بالکل اکیلا ہوں ___"

لیکن آواز اس کے ہونٹوں پر تھرک کر رہ گئی۔

ماہ نور اور صبیحہ اسے سہارا دے کر قدم اٹھانے لگیں۔

"میں خود چل سکتی ہوں" سبین نے ان کے سہارے پر تکیہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ خود چلنے لگی ___

گاڑی کی پچھلی سیٹ پر صبیحہ نے اسے لیٹ جانے کو کہا۔ لیکن وہ گاڑی کی سیٹ پر ڈالے آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔ ماہ نور اسے گاڑی تک چھوڑنے آئی تھی۔ عمیر ب برآمدے میں مل گیا تھا۔ وہ بھی ساتھ آ گیا۔

سبین نے سب کے خدا حافظ کہنے کا جواب دیا۔ کچھ فاصلے پر اسے مصطفیٰ بھی کھڑ نظر آئے۔

لیکن

اس نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔

گاڑی ہوسپٹل سے نکل کر سڑک پر آ گئی۔ وہ اسی انداز میں پڑی رہی۔ وہ اس وق اپنے اس رویے کے متعلق سوچ رہی تھی۔ جو اس نے مصطفیٰ سے روا رکھا تھا۔

کیا میں نے ٹھیک کیا؟

یا ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا؟

وہ دوسروں کے درمیان لٹکی ہوئی تھی ___

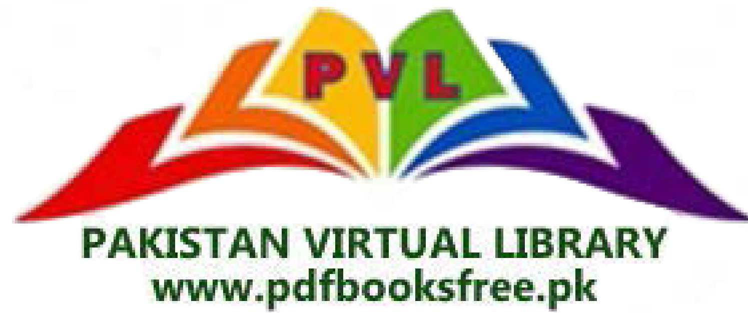
وہ یہ بھی سوچ رہی تھی۔ کہ آخر مصطفیٰ کے کندھے سے لگ کر وہ اتنی بے اختیا

سے روئی کیوں تھی۔

کیا

یہ اس کا لاشعوری اعتراف تھا۔ کہ انہیں چھوڑ دینے کی کوشش کے باوجود وہ ان کے بغیر رہ نہ پائے گی؟

○ ○ ○



انسان بڑا ہی ڈھیٹ اور بڑا ہی سخت جان واقع ہوا ہے ___ جن باتوں کا تصور کرتے ہوئے بھی وہ خوفزدہ ہوتا ہے۔ وہ جب پیش آجاتی ہیں۔ تو ان سے نپٹ لیتا ہے۔ مصائب و آلام کے پہاڑوں تلے جب دب جائے۔ پھر بھی جی لیتا ہے۔ شخصیت پارہ پارہ ہو جائے۔ دل و دماغ ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے ___ وجود حصوں میں بٹ جائے۔ پھر بھی وہ جیے جاتا ہے۔ اس کی حالت اس چھپکلی کی طرح ہوتی ہے۔ جس کی دم کٹ کر بھی متحرک رہتی اور زندہ ہونے کا ثبوت دیتی ہے۔ جن دشواریوں اور اذیتوں کے متعلق سوچ سوچ کر مرا جاتا ہے۔ ان پر عمل پیرا ہو کر جیے جاتا ہے۔

ڈھیٹ جو ہے!

سخت جان بھی تو ہے۔

کئی دن سبین پر بہت بھاری گزرے۔ لگتا تھا جی نہ پائے گی۔ غم کے جو پہاڑ اس پر ٹوٹے ہیں ان کے تلے دب کر سسک سسک کر مر جائے گی۔ اذیتوں کا بوجھ سہار نہ پائے گی ___ مصطفیٰ کی قربتوں سے دور ہو کر ماہی بے آب کی طرح تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہو جائے گی۔

لیکن

کچھ بھی نہ ہوا ___

وہ مر نہیں گئی۔

زندہ رہی ___

بلکہ اس کے اندر زندہ رہنے کی بڑی قوی امنگ پیدا ہو گئی۔ اس کے سامنے ایک مقصد تھا۔ ایک تلاش تھی اس کے لئے اس نے جینا تھا۔ اس کی ابتدا گمنامی کے اندھیروں

میں ڈوبی تھی۔ اس نے اس ابتدا کا سراغ ڈھونڈنا تھا۔

وہ نام نہاد اپنوں سے کٹ گئی۔ دوستوں سے چھٹ گئی۔ مصطفیٰ سے دور ہو گئی اور تو اور ماہ نور سے بھی معمول کے رابطے نہ رہے۔ اس کی منگنی منیب کے ساتھ ہو گئی۔ اسلام آباد میں جو فنکشن ہوا وہ اس میں بھی شامل نہ ہوئی ___ زندگی کے اس انتہائی دلکش موقعے پر ماہ نور نے اسے بہت مس کیا۔ لیکن شمولیت پر زیادہ زور بھی نہ دیا۔ کیونکہ سبین کی اتنی قریبی دوست ہونے کے ناطے وہ اس کی ذہنی کیفیات سے آگاہ تھی۔

بہت دن گزر گئے۔

سبین سوچتے سوچتے نڈھال ہو جاتی ___

کیا کرے؟

کہاں سے شروع کرے؟

کس سے پوچھے؟

کس سمت قدم اٹھائے؟

اسے پتہ نہیں چل رہا تھا ___

ایک دن

اچانک ہی

اسے خیال آیا۔ کہ وہ اس سلسلے میں تائی سے کیوں نہ پوچھے۔ گو اب وہ انہیں تائی کہنے کا حق نہ رکھتی تھی ___ پھر بھی برسوں سے اس رشتے کے بندھن میں بندھی تھی ___ اس لئے تائی ہی کہتی تھی انہیں ___

"تائی" ایک دن وہ اس کے قریب جا بیٹھی۔

"ہوں" وہ بولی۔

"مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔"

"کیا۔"

"کسی اور کے متعلق نہیں۔ اپنے آپ کے متعلق۔"

تائی نے اس کی طرف دیکھا۔ جانے کیوں اس بیچاری سی لڑکی سے ہمدردی محـ
ہوئی ـــــ حالانکہ جبین کے معاملے میں وہ اس لفظ سے آشنا ہی نہ تھی۔

"کیا پوچھنا چاہتی ہو ـــــ"

جبین نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے دکھ بھرے لہجے میں کہا "میں لے پالک
نا۔"

تائی چپ ہو گئی۔

"بتائیں نا" جبین نے اصرار کیا۔

"ہاں ـــــ" وہ بولی۔ "شمسہ اور سلیمان نے تمہیں گود لیا تھا۔"

"آپ جانتی ہیں۔ مجھے انہوں نے کس سے لیا تھا؟" جبین نے دھک دھک کر
دل کو قابو کرتے ہوئے پوچھا۔

تائی نے نفی میں سر ہلایا۔ تو جبین تڑپ کر بولی "پلیز تائی مجھے بتا دیجئے انہوں
مجھے کس سے لیا تھا ـــــ"

"جبین" تائی متانت سے بولی "ہم لوگ کچھ نہیں جانتے ـــــ سلیمان ان د
ڈیپوٹیشن پر دوبئی گئے ہوئے تھے۔ شمسہ کے ایک ہی بیٹا ہوا تھا عمر ـــــ پھر کچھ اند
خرابی ہو گئی ـــــ اس کے اور اولاد نہ ہو سکتی تھی۔ اسے بیٹی کا بہت شوق تھا ـــــ

تائی چند لمحے چپ رہی۔

"سچی بات کہوں ـــــ میں اپنی بیٹی جو صبیحہ کے بعد پیدا ہوئی تھی۔ اسے گود دینے
تیار تھی۔ لیکن اس نے اللہ جانے کیوں نہ لی ـــــ انہیں دنوں وہ دوبئی چلے گئے ـ
وہاں کسی نے ان کی گود میں تمہیں ڈال دیا ـــــ سلیمان نے اپنے والد کے صلاح
مشورے سے تمہیں گود لیا۔ باقاعدہ ان کی رضا مندی لی ـــــ اتنی بڑی جائیداد ک
معاملہ تھا ـــــ خیر ـــــ"

"آپ لوگوں کو یہ نہ پتہ چلا ـــــ کہ انہیں کس نے اپنے جگر کا ٹکڑا ان کی جھ
میں ڈال دیا ـــــ"

"نہیں ـــــ"

"اوہ ـــــ میں نے کتنا غلط لفظ استعمال کیا۔ میں جگر کا ٹکڑا ہوتی۔ تو وہ لوگ مجھے
اپنے سے جدا ہی کیوں کرتے ـــــ"

تائی نے سر ہلایا ـــــ "یہ تو صرف سلیمان شمسہ یا تمہارے دادا کو علم ہو گا۔ ہمیں
کسی نے کبھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ تم جب پاکستان آئیں تو تقریباً سوا دو سال کی تھیں۔
لوگ یہی سمجھتے تھے۔ کہ شمسہ کے ہاں باہر ہی بچی پیدا ہوئی ہے۔ کسی قریبی رشتے دار یا
دوست کو بھی نہ بتایا گیا تھا۔ کہ ہم لوگوں نے اپنے بچوں تک کو تمہارے متعلق نہیں بتایا
تھا۔ جب تم ہم سب میں ہی پلنے بڑھنے لگی تو سب عادی بھی ہو گئے ـــــ کسی نے تمہیں
غیر جانا ہی نہیں۔ دادا نے تمہیں اپنے سگے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں سے زیادہ
محبت اور پیار دیا ـــــ"

جبین نے ایک گہری سانس کھینچی ـــــ تائی جو کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ حقیقت تھی۔
واقعی دادا نے اسے لاڈ پیار میں پالا ـــــ

"کس قدر عظیم اور نیک نفس انسان تھے وہ" جبین نے سوچا۔ اس کے دل میں دادا
کے لئے جو محبت تھی۔ اس میں بے پناہ احترام بھی شامل ہو گیا۔

جبین نے تائی پر کافی سوال کئے۔

لیکن

اس کے علم میں اس کے والدین کے متعلق کوئی بات نہ تھی۔ وہ اسے اس کے
بچپن کی باتیں ہی بتاتی رہیں "شمسہ تو تم پر جان دیتی تھی۔ سلیمان تم سے بہت پیار کرتے
تھے۔ عمر اور تم میں دونوں نے کبھی کوئی فرق نہ کیا تھا۔ دوبئی سے وہ لوگ جرمنی چلے گئے
تھے۔ واپس آئے تو تین ماہ کے اندر ہی اندر حادثے میں ختم ہو گئے۔ دادا نے تمہاری ذمہ
داری اٹھالی۔ ماں اور باپ دونوں کا پیار تمہیں دیا۔ تم اس لحاظ سے خوش قسمت ہو۔
ورنہ جیسے گود لینے والے دونوں ہی اس جہان سے اٹھ گئے تھے تمہارا کوئی پرسان حال ہی
نہ ہوتا۔ خون کا رشتہ تو کسی سے تمہارا تھا نہیں۔ محبت کا رشتہ تھا صرف۔"

"صرف دادا سے" سبین کے منہ سے جانے کیسے یہ طنز نکل گیا۔

تائی پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی "ہاں۔ سچی بات یہی ہے۔ میں غلط بات نہیں ک
گی۔ میں تمہیں ایک طویل عرصہ تک ذہنی طور پر قبول نہ کر سکی۔ کیونکہ شمسہ نے ا
بچی گود نہ لی تھی۔ وہ بیچاری تین سال کی ہو کر مرہی گئی ___"

وہ

کافی دیر تائی کے ہاں بیٹھی رہی۔ تائی پرانی باتیں دہراتی رہی۔ اسے اس کے بچپن
ڈھیروں باتیں بتائیں۔

لیکن

جس مقصد کے لئے بیٹھی تھی۔ وہ حل نہ ہو سکا۔

کوئی سرا اس کے ہاتھ نہ آیا۔

مایوس ہو کر وہ اپنے گھر چلی آئی۔

اب پھر وہ گھمبیر سوچیں اس کے ذہن کا احاطہ کئے تھیں۔

دن گزرتے چلے گئے۔

سبین جس سانحے سے دو چار ہوئی تھی۔ اس سے اب تک کسی حد تک مانوس
تھی۔ حالات نے جو پلٹا کھایا تھا۔ اس کو اس نے ذہنی طور پر قبول کر لیا تھا۔ جستج
تلاش کی لگن اب بھی تھی۔ اس کے اندر نفرت کا لاوا پک رہا تھا۔ اسے اس ماں
نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ جس نے اسے اپنے سے جدا کر کے دوسروں کی جھولی میں
دیا تھا۔ خواہ پیسے کی خاطر۔ خواہ کسی اور مجبوری کی وجہ سے۔ اسے اس مرد سے
نفرت محسوس ہوتی تھی۔ جو اس کی پیدائش کا سبب جائز یا ناجائز طور پر بنا تھا۔ کسی
وقت تو یہ نفرت اتنی شدت اختیار کر لیتی۔ کہ اس کا دل چاہا۔ وہ مرد اور عورت جو ا
دنیا میں لانے کا باعث بنے تھے۔ اسے ملیں۔ تو وہ ان کا گلا گھونٹ دے۔ انہیں تڑپا ت
مار ڈالے۔

ان سے اس ظلم کا انتقام لے۔ جو انہوں نے اس پر کیا تھا۔

لیکن

وہ انہیں کہاں سے ڈھونڈتی۔ کہاں سے پکڑ لاتی ___ کیسے ان تک پہنچتی۔

لیکن جستجو ہو۔ لگن میں سچائی ہو۔ تو کئی راہیں از خود نکل آتی ہیں۔ اسے بھی ایک
سرا مل ہی گیا۔

اس دن عائشہ اس کی احوال پرسی کرنے آئی تھی۔ وہ سبین کو ادھر ادھر کی باتوں سے
بہلاتی رہی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں آنٹی سارا اور ان کی بیٹی سبین کا ذکر آ گیا جو دو ماہ
پاکستان میں گزار کر واپس دوبئی چلی گئی تھی ___

ایک دم ہی۔

سبین کے ذہن میں بجلیوں کے کوندے سے لپک گئے۔ کانوں میں شائیں شائیں کا
شور اترنے لگا ___ یوں لگا فضا میں گھنٹیاں بجنے لگی ہیں ___ اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ
لئے ___

"کیا ہوا سبین" عائشہ نے جلدی سے اس کے ہاتھ کانوں سے ہٹائے۔

"عائشہ" سبین پورے حواس میں تھی۔

"کیا ہوا" اس نے جلدی سے پوچھا۔

"عائشہ" سبین کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔

"کچھ بولو تو سہی۔"

"عائشہ آنٹی سارا۔"

"ہاں ہاں۔"

"دوبئی چلی گئیں۔"

"ہاں ___"

سبین چند لمحوں کے لئے چپ ہو گئی۔ پھر عائشہ کے اصرار پر بولی "تمہیں پتہ ہے نا
اپنی بیٹی سبین کے پیدا ہونے سے پہلے انہوں نے کسی بچی کو گود میں لیا تھا۔"

"ہاں۔"

"اور جب ان کے ہاں اپنا بچہ ہونے کی امید ہو گئی۔ تو انہوں نے اس لے پالک بچی کو کسی اور کی جھولی میں ڈال دیا تھا ___"

"ہاں ہاں سارے خاندان کو یہ بات پتہ ہے۔"

"اس بچی کا نام بھی ثمین تھا۔"

"ہوں ___"

"تو کیا وہ ___ وہ بچی میں ہی تو نہیں ___ عائشہ شاید وہ بچی میں ہی ہوں۔ میرے نام نہاد والدین کو میں دوبئی ہی میں ملی تھی۔ وہیں انہوں نے مجھے گود لیا تھا۔"

"ہو ___ ہو سکتا ہے۔ وہ تم ہی ہو ثمین" عائشہ نے اس کے گلے میں بازو ڈال کر اسے پیار سے لپٹا لیا ___

"خدا کرے وہ میں ہی ہوں ___" ثمین نے جلدی سے کہا۔ "دعا کرو ___ وہ میں ہی ہوؤں ___"

"لیکن ___"

"کیا عائشہ ___"

"آنٹی سارا نے تو پانچ چھ ماہ تک اس بچی کو اپنے پاس رکھا تھا ___"

ثمین کا دل جیسے بند ہونے لگا۔

عائشہ خود ہی بولی "تمہارے علم میں کچھ ہے۔ کہ تمہیں کس عمر میں گود لیا گیا تھا۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

پھر

جلدی سے بولی "شاید تائی کو پتہ ہو ___ میں ان سے پوچھتی ہوں۔ چلو اٹھو ابھی چلو میرے ساتھ ___ عائشہ شاید مجھے اپنی ذات اپنی ابتدا کا سراغ اس طرح مل ہی جائے۔"

عائشہ ثمین کے ساتھ تائی کے پاس آئی ___

وہ لاؤنج ہی میں تھی۔ گھر کی ملازمہ پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اسے کھانا بنانے کے

متعلق بتا رہی تھی ___

سلام کے بعد دونوں اس کے قریب بیٹھ گئیں۔ ثمین تو بڑی ہی اکسائیٹڈ تھی عائشہ نے ملازمہ کے اٹھنے تک اسے روکے رکھا۔

جوں ہی ملازمہ اٹھ کر گئی۔ ثمین نے بے تابی سے تائی سے پوچھا "تائی کیا آپ کو پتہ ہے۔ جب مجھے گود لیا گیا۔ میں کتنی تھی ___"

"شاید پانچ چھ ماہ کی" تائی نے سرسری انداز میں کہا۔ تو ثمین بے اختیارانہ اس سے لپٹ گئی ___

"کیوں کیا بات ہے" تائی نے عائشہ سے پوچھا۔ جس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

اور۔

ثمین تو بیہوش ہونے کو تھی ___ وہ ہچکیوں اور سسکیوں سے رونے نہ لگتی۔ تو ضرور بیہوش ہو جاتی۔

تائی کے پوچھنے پر عائشہ نے مختصراً ساری بات اسے بتائی تو اس نے سر ہلا کر کہا۔ "تو کیا تمہاری آنٹی دوبئی میں ہے۔"

"جی۔"

"ہو سکتا ہے۔ شمسہ نے انہیں سے اسے گود لیا ہو ___"

تائی نے ساری کہانی ایک بار پھر عائشہ سے سنی ___ پھر چند لمحے چپ رہنے کے بعد بولی "لیکن وہ تو اس کے ماں باپ نہ ہوئے نا ___ انہوں نے بھی اسے گود لیا تھا ___"

عائشہ جھٹ سے بولی "وہ بتا تو سکتی ہیں۔ کہ انہوں نے کس سے اسے لیا تھا۔ ثمین اپنے اصل ماں باپ تک پہنچ تو سکتی ہے نا ___"

تائی چند لمحے چپ رہی ___ پھر بولی "خدا جانے اس لڑکی کو اپنے والدین سے ملنے کا اتنا کیوں شوق ہے۔ یہ ان تک پہنچ بھی گئی ___ تو ___"

وہ کچھ دیر چپ رہنے کے بعد بولی "جو اس کی صرف ماں ہی ہوئی۔ باپ ہوا ہی نہیں

تو ___ کیا کرے گی ___ کیوں اک نئی مصیبت مول لے لے گی ___"

تائی نے اس کے ناجائز ہونے کا خدشہ ظاہر کیا تھا۔ دونوں اس بات کو سمجھ گئی تھیں۔

لیکن

سبین اٹھتے ہوئے بولی "میں حقیقت تک پہنچ کر ہی رہوں گی ___ چاہے کچھ بھی ہو۔"

اس کا لہجہ سنگین اور نفرت بھرا تھا۔

دونوں واپس آگئیں۔

سبین اپنے اوپر قابو پائے تھی۔ لیکن پھر بھی بے کلی عیاں تھی۔ اب آنٹی سارا سے اپنے متعلق تصدیق کرنے میں کوئی دشواری نہ تھی۔ اسے پورا یقین ہونے کے ساتھ ساتھ بے یقینی بھی گھیرے تھی ___

"اگر" اپنی پوری سفاکی سے ذہن میں موجود تھا۔

عائشہ سو فیصد پر یقین ہی تھی۔ اس لئے سبین کو گہری سوچوں میں ڈوبے دیکھا تو بولی

"اب متفکر کیوں ہو ___ آنٹی سارا سے پتہ کیا جاسکتا ہے۔"

"وہ دوبئی جاچکی ہیں اور فون پر ___" سبین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ہمارے پاس ان کا نمبر ہے۔ آج ہی فون کرکے پتہ کر لیتے ہیں ___"

"پتہ نہیں ___ یہ مفروضہ سچ بھی ہے یا نہیں ___"

"میرا دل کہتا ہے۔ کہ صحیح ہے۔ سبین انہیں یہ بھی پتہ ہوگا۔ کہ تمہارے اصلی ماں باپ کون ہیں ___"

"دل ڈرتا ہے عائشہ۔"

"ڈرنے سے کچھ نہیں ہوگا ___ تمہیں اپنے اصلی ماں باپ کا پتہ لگانا ہی ہے۔"

"میرے دل میں ان کے لئے شدید نفرتیں پل رہی ہیں عائشہ۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں اگر وہ مجھے مل گئے۔ تو میرا ردعمل کیا ہوگا ___"

"وہ تو دیکھا جائے گا۔ پہلے آنٹی سارا سے پتہ تو کریں"

"ہاں۔"

"فون کر لیتے ہیں ___"

"کرو۔"

"نمبر گھر پر ہے۔ چلو میرے ساتھ وہیں سے فون کر لیتے ہیں تم خود بات کر لینا۔"

"ٹھیک ہے۔"

دونوں کچھ دیر یہی باتیں کرتی رہیں۔ اماں فضیلت چائے بنا لائی ___ فضیلت سبین کو دیکھ کر پریشان ہوتی رہتی تھی۔ اسی نے اسے پالا پوسا تھا۔ اس کا دکھ اسے اپنا دکھ محسوس ہوتا تھا۔

"بٹی طبیعت کیسی ہے۔"

"ٹھیک تو ہوں نا۔"

"رنج و غم دل سے نکال دو۔"

"اللہ تعالیٰ بہتری کی صورت خود ہی نکالے گا ___"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"وقت ایک سا نہیں رہتا ___"

وہ آتے جاتے ایسے ایسے جملے اس کی تسلی و تشفی کے لئے کہتی رہتی۔

اب بھی اس نے دو ایک باتیں ایسی ہی کیں اور چائے رکھ کر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد عائشہ نے سبین کو نارمل کرنے کے لئے کہا۔ "تمہاری اصلی ماں تو یہ ہے۔ کتنا پیار کرتی ہے تمہیں ___ کتنی پریشان رہتی ہے تمہاری وجہ سے۔"

"ہوں۔"

عائشہ نے سبین اور اپنے لئے چائے بنائی دونوں چائے پینے لگیں۔ سبین خاموش ہی تھی۔ عائشہ ہی باتیں کئے جارہی تھی۔

عائشہ کے گھر آکر دوبئی آنٹی سارا کا فون ملایا گیا۔ عائشہ نے ساری بات اپنی امی کو بھی بتائی۔ وہ بھی سیبن کے بارے میں سن چکی تھیں۔ اب دل سے دعا کی۔ کہ وہ سارا ہی کی لے پالک ہو ___ اور سارا کی وساطت سے سیبن کو اپنے ماں باپ کا پتہ چل جائے۔ وہ بھی دل میں ڈانوا ڈول تھیں۔ ہو سکتا ہے سیبن کسی کے گناہ کا ثمر ہو۔ لیکن یہ خدشہ انہوں نے ظاہر نہیں کیا ___

دوبئی کی کال مل گئی ___

آنٹی سارا کی بیٹی سبین نے فون اٹھایا۔

عائشہ نے چند الفاظ میں اس کی احوال پرسی کے بعد کہا "جلدی سے امی کو بلاؤ۔ ضروری بات کرنی ہے ___"

سارا فون پر جلد ہی آگئی ___ سلام دعا کے بعد سارا نے پوچھا "سبین کہہ رہی تھی۔ کہ ضروری بات کرنی ہے ___ خیر تو ہے ___"

"خیر ہی ہے" وہ بولیں ___ "ڈاکٹر سیبن ___ جانتی ہونا انہیں ___ جو تمہیں یہاں ملی تھیں۔"

"ہاں ہاں ___"

"وہ تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہیں ___"

"مجھ سے۔"

"ہاں۔"

"کیا؟"

"لو خود ہی بات کرلو۔"

عائشہ نے سیبن کی طرف فون بڑھایا تو وہ ہاتھوں کے اشارے سے منع کرتے ہوئے بولی "آنٹی مجھ سے بات نہ ہو سکے گی۔ آپ ہی پوچھ دیجئے ___ پلیز ___"

عائشہ کی امی نے پھر کہا "بیٹی بہتر ہے تم خود ہی بات کرو۔"

"نہیں آنٹی آپ ہی پوچھ دیجئے۔ ان سے یہ پوچھنا ہے۔ کہ اگر انہوں نے اپنی لے

پالک بچی کسی کو دے دی تھی۔ تو وہ کون لوگ تھے؟"

عائشہ کی امی نے پھر سے فون اپنی طرف کیا اور چند جملوں میں ساری صورت اس پر واضح کرتے ہوئے پوچھا۔ کہ کیا وہ جانتی ہے۔ کہ جن لوگوں کو اس نے اپنی گود لی ہوئی سیبن دی تھی۔ وہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ کون تھے۔ [illegible]

آنٹی سارا نے پہلے تو پوچھا کہ وہ کیوں پوچھ رہی ہیں۔

[illegible]

عائشہ کی امی نے ڈاکٹر سیبن کا اسے بتایا۔ تو وہ بولیں "وہ بچی پانچ چھ ماہ کی تھی۔ جن لوگوں نے اسے گود لیا۔ وہ لاہور کے رہنے والے تھے۔ بڑی اونچی فیملی کے تھے۔ میں تو ان لوگوں سے ملی نہیں۔ سجاد ہی نے بچی ان کے حوالے کی تھی۔"

"ان کا نام پتہ؟"

"مجھے [illegible] نہیں۔"

سارا چند لمحے رکی پھر بولی "ویسے ان لوگوں نے بچی لینے کے لئے باقاعدہ قانونی چارہ جوئی کی تھی۔ کاغذ لکھا گیا تھا۔ کہ ہم اس بچی کو ان سے واپس لینے کا بھی تقاضا نہیں کریں گے۔ اس کی نقل سجاد نے سنبھال کر رکھی ہوئی ہے۔ وہ گھر آئیں تو میں پوچھ لوں گی۔ لینے والوں کا نام پتہ تو ضرور لکھا ہوگا ___"

عائشہ کی امی نے چند لمحے اور باتیں کیں۔ پھر فون رکھتے ہوئے جو باتیں سارا کے ساتھ ہوئی تھیں سیبن کو بتا دیں۔

"بیٹا ___ تم وہی سیبن ہو۔ پانچ چھ ماہ کی عمر میں سارا نے تمہیں ان لوگوں کے حوالے کیا تھا ___ نام وغیرہ سارا کو معلوم نہیں۔ اس کے شوہر سجاد ہی بتائیں گے۔"

سیبن دم سادھے بیٹھی تھی۔ عائشہ کی امی نے قانونی چارہ جوئی کا بھی بتایا اور بولی "اب وہ کاغذ مل جائے۔ تو مکمل ثبوت مل جائے گا ___"

عائشہ جھٹ سے بولی "سیبن تمہارے پاس بھی تو اپنے ابو اور دادا کے کاغذات ہونگے ان میں تلاش کرنا۔ شاید کوئی اس قسم کا کاغذ مل ہی جائے۔ ویسے سجاد انکل سے ہم

بھی پتہ نہ لگے۔"

ثمین نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ایک بند الماری میں دادا کی ڈھیروں فائلیں پڑی ہیں۔ کبھی کبھی تایا انہیں دیکھتے ہیں۔ میں نے تو کبھی دیکھی ہی نہیں ___ "

"اب گھر جاکر ضرور ڈھونڈنا۔"

"ہوں ___ "

عائشہ کی امی بھی پر امید ہوگئی تھیں۔ اس لئے وہ بڑے پیار اور ہمدردی سے ثمین کو تسلی دیتی رہی ___

ثمین کا حوصلہ بھی بڑھ گیا ___

لیکن آنٹی سارا؟

اگر اس نے اسے کسی دوسرے کے حوالے کردیا تھا۔ تو اس کی خود غرضی پر وہ اندر ہی اندر جل کر رہ گئی۔ سارا کے لئے بھی اس کے اندر تنفر کی آگ پھیلنے لگی۔

○ ○ ○

مصطفیٰ منیب کے ہاں آئے تھے۔ اس وقت دونوں ڈرائنگ روم میں صوفوں پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ مصطفیٰ نے تو اب جیسے گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی۔ گھر سے ہوسپٹل اور ہوسپٹل سے گھر اور کہیں آنے جانے کو جی ہی نہ چاہتا تھا۔ آج بھی منیب نے زبردستی انہیں گھر بلایا تھا۔ کئی دن وہ خود بھی کام میں بہت مصروف رہا تھا۔ اس لئے مصطفیٰ سے ہوسپٹل میں بھی سرسری سی علیک سلیک کے سوا ملاقات نہ ہوپائی تھی۔

وہ مصطفیٰ کا دوست تھا۔ ان کی پریشانی سے پریشان بھی ہوجاتا تھا۔ سوچتا بھی رہتا تھا۔ کہ آخر ان کا مسئلہ کیسے حل ہوگا۔ کئی سوچیں اس کے ذہن کو متحرک رکھتی تھیں۔ لیکن کسی حتمی نتیجے پر پہنچنا اس کے بس میں نہیں تھا۔

آج وہ پچھلے پہر فارغ تھا۔ اس لئے مصطفیٰ کو گھر آنے کی تختی سے تاکید کی تھی مصطفیٰ بھی شاید قید تنہائی سے تنگ آگئے تھے۔ ذہنی کرب و اذیت نے بھی ادھ موا کردیا تھا۔ اس لئے منیب کے ہاں آگئے تھے۔ ماحول اور فضا کی تبدیلی ذہن کو بسا اوقات راس بھی تو آجاتی ہے۔ مصطفیٰ اسی خیال سے آئے تھے۔

دونوں اس وقت ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔ مصطفیٰ نے خود ہی منیب کی منگنی کی تصاویر دیکھنے کی فرمائش کی تھی۔ موٹا سا البم جسے وہ دیکھ چکے تھے۔ درمیانی میز پر پڑا تھا۔ منیب نے منگنی کے فنکشن کی مووی بھی انہیں دیکھنے کو دی تھی۔ کیسٹ بھی ٹیبل پر پڑی تھی۔ یہ مووی مصطفیٰ نے ساتھ لے جانی تھی۔ رات کو گھر دیکھنے کا ارادہ تھا ___

"بڑے خوش قسمت ہو یار ___ " مصطفیٰ نے منیب کی طرف دیکھا۔ "ماہ نور کو آخر تم نے حاصل کر ہی لیا ___ "

"جس طرح حاصل کیا تم بھی جانتے ہو ___ مجھے دکھ اذیت اور کرب کے دور سے

ضرور گزرنا پڑا۔ یا یوں نے بھی احاطہ کئے رکھا۔ لیکن میرے ارادے میں کبھی لغزش نہ آئی۔ میں نے اسے پانا تھا اور ضرور پانا تھا۔ سو پالیا ___" منیب نے بڑے سہل انداز میں کہا۔

مصطفیٰ نے [illegible] سانس لی اور بولے "یہ تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا۔ [illegible] [illegible] نے [illegible] سے سارے رابطے ہی توڑ لئے ہیں۔ ایک [illegible] [illegible] علم۔ اس نے جان بوجھ کر [illegible] [illegible] رابطہ [illegible] پایا [illegible] وہ [illegible] ___"

منیب [illegible] شاید [illegible] ہے۔ وہ اپنی تلاش [illegible] [illegible] کرتا ہے [illegible] [illegible] تب تک وہ تمہاری طرف اب کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی۔"

"ماہ نور سے بھی ملی ہے وہ۔"

"ہاں کبھی کبھی ماہ نور اس کے ہاں چلی جاتی ہے ___ کل بھی ماہ نور اس سے مل کر آئی تھی۔ لگتا ہے۔ جبین کے ہاتھ اپنے ماضی کا کوئی سرا آگیا ہے ___"

"کیا؟"

"ابھی کچھ تفصیل سے تو اس نے نہیں بتایا ___ لیکن پُر امید ضرور ہے۔"

"خدا کرے وہ اپنی ابتدا سے جلد واقف ہو جائے ___"

منیب نے مصطفیٰ کی طرف دیکھا۔ جنہوں نے بڑے خلوص سے یہ الفاظ ادا کئے تھے۔ وہ چند لمحے انہیں تکتا رہا۔

پھر

آگے کو جھک کر بولا "ایک بات بتاؤ مصطفیٰ۔"

"کیا؟" وہ بولے۔

"جبین اپنی تلاش میں لگی ہوئی ہے۔"

"ہوں ___"

"اگر ___ یہ تلاش ___ کامیاب ہو جاتی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اسے اپنے ماں باپ کا پتہ چل جاتا ہے اور وہ بے شک غریب ہوں [illegible] شریف ہوں۔ تب تو خیر ___ لیکن ___"

منیب چند لمحے رکا۔ مصطفیٰ کچھ نہیں بولے شاید وہ [illegible] اس [illegible] کے بعد وہ کیا کہنے والا تھا۔

[illegible] منیب نے خود ہی بات کی "اگر وہ کسی [illegible] [illegible] تمہارا [illegible] نہیں لیا ہو گا ___"

مصطفیٰ نے [illegible] بے چینی سے پہلو بدلا۔

منیب نے ان کی طرف دیکھا "بتاؤ نا تم تب کیا کرو گے؟"

مصطفیٰ [illegible] سنبھلے ہوئے لہجے میں بولے "منیب تم اس بات سے تو آگاہ ہو نا کہ [illegible] یہ جذبے صرف محبوب کی ذات پر [illegible] ہیں۔ محبوب کا اپنا ایک وجود ایک مقام ہوتا ہے۔ اس کو محب چاہتا ہے۔ سو مجھے تو اس بات سے شاید کچھ فرق نہ پڑے ___ کیونکہ جہاں تک جبین کو میں جانتا ہوں وہ ایک شریف اور قابل اعتماد لڑکی ہے۔ اس کے مزاج اخلاق و کردار میں کوئی جھول نہیں ___ اگر اس کا ماضی سیاہی سے آلودہ ہے۔ تب بھی اس سیاہی کا کوئی چھینٹا اس کی ذات پر نہیں پڑا [illegible] وہ ان چھوئی اور پاکیزہ ہے ___ لیکن ___"

وہ چپ ہو گئے۔

تو

منیب جلدی سے بولا "لیکن ___"

"لیکن میں اپنے والدین کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ اسے قبول کرتے ہیں یا نہیں ___"

منیب نے نفی میں سرہلایا اور بولا "مصطفیٰ کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ رہو تمہاری امی جس طرح صرف اس کے لے پالک ہونے کا سن کر واپس چلی گئی۔ ان سے یہ توقع رکھنا

کہ اس کی گھناؤنی ابتدا اگر خدانخواستہ ہوئی۔ تو وہ اسے قبول کرلیں گی ___"

پھر اس نے سر ادھر ادھر ہلاتے ہوئے کہا "ناممکن ___ قطعی ناممکن۔"

مصطفیٰ نے دونوں کہنیاں اپنے گھٹنوں پر رکھ کر بازو اونچے کئے اور چہرہ دونوں ہاتھوں پر گرا کر بولے "تم ٹھیک کہہ رہے ہو منیب ___"

منیب نے سر اثباتی انداز میں ہلایا۔ چند لمحے چپ رہا پھر دلگداز لہجے میں بولا۔

"ہمارے والدین اپنے آپ کو بہت روشن خیال سمجھتے ہیں۔ لیکن جہاں معاملے میں ذرا سا بھی الجھاؤ آیا۔ ان کی ساری روشن خیالی ختم ہو جاتی ہے۔ میری طرف دیکھو ماہ نور کو تم بھی جانتے ہو۔ لیکن امی صرف اس لئے رضامند نہ ہوتی تھیں۔ کہ مالی طور پر وہ لوگ ان کے ہم پلہ نہ تھے۔ یہ کوئی اتنی بڑی برائی بھی نہ تھی۔ ان کے پاس شرافت لیاقت عزت سب کچھ تھا ___ وہ تو میری قسمت اچھی تھی۔ جو امی کو اپنی چہیتی اور پسندیدہ وجیہہ نے خود ہی انکار کر دیا اور امی اس شکست کو چھپانے کے لئے ماہ نور کو بہو بنانے پر آمادہ ہو گئیں ___ ورنہ ___"

منیب نے کانوں کو ہاتھ لگائے ___

"یہاں تو معاملہ ہی اور ہے ___ مسئلہ بڑا گھمبیر ہے ___ سبین نے مجھ سے تعلق ہی توڑ لیا ہے ___ جب تک اسے اپنے متعلق سب کچھ معلوم نہیں ہو جاتا ___ وہ مجھ سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتی ___"

"یہ اس کی عقلمندی ہے دوست ___ وہ تم سے الگ رہ کر زندہ رہنے کا ڈھنگ سیکھ لے گی ___ فی الحال اس کے حالات مخدوش ہی ہیں۔ اس لئے اس نے یہ راہ اپنائی ___ تو اچھا ہی کیا ___ کل کو ___"

"منیب پلیز اس سلسلے میں ابھی کچھ نہ کہو" مصطفیٰ نے چہرے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے اس کی بات کاٹی "خدا کرے۔ وہ اچھے لوگوں کی اولاد ہو ___"

دعا تو ہم سب کی یہی ہے۔ ماہ نور کو تو اس بات کا بے حد غم ہے۔ ہر وقت دعائیں ہی مانگتی رہتی ہے ___"

"ہوں۔"

"مصطفیٰ۔"

"ہوں۔"

"میری رائے یہی ہے ___ کہ تم بھی سبین سے ___"

مصطفیٰ جلدی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولے "سبین سے قطع تعلق کر لوں۔"

"بہتری اسی میں ہے۔"

مصطفیٰ طنز سے بولے "اچھے دل والے ہو۔ یہ رائے دے رہے ہو۔"

"تمہاری بھلائی کے لئے کہہ رہا ہوں۔"

"ناممکن ہے۔"

"تو پھر ایک سچا اور پکا عہد کرو۔"

"کیا؟"

"تمہارے والدین مانیں یا نہ مانیں۔ تم سبین کو ہر حال میں اپناؤ گے۔"

مصطفیٰ چپ ہو گئے

"اتنی ہمت ہے ___ کہ ماں باپ اور زمانے سے اس کے لئے ٹکرا سکتے ہو۔ تو بے شک اس کے پیچھے لگے رہو۔ اسے ملو۔ اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلو اور اگر اتنی ہمت نہیں ___ تو میری پھر یہی استدعا ہے اس سے دور ہو جاؤ۔ اسے اپنی زندگی جینے دو ___"

"منیب ___ دونوں صورتوں میں میں مجبور اور لاچار ہوں ___" مصطفیٰ کی آواز بھرا گئی۔ وہ اور کچھ کہنے ہی کو تھے۔ کہ باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔

"شاید امی آگئی ہیں ___" منیب اٹھ کر کھڑکی کی طرف گیا۔

"کہاں گئی تھی۔" مصطفیٰ نے پوچھا ___

"امی اور نوشی ماہ نور کو لے کر جیولر کے پاس گئی ہوئی تھیں ___" وہ مڑا اور پھر بے تابانہ خوشی سے بولا "شاید ماہ نور بھی آئی ہو ___ میں ابھی آیا۔"

وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

مصطفیٰ کو اس پر رشک آیا۔ کتنے خوش قسمت تھے منیب اور ماہ نور ___ وہ سوچنے لگے۔ انہوں نے میز پر رکھا البم پھر سے اٹھالیا اور اس کے ورق پلٹنے لگے۔ ماہ نور منگنی کے دن بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ یہ خوبصورتی اس کی بے بہا خوشیوں کا عکس تھی۔ جو اس کے چہرے پر رقصاں تھی ___ منیب بھی بہت خوش نظر آرہا تھا ___

منیب نے جتنے بھی دکھ جھیلے تھے بالآخر گوہر مقصود پا ہی لیا تھا۔

ایک

وہ تھے

کہ جن کے لئے والدین کی رضامندی لیتے کوئی وقت کوئی دشواری پیش نہ آئی تھی۔ لیکن قسمت نے ایسے تیغ کے مارا تھا۔ کہ ساری روشنیاں ہی گل ہو گئی تھیں۔ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیل گیا تھا۔ اس اندھیرے میں کبھی کوئی روشنی کی کرن اترے گی بھی یا نہیں ___ وہ یہ بھی نہ جانتے تھے۔

وہ تھوڑی ہی دیر اکیلے رہے۔

پھر

منیب کی امی نوشی اور ماہ نور منیب کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آگئے۔

مصطفیٰ البم میز پر رکھتے ہوئے "تعظیماً" اٹھ کھڑے ہوئے۔ علیک سلیک ہوئی منیب کی امی نے مصطفیٰ کی پشت پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ احوال پرسی کی۔ نوشی نے بھی سلام کیا اور ماہ نور نے بھی خیر خیریت دریافت کی۔

"چائے پی لی" منیب کی امی نے پوچھا۔

"آپ گھر پر تھیں نہ نوشی ___ یہ کنجوس چائے پلانے والا تھا بھلا" مصطفیٰ نے خوشگوار انداز میں کہا ___

"جھوٹ مت کہو ___ ایک پیالی چائے تو تم نے آتے ہی پی لی تھی۔" منیب بولا۔

"اب لڑو نہیں" امی ہنسیں۔ "میں چائے بھجواتی ہوں۔" امی نے کہا۔

"میں مصطفیٰ بھائی جان کے لئے چائے کے ساتھ اچھے سے سنیکس بناتی ہوں" نوشی بولی۔

"شاباش" مصطفیٰ نے نوشی کے سر پر ہاتھ رکھا۔

دونوں ماں بیٹی کمرے سے نکل گئیں ___

ماہ نور اور منیب الگ الگ صوفوں پر بیٹھ گئے ___ مصطفیٰ نے مسکرا کر ماہ نور کو دیکھا اور بولے "یہ آپ ابھی سے سسرال آنے جانے لگیں ___ آپ کو تو شادی تک منیب سے پردہ کرنا چاہئے ___"

منیب شوخی سے بولا "میں بھی اس سے یہی کہتا ہوں۔ یہ خود ہی گھر دوڑی چلی آتی ہے ___"

ماہ نور نے اک نگاہ غلط انداز منیب پر ڈالی اور بولی "اچھا۔ یہ بات ہے۔ تو آئندہ میں کبھی نہیں آؤں گی ___"

"نہ نہ ___" منیب جلدی سے بولا "میں تو مذاق کر رہا تھا۔ یہ غضب نہ کرنا۔"

مصطفیٰ اور ماہ نور دونوں ہنس پڑے۔

باتوں کا سلسلہ چل نکلا ___ جو کڑی سے کڑی ملتے بین تک جا پہنچا۔

مصطفیٰ نے ماہ نور سے پوچھا "آپ کب ملیں بین سے۔"

"ملتی ہی رہتی ہوں۔ کل بھی گئی تھی۔"

"کیسی ہیں وہ ___"

"بہت اپ سٹ ہے بیچاری۔"

"سنا ہے اسے کچھ سراغ ملا ہے۔"

"ہاں ___ اس بات کا ثبوت مل گیا ہے کہ سلیمان حیدر صاحب اور شمسہ صاحب نے اسے پانچ چھ ماہ کی عمر میں اڈاپٹ کیا تھا۔ سلیمان حیدر ان دونوں دوبئی میں تھے وہ فارن سروس میں تھے ___"

"یعنی بین کے ماں باپ" منیب بولا "جنھوں نے اسے گود لیا تھا ___"

"ہاں۔"

"کس سے لیا تھا۔"

"سجاد صاحب سے" ماہ نور بولی "آپ لوگ ہماری دوست عائشہ کو جانتے ہیں نا۔"

دونوں نے دماغ پر زور دیا۔ ماہ نور نے وضاحت سے بتایا تو دونوں نے کہا۔

"ہاں ہاں۔"

"اس کی آنٹی ہیں ایک دوبئی میں رہتی ہیں۔ آنٹی سارا ___ انہوں نے سیمین کو سلیمان صاحب کے حوالے کیا تھا ___ باقاعدہ قانونی لکھت پڑھت کے بعد ___"

مصطفیٰ کے اندر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ جلدی سے بولے "پھر تو اس کا مسئلہ حل ہوگیا ___ اسے اپنے ماں باپ کا پتہ چل گیا۔"

"ابھی کہاں ___"

"کیوں؟"

"وہ انکل سجاد اور آنٹی سارا کی اپنی بیٹی نہیں۔ بلکہ انہوں نے بھی اسے گود لیا تھا۔"

مصطفیٰ کی خوشیوں پر اوس پڑ گئی۔

منیب جلدی سے بولا "سجاد صاحب نے بھی اسے گود لیا ہوا تھا۔"

"ہاں" ماہ نور بولی۔

"تو پھر انہوں نے اسے ___" منیب نے ہی پوچھا

اس کی بات سمجھتے ہوئے ماہ نور گہری سانس لے کر بولی "خود غرضی کی انتہا دیکھئے سجاد اور سارہ آنٹی کی شادی کو کئی سال گزر گئے تھے۔ تب انہوں نے سیمین کو گود لیا۔ اتفاق سے وہ دو چار ماہ کے اندر ہی امید سے ہوگئیں۔ تب انہیں سیمین کا وجود بار لگنے لگا ___ انہوں نے سوچا اپنے بچے کی حق تلفی کیوں کریں۔ جائیداد روپیہ پیسہ اسی کا ہو۔ سیمین پاس رہے گی تو خواہ مخواہ حصہ دار بنے گی ___ ان کی دلچسپی بالکل ہی اس بچی میں نہ رہی ___ اتفاق ہی سے سلیمان سجاد کے ملنے جلنے والوں میں تھے ان کی بیوی ایک بچے کے بعد اولاد پیدا نہ کر سکتی تھیں۔ انہیں بیٹی کی خواہش تھی انہوں نے سیمین کو قدرت کا عطیہ

سمجھ کر لے لیا ___ بہت عظیم لوگوں کے ہاتھوں میں سیمین آئی تھی ___ ان کے مرنے کے بعد ان کے والد حیدر زمان صاحب نے بھی سیمین کو جس طرح پالا پوسا۔ جس طرح تربیت کی جیسے تعلیم دلوائی وہ سب کے سامنے ہے ___"

ماہ نور نے آنٹی سارا اور سیمین کی لاہور میں ملاقات کی ساری کہانی انہیں سنا دی ___ "یہ بھی عجیب اتفاق ہی تھا۔ ورنہ سیمین ان لوگوں تک بھی نہ پہنچ پاتی"

"لیکن بات تو ابھی وہیں کی وہیں رہی" مصطفیٰ گھمبیر لہجے میں بولے۔

"نہیں ___ اب سرا تو مل گیا ہے۔ آنٹی سارا اور سجاد انکل یہ تو بتا سکتے ہیں۔ کہ انہوں نے سیمین کو کس سے لیا تھا ___"

ماہ نور نے بتایا۔ کہ سیمین کو اپنے دادا کے کاغذات میں سے وہ کاغذات مل گئے ہیں۔ جن میں اس کے گود لینے کی قانونی کارروائی تھی۔ اس کی نقل سجاد صاحب کے پاس بھی تھی۔

بچی لینے اور دینے کی شرائط بھی اس میں رقم تھیں۔ سلیمان صاحب نے احتیاطاً سجاد انکل سے لکھوا لیا تھا۔ کہ کسی بھی مرحلے پر وہ بچی کو واپس لینے کا مطالبہ نہیں کریں گے۔

"اب" منیب نے پوچھا۔

"سیمین تو بڑی مضطرب و بے تاب تھی۔ وہ تو ان کے پاس دوبئی جاکر ساری تفصیلات لینے کو تیار ہوگئی تھی ___"

"پھر" مصطفیٰ نے جلدی سے کہا۔

"آنٹی سارا اور انکل سجاد اسی ہفتے کراچی آرہے ہیں۔ ان کا کوئی بھتیجا یا بھانجہ فوت ہوگیا ہے۔ وہ کاغذات اپنے ساتھ لے آئیں گے۔ ہو سکا۔ تو خود لاہور آجائیں گے۔ نہیں تو سیمین ان سے کراچی جاکر مل لے گی۔ تب ہی اسے اپنے والدین کا اتہ پتہ مل سکے گا ___"

مصطفیٰ نے تو پھر سر ہاتھوں پر گرا لیا۔ ماہ نور ہی باتیں کرتی رہیں ___

"سیمین کے دل میں تو اپنے پیدا کرنے والوں ہی کے لئے آگ بھڑک رہی تھی

جنھوں نے اسے کسی دوسرے کی گود میں ڈال دیا تھا ___ اب تو اسے آنٹی سارا سے بھی نفرت محسوس ہونے لگی ہے۔ بیچاری سیمن کی عجیب ہی ذہنی حالت ہے۔ کبھی خوش ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنے ماں باپ تک تو پہنچ پائے گی اور کبھی مایوس ہو جاتی ہے ___ کہ پتہ نہیں۔ اس کا باپ کوئی ہے بھی یا نہیں ___ وہ ماں اس کا کیسے سامنا کر پائے گی۔ جس نے اسے ناجائز طور پر جنم دیا ہو گا ___"

"ہوں ___ یہ امکان بھی تو ہے" منیب دکھ سے بولا ___

"خدا سے دعا ہی کرنی چاہئے ___ کہ سیمن کے اصلی والدین زندہ ہوں انہوں نے غربت کی مجبوری سے اسے آنٹی سارا کی جھولی میں ڈالدیا ہو ___" ماہ نور نے کہا۔

"خدا کرے ___" منیب بولا "غربت ایسا گناہ نہیں ___ جو قابل معافی نہ ہو۔ لیکن ___"

"یہی بات تو سیمن کو مارے دے رہی ہے ___ اس کے اندر لاوا پک رہا ہے۔"

"اسے تسلی و سہارا دینے کی بہت ضرورت ہے" منیب نے ماہ نور سے کہا۔

"وہ تو ہم سب دے رہے ہیں اور تو اور اب تو اس کے گھر والوں کا رویہ بھی اس کے ساتھ اچھا ہو گیا ہے۔ طیب بھائی طلحہ صبیحہ بلکہ سب کزنز تو اس کو ہروقت تسلی دیتے رہتے ہیں۔ تائی بھی اب نرم پڑ گئی ہیں۔ وہ سب اسے یقین دلانا چاہتے ہیں۔ کہ وہ سب اس کے اپنے ہیں ___ وہ ان کی کزن ہے۔ ان کے چچا چچی کی بیٹی ہے ___ لیکن سیمن کو کون سمجھائے ___"

"چلو" منیب نے کہا "دور نزدیک آرہا ہے۔ آنٹی سارا اور سجاد کے آنے پر حقیقت جیسی بھی ہوئی سامنے تو آجائے گی۔"

مصطفیٰ نے سر اٹھایا۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"میں چلتا ہوں" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ تو منیب نے جلدی سے اٹھ کر ان کا ہاتھ پکڑ کر پھر سے بٹھالیا "اکیلے گھر جاکر کیا کرو گے ___ یہیں بیٹھو ___ باتیں کرو اور ابھی نوشی کے ہاتھ کی تم نے چائے بھی پینی ہے۔"

مصطفیٰ بے دلی سے واپس بیٹھ گئے ___

چائے آگئی۔ نوشی نے خاصہ اہتمام کرلیا تھا۔ سینڈوچ۔ بسکٹ۔ کباب کو ہائی حلوہ۔ جانے کیا کیا چیزیں ٹرالی میں بھرلائی تھی۔

مصطفیٰ نے نوشی کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے کہا "بہت پیاری بہن ہو۔ لیکن اتنے تکلفات نہیں کیا کرتے ___"

"آپ اتنی دیر بعد تو آئے ہیں۔" پھر اس نے ماہ نور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" اور ان پر بھی تو اپنے سگھڑاپے کا رعب جمانا ہے نا ___"

ماہ نور ہنس پڑی اور بولی "میں آم کھانے والی ہوں پیڑ گننے والی نہیں۔"

سب ہنس پڑے۔ پھر نوشی امی کے بلانے پر اٹھ کر باہر چلی گئی۔

چائے کے دوران باتیں ہوتی رہیں۔ مصطفیٰ نے ان کو بتایا۔ کہ وہ چند دن کی چھٹی لے کر گھر جارہے ہیں۔

ماہ نور اور منیب دونوں ان کے پیچھے پڑ گئے۔

"ابھی تو کراچی سے آئے ہو۔"

"کنیزہ کی شادی پر چھٹی لی تھی۔"

"بہت اداس ہو گئے۔"

"تمہاری امی ابھی ہو کر گئی ہیں ___"

مصطفیٰ نے گہری سانس لے کر کہا "چند دنوں کے لئے میں اس گھٹن زدہ ماحول سے دور ہونا چاہتا ہوں ___ شاید کراچی جاکر کچھ سکون ملے ___"

منیب اور ماہ نور نے اب کچھ نہیں کہا۔

ہاں

دونوں کی دلی دعا تھی۔ کہ خدا مصطفیٰ کے مسائل کا کوئی حل نکال دے اور وہ اپنا گوہر مقصود پالیں۔

○ ○ ○

"بیٹی" سجاد نے ببین کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے نادم سے انداز میں ک
"ہم تمہیں بیٹی کہنے کا حق تو نہیں رکھتے۔ اپنی خود غرضی پر نادم اور شرمسار بھی ہیں۔ اس
کے باوجود تمہیں اپنے قریب پاکر جو خوشی ہمیں ہو رہی ہے۔ وہ بیان نہیں کرسکتے۔"

گلشن اقبال کے ایک فلیٹ کے ڈرائنگ روم میں ببین سجاد اور سارا کے ساتھ بیٹھ
تھی۔ وہ آج صبح گیارہ بجے کی فلائیٹ سے کراچی پہنچی تھی۔ سارا اور سجاد اسے ایئرپورٹ
پر لینے کے لئے آئے ہوئے تھے ____

سارا اور سجاد ایک ہفتہ پہلے کراچی آئے تھے۔ بھانجے کی فوتیدگی اور اس کے بعد ک
فاتحہ خوانیوں کے بعد یہاں کل ہی آئے تھے۔ یہ فلیٹ انہوں نے ہی خریدا ہوا تھا اور اس
میں سجاد کی بڑی بہن رہ رہی تھی۔ جس کے تینوں بچے شادی شدہ تھے اور وہ اپنی پرانی
خادمہ حمیداں کے ساتھ یہاں اکیلی ہی رہتی تھی۔ کبھی بچے آجاتے تو گھر میں رونق ہ
جاتی۔ سارا اور سجاد مع بیٹی کے سال ڈیڑھ میں مہینہ بھر کے لئے آتے۔ تو فلیٹ آباد آبا
لگنے لگتا۔ ورنہ وہ اور حمیداں ہی یہاں ہوتی تھیں ____

ببین کو بڑے پیار سے سارا اور سجاد گھر لائے تھے۔ سارا تو اس سے پہلے لاہور میں
مل چکی تھی۔ سجاد نے آج ہی اسے دیکھا تھا۔ شرمندہ تھے۔ دلی افسوس بھی تھا۔ اور
خوش بھی تھے ____ ببین اپنے ساتھ کاغذات لائی تھی۔ جن کی نقل سجاد بھی ساتھ لے
آئے تھے۔ فون پر یہ باتیں پہلے ہی ہو چکی تھیں۔ صرف اپنی تسلی کے لئے ببین کاغذات
کی اصل اور نقل دیکھنا چاہتی تھی۔

یہ کام اس نے آتے ہی کیا تھا۔

اور

کوئی شک یا شبے کی گنجائش نہ رہی تھی۔ کہ سجاد اور سارہ نے ہی پانچ چھ ماہ کی ببین
کو سلیمان حیدر اور شمسہ کے حوالے کیا تھا۔

ببین کے دل میں ان دونوں کے لئے محبت یا ہمدردی کی کوئی رمق نہ تھی گو اس
نے اپنے آپ کو قابو میں رکھا ہوا تھا۔ اس نفرت کا برملا اظہار نہیں کیا تھا۔ جو ان خود
غرض لوگوں کے لئے اس کے دل میں تھی۔ تاہم وہ دونوں بار بار اس سے معافیاں مانگ
رہے تھے۔ ببین نہ ان کی شرمندگی سے متاثر ہو رہی تھی نہ ہی معافی کی خواستگاری
سے۔

اسے تو اب ان لوگوں سے اپنے اصلی والدین کا پتہ معلوم کرنا تھا۔ اس لئے جب
سارا اور سجاد بار بار شرمندگی اور ندامت سے اپنی خود غرضی کا اعتراف کئے گئے۔

تو

وہ متانت سے بولی۔ "جو ہو چکا سو ہو چکا۔ شکر ہے مجھے جن ہاتھوں میں آپ نے
سونپا وہ اتنے عظیم تھے۔ کہ میری شخصیت بگڑی نہیں۔ سنور گئی۔"

"ببین بیٹی۔ قدرت کے باوجود اسی بات سے تو ہمیں تسلی مل رہی ہے" سارا نے
دل پر ہاتھ رکھ کر کہا ____ "یقین کرو۔ مجھے جب بھی تمہارا خیال آتا تھا۔ تو دل بیٹھ جاتا
تھا۔ کہ ہم نے ننھی سی جان پر ظلم کیا ہے۔ میری ببین بیمار رہی ہے۔ مجھے وہم تھا۔ کہ
یہ اپنے کئے کا بدلہ ہے۔ اب تم ہمیں ملی ہو۔ ماشاء اللہ ڈاکٹر بن چکی ہو۔ اخلاق و کردار
کی ساری خوبیاں تم میں موجود ہیں۔ شاید ہم تمہیں اس طرح پال پوس کر ایسی تربیت نہ
دے سکتے۔"

"واقعی" سجاد بولا ____ "بیٹا تمہیں دیکھ کر میرے دل سے برسوں کا بوجھ اتر گیا۔
میں ان لوگوں کی عظمت کو سلام کرتا ہوں۔ جنہوں نے تمہاری دیکھ بھال کی۔ تعلیم دلوائی
اور اتنا مہذب بنایا ____"

"پلیز آپ لوگ ان باتوں کو جانے دیجئے" ببین سپاٹ لہجے میں بولی "مجھے اب یہ بتا
دیجئے۔ کہ میرے اصلی وارث کون ہیں؟ کہاں ہیں؟ جب تک میں ان تک نہیں پہنچوں

گی۔ بھٹکتی رہوں گی۔ مجھے چین ملے گا نہ سکون ___ پلیز مجھے بتا دیجئے کہ آپ نے مجھے کس سے لیا تھا ___ میری رگوں میں کس کا خون دوڑ رہا ہے۔ یہ خون کہیں ___"

وہ اداس تھی۔ چپ ہوئی تو اس کی اداسی گھمبیر ہو گئی۔ جسے سجاد نے فوراً محسوس کیا اور جھٹ سے بولا "بیٹا ___ تعلق کسی ایرے غیرے خاندان سے نہیں۔ تمہاری رگوں میں شریف ماں باپ کا خون ہے ___"

ثمین کے اندر سکون کی ٹھنڈی لہر دوڑ گئی۔ وہ بے تاب ہو کر بولی "اگر یہ بات ہے۔ تو پھر کیا مجبوری تھی۔ جو میرے ماں باپ نے پیدا ہوتے ہی مجھے اپنے سے الگ کر دیا۔ میں غالباً ایک دن کی تھی جب آپ کی گود میں ڈال دی گئی۔"

"ہاں" سارا نے اعتراف کیا۔

"تو پھر مجھے ان لوگوں کا پتہ دیجئے۔ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں ___" ثمین کے لہجے میں بارودی دھمک محسوس کی جا سکتی تھی ___

سجاد اور سارا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ چند لمحے چپ رہے۔ پھر سجاد نے ایسے بیان دینا شروع کیا۔ جیسے وہ کمرہ عدالت میں کٹہرے میں کھڑا ہو کر جج کے روبرو بات کر رہا ہو ___

"ہماری شادی کو چھ سات سال ہو گئے تھے۔ ہم اولاد جیسی نعمت سے محروم تھے۔ علاج معالجے گنڈے تعویذ دم درود کے بعد ہماری گود سونی تھی۔ نہ سارا ماں بن سکی نہ میں باپ۔ ہمیں اولاد کی شدت سے آرزو تھی۔ سارا تو کبھی کبھی جنونی سے ہو جاتی۔ تب لوگوں نے ہمیں مشورے دینا شروع کئے۔ کہ ہم بچہ گود لے لیں۔ اب بچے بازار میں تو بکتے نہیں۔ جو ہم زر کثیر خرچ کر کے بچہ حاصل کر لیتے۔ یہی تھا۔ کہ ملنے والوں سے کہہ دیا۔ رشتہ داروں سے استدعا کی۔ ہسپتالوں میں گائناکالوجسٹوں سے کہا۔ غرضیکہ جس جس سے ہو سکتا تھا ہم نے بچے کے لئے کہدیا ___ پھر ___ یہ جو حمیداں ہے نا۔ جو ابھی چائے لے کر آئی تھی۔ ہماری بہت پرانی ملازمہ ہے ___"

سجاد سانس لینے کو رکا تو دھڑکتے دل سے ثمین نے کہا "یہ ___ عورت مجھے کہیں

سے لائی تھی۔"

"نہیں" سارا بولی۔

"تو" ثمین پریشان ہو گئی۔

"اس کی کوئی ملنے والی تھی۔ وہ ایک بہت بڑے گھرانے کی ملازمہ تھی۔ اس کو بھی حمیداں نے کہہ رکھا تھا۔ اتفاق ہی تھا۔ جو وہ تمہیں ہمارے پاس لے آئی ___"

"وہ۔ عورت زندہ ہے؟" ثمین نے جلدی سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"آپ کو یا حمیداں کو بتایا تو ہو گا۔ کہ وہ مجھے کہاں سے لائی تھی" ثمین کی بے چینی دیدنی تھی۔

"نہیں" سجاد اور سارا نے بیک وقت سر ہلایا۔ تو ثمین کو سخت دھکہ لگا "جنہوں نے اسے بچی دی تھی۔ اسے اپنے خاندان کا نام اور حسب نسب کو مخفی رکھنے کی تاکید کی تھی۔ ویسے ہم نے اس عورت سے بھی لکھوایا لیا تھا۔ کہ وہ اس بچی کو ہم سے واپس نہیں لے گی ___ نیز یہ بچی انتہائی معزز اور شریف خاندان کی بچی ہے۔ جسے مجبوری کی بنا پر ہمیں گود دیا جا رہا ہے۔"

ثمین بے حال ہو گئی۔ اس نے اپنا سر صوفے کی پشت پر ڈال کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا رنگ تو پہلے پیلا پڑ چکا تھا۔ اب بالکل ہی پھیکا پڑ گیا ___ لگتا تھا۔ وہ بیہوش ہونے کو ہے۔

سارا اٹھ کر اس کے پاس جا بیٹھی۔ زبردستی اسے اپنی طرف کھینچ کر سینے سے لگا کر بولی "میری جان حوصلہ کرو۔ تم اپنے والدین تک پہنچ جاؤ گی ___ وہ عورت زندہ ہے۔ اس کا پتہ بھی ہمیں معلوم ہے۔ ہم اسے اکثر کچھ نہ کچھ بھیجتے رہتے ہیں ___ وہ تمہیں تمہارے والدین سے ضرور ملا دے گی۔"

ثمین بغیر آنسوؤں کے رو رہی تھی۔ سسک رہی تھی۔ پتہ نہیں ابھی اس کی راہ میں کتنی مشکلات تھیں۔ یہ خیال سوہان روح تھا۔

سجاد بولا "میں اس عورت کو ابھی جاکر لے آتا ہوں۔ ہم نے جب تمہیں پایا تھا۔
اس وقت ہمیں صرف بچہ لینے کا جنون تھا۔ ہم نے اس سے پوچھ گچھ کی ضرورت ہی نہ
سمجھی تھی ___ پھر ایک ماہ کے بعد ہی مجھے دوبئی میں بڑی اچھی جاب مل گئی۔ ہم وہاں
چلے گئے۔ تم ہمارے لئے خوش قسمت ثابت ہوئی تھیں۔ پھر دو تین ماہ بعد ہی سارا امید
سے ہوگئی۔ اس کو بھی ہم نے تمہاری خوش بختی کی وجہ سے سمجھا۔ لیکن پھر جانے کیوں
ہم خود غرض ہوگئے۔ ہمیں صرف اپنے آنے والے بچے ہی کی خوشی تھی۔ اسی کا احساس
تھا۔ ہم تمہاری طرف سے غافل ہوگئے ___ تم سے جان چھڑانے کی اس لئے کوشش
کی۔ کہ سارا کہتی تھی دو بچوں کو اکٹھا نہ پال سکے گی۔ دوسرے ہماری جائیداد اور روپے
پیسے کا جب اصلی وارث آرہا ہے۔ تو پھر تمہیں کیوں حصہ دار بنائیں۔ ہم نے تمہیں
سلیمان حیدر صاحب کو دے دیا۔ اس بے حسی ظلم اور زیادتی کی ہمیں سزا بھی مل گئی۔
ہمارا بیٹا پیدا ہوکر مرگیا۔ بلکہ سزا اب تک مل رہی ہے۔ سبین سدا کی روگی ہے۔ بیٹا جب
تک تم ہمیں دل سے معاف نہ کروگی۔ ہمیں اپنی بیٹی کی طرف سے بھی پریشانی ہی رہے
گی۔"

سجاد نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ تو سبین نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں
ایسا کرنے سے منع کیا۔

پھر

وہ سیدھی ہوکر بیٹھ گئی اور بولی "انکل آپ اس عورت کو لے آیئے۔ میں ___
بہت مضطرب بڑی پریشان ہوں۔ آپ اتنے ہی شرمندہ ہیں تو اس شرمندگی کا بار اس طرح
اتار دیجئے۔ کہ مجھے میرے اصلی وارثوں تک پہنچنے میں میری مدد کیجئے ___"

"میں آج ہی اسے جاکر لے آتا ہوں۔ اس کا گھر میں نے دیکھا ہوا ہے۔ وہ اب
نوکری نہیں کرتی۔ غالباً ان لوگوں سے اب تک پیسے لیتی ہوگی۔ ہم بھی اسے پیسے دیتے
ہی رہتے تھے ___"

سبین کو اپنا دماغ ماؤف ہوتا لگ رہا تھا ___ وہ کن کن ہاتھوں میں آئی اور کن کن

ہاتھوں میں گئی ___ یہ سوچ اذیت وکرب کی حامل تھی۔

سجاد نے اس عورت کو لانے کا وعدہ کیا۔

تو

سارا نے سبین سے کچھ دیر آرام کرنے کا کہا۔ وہ اسے زبردستی بیڈ روم میں لے گئی
اور سبین کو لٹا دیا۔ سبین بھی ذہنی اور جسمانی طور پر تھکی ہوئی تھی۔ منزل کے قریب پہنچ
کر تکان سے چور چور ہوگئی تھی۔ آرام کرنا اس کے لئے ضروری تھا۔

اس نے اپنے بیگ سے ذہنی سکون کے لئے ٹیکزوٹل کی گولی نکالی۔ پانی منگوایا اور
گولی کھاکر لیٹ گئی۔

سارا چند منٹ وہاں ٹھہری پھر دروازہ بند کرکے کمرے سے نکل آئی۔

شام ہونے سے پہلے پہلے سجاد اس عورت کو لے کر آگئے۔ جس نے تقریباً پچیس
سال پہلے نوزائیدہ سبین ان کے حوالے کی تھی۔ وہ پچاس پچپن کے پیٹے میں تھی۔ رنگ
سانولا نقش ونگار پھیلے پھیلے بال کھچڑی اور جسم دبلا پتلا تھا۔ اس نے صاف ستھرے کپڑے
پہن رکھے تھے۔ لیکن نوکرانیوں کی چھاپ چہرے پر تھی۔ روپیہ پیسہ اب اس کے پاس
کافی تھا۔ نوکری بھی نہ کرتی تھی۔ پھر بھی بڑے لوگوں سے ملنے اور ان کی تعظیم کرنے کے
آداب نہ بھولی تھی۔ ڈرائنگ روم میں سارا بیٹھی تھی۔ وہ سلام کرکے اس کے قریب
قالین پر بیٹھ گئی۔ اسے پتہ نہ تھا۔ کہ سجاد اسے یہاں کیوں لائے ہیں۔ اس لئے اس نے
سارا سے خیروعافیت معلوم کرنے اور ان کے نوجوان عزیز کی موت پر اظہار تعزیت کرنے
کے بعد پوچھا۔

"جی۔ خیر تو ہے۔ مجھے کیوں بلا بھیجا۔ کوئی کام تھا؟"

"ہاں۔ بہت ضروری اور بڑا اہم کام ہے" سارا نے کہا۔

سبین ابھی اسی بیڈ روم میں تھی۔ آرام لے لیا تھا۔ لیکن جس اعصاب شکن دور
سے وہ گزری تھی اور اب بھی گزر رہی تھی۔ اس نے اسے نڈھال اور بے حال کردیا تھا
رنگت پھیکی پڑ چکی تھی۔ آنکھوں کے گرد بڑے واضح حلقے تھے۔ پیازی ہونٹ جو لپ

اسٹک کے محتاج نہ تھے۔ اب خشک ہو رہے تھے۔ سبین سو کر اٹھی۔ تو کافی دیر تک بیڈ میں تساہل سے پڑی رہی۔ پھر گھڑی دیکھی۔ دو تین گھنٹے وہ ریسٹ لے چکی تھی۔

وہ اٹھ کر باتھ روم میں گئی۔ منہ پر چھینٹے مارے۔ پھر اسے خیال آیا۔ کہ نہا ہی لے کراچی کا موسم خاصہ گھٹن زدہ اور حبس والا تھا۔ کچھ اس کے اندر بے چینی تھی۔ اس لئے نہا دھو کر کپڑے تبدیل کرنا ضروری سمجھا ___ وہ باہر نکل آئی اور اپنے بیگ میں سے کپڑے تولیہ اور دوسری چیزیں نکالیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ قدرے تازہ دم تھی۔ بالوں کو ہیر ڈرائیر سے سکھا لیا۔ وائیل کے پرنٹڈ کپڑے پہنے ___ اسی طرح کا چوڑا سا دوپٹہ کندھوں پر ڈالا ___ اب وہ کمرے سے باہر جانے کے لئے تیار تھی۔

سارا ڈرائنگ روم ہی میں تھی۔ اسی عورت سے اب بھی باتیں کر رہی تھیں۔ سبین کی ساری کہانی اس کے گوش گزار کرتے ہوئے جب اس نے کہا "وہ لڑکی یہاں آئی ہوئی ہے۔ وہ تم سے اپنے اصل وارثوں کا پتہ کر کے انہیں ملے گی ___ ہمیں تو ضرورت نہ تھی۔ ہم نے کبھی تم سے یہ سوال نہیں کیا تھا۔ لیکن وہ صرف یہی پتہ کرنے یہاں آئی ہے۔ تمہیں اس کو سب کچھ بتانا ہو گا ___"

"بی بی ___" وہ عورت خوفزدہ سی نظر آئی۔

"کیوں۔"

"میں ان لوگوں کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتی۔ اس کے متعلق اس سے کہیں مجھ سے کچھ نہ پوچھے۔"

"کیوں ___ کیا وہ لوگ اچھے لوگ نہیں؟ یا اس لڑکی کی پیدائش غیر قانونی تھی؟"

"نہیں بی بی ___ وہ بہت اچھے اونچے اور بڑے معزز لوگ ہیں۔ یہ لڑکی بھی ماں باپ کی جائز اولاد ہے ___"

"پھر؟"

"بس کسی مصلحت کی بنا پر یہ بچی انہوں نے ___"

"کسی دوسرے کی گود میں ڈال دی تھی ___" سبین نے آگے آتے ہوئے اس کی بات پوری کر دی۔ وہ اس کے سامنے صوفے پر ڈٹ کر بیٹھ گئی۔

عورت نے اسے دیکھا اور پھر حیران ہو کر پوری آنکھیں کھول کر اسے تکنے لگی۔

سارا نے اس کا کندھا ہلایا "یہی ہے وہ لڑکی ___ اب ڈاکٹر بن چکی ہے۔ ڈاکٹر سبین ___ تمہیں بتایا تھا نا۔ ہم نے اسے کسی اور کی گود میں دے دیا تھا۔ ان لوگوں نے۔"

سارا اسے پھر سے کہانی سنانے لگی۔ لیکن وہ تو جیسے سکتے میں آ گئی تھی ___

سارا نے اس کا کندھا ہلایا "کیا دیکھ رہی ہو۔ یہی وہ نوزائیدہ بچی ہے جسے تم نے میری جھولی میں ڈالا تھا۔"

"آں" وہ ایک دم چونکی اور پھر بڑبڑائی "یہ تو ہو بہو اپنی ماں کی تصویر ہے۔ وہی نین نقش وہی صورت ___"

سبین بے تابی سے بولی "میری ماں کو تم نے دیکھا ہوا ہے۔"

اس نے سر ہلایا ___ "اسے گود کھلایا ہوا ہے۔"

"وہ ___ وہ زندہ ہیں؟"

"ہاں۔"

"کہاں ہیں۔ مجھے ان کے پاس ابھی لے چلو ___"

"یہ میں نہیں کر سکتی ___ میں نے ان لوگوں کو زبان دی ہوئی ہے۔ اب تک یہ زبان نہیں کھلی۔ وہ اب تک مجھے اس کا معاوضہ دیتے ہیں ___"

"میری ماں؟" سبین نے سنگین لہجے میں ڈانٹ کر پوچھا۔

"نہیں بی بی ___ نہیں ___" عورت نے اپنے ہاتھ نفی میں ہلائے ___ "اس بیچاری کو تو پتہ ہی نہیں۔ کہ آپ زندہ ہیں ___ آپ کو کسی کی گود میں دے دیا گیا تھا ___ اسے تو کہا گیا تھا۔ کہ مردہ بچہ پیدا ہوا ہے ___"

"تو ___ یہ ظلم کس نے کیا۔ کیوں کیا ___ مجھے بتاؤ ___" سبین نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ تو سجاد بھی اندر آ گئے ___

سیمن نے آنکھیں بند کر کے انگلیوں سے کنپٹیاں دبائیں۔ معاملہ پیچ در پیچ ہوتا جارہا تھا ___

سجاد اور سارا اس عورت کو سمجھانے لگے۔ کہ اس سیمن کو اس کے اصلی وارثوں کے متعلق بتانا بہت ضروری ہے۔ لیکن عورت خوفزدہ تھی۔ کچھ بتانے سے برابر انکار کر رہی تھی ___ "یہ ان کا راز ہے۔ جسے میں نہیں کھول سکتی ___"

"میں تم سے کھلواؤں گی ___ تم نے نہ بتایا تو تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گی۔ سب کچھ اگلوالے گی پولیس ___" سیمن نے انتہائی سخت اور مستحکم لہجے میں اس سے کہا ___

وہ عورت ہاتھ جوڑ کر منت بھرے لہجے میں بولی "خدا کے لئے بی بی ایسا نہ کیجئے گا۔"

"تو پھر تم بتا کیوں نہیں رہی۔"

"ان لوگوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا۔ اتنے سالوں سے مجھے ماہانہ رقم دے رہے ہیں۔"

"رقم کا لالچ ہے؟"

"نہیں ___ وہ بہت عزت دار اور اونچے طرے والے لوگ ہیں ___"

"یہ راز کھل گیا تو ان کی بے عزتی ہوگی۔ طرہ نیچا ہو جائے گا۔ جب میں ان کی جائز اولاد ہوں۔ تو پھر اس راز کا کیا مطلب؟"

"ہے بی بی ___"

"تو بتاؤ ورنہ میں تمہیں پولیس کے حوالے کرنے سے نہیں چوکوں گی ___"

"خدا کے لئے بی بی۔ ایسا نہ کرنا۔"

"ایسا نہ کروں ویسا نہ کروں تو کیا کروں ___ سیدھی طرح بتادو۔ خیریت اسی میں ہے۔"

"شاید ___ ایسا کیا تو وہ لوگ مجھے زندہ ہی نہ چھوڑیں ___"

"جان کا ڈر ہے۔"

اس نے سر ہلایا۔

"تو چلو ___ میں ضمانت دیتی ہوں۔ تم مجھے صرف ان لوگوں کا اتا پتہ بتادو ___ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا ___"

وہ عورت سر جھکا کر ہاتھ ملتی رہی۔ سارا سجاد اور سیمن اس پر برابر دباؤ ڈالتے رہے۔

وہ عورت نفی میں سر ہلا ہلا کر معافیاں مانگتی رہی۔

سیمن کے اعصاب جواب دے رہے تھے۔ وہ تند لہجے میں چیخی "آخر ایسا کیا ہے۔ کیا ان کی جائیداد کا کوئی معاملہ تھا۔ جس سے مجھے یا میری ماں کو محروم کرنا مقصود تھا؟"

"نہیں" وہ بولی۔

"تو پھر کیا میں جائز اولاد نہیں تھی۔ ان کے نام پر کلنک تھی؟"

"نہیں نہیں بی بی یہ بات نہیں ___"

"تو آخر بات کیا ہے" سیمن دانت پیستے ہوئے غرائی ___ "تم سیدھی طرح راہ راست پر نہیں آؤ گی۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے کروں گی۔"

وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی اس نے سجاد سے کہا "اسے پولیس کے حوالے کرنا ہوگا۔"

"نہیں نہیں" وہ آگے بڑھ کر سیمن کے قدموں سے لپٹ گئی۔ سیمن نے اسے پرے ہٹایا اور بولی "جب میں تمہارے بچاؤ کی بات کر رہی ہوں۔ پھر تمہارا اس قدر خوفزدہ ہونا کیا معنی ___"

"بہت بڑے لوگ ہیں۔ آن بان والے ہیں۔ ایک رعائت کیجئے۔"

"کیا؟"

"مجھے ان سے پہلے مل لینے دیجئے۔ میں سارے واقعات جو سارا بی بی نے بتائے ہیں۔ انہیں بتادوں گی۔ پھر انہوں نے اجازت دی تو آپ کو ان سے ملا دوں گی۔"

"میں کسی کے وسیلے واسطے سے ان سے نہیں ملنا چاہتی۔ میں خود ان کے پاس جاؤں

گی ___ تم صرف ان کا پتہ بتادو ___ صرف یہ بتادو کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا تھا۔

وہ عورت چپ ہوگئی۔ کچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر ہمت کی اور مختصراً پوری کہانی انہیں سنادی۔

○ ○ ○

خان صاحب شبیر خان بہت امیر کبیر آدمی تھے۔ شہر میں بڑی عزت تھی۔ لوگ ان کا نام بڑی تعظیم سے لیتے تھے۔ وہ خود تو بہت بڑے سرکاری افسر تھے۔ لیکن دونوں بیٹوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کاروبار شروع کئے۔ پیسے کی فراوانی پہلے ہی کم نہ تھی۔ اب تو دولت کی دیوی مہربان تھی۔ یہ لوگ اپنے حسب نسب اور خاندانی وقار پر بڑے نازاں تھے۔ وہ اپنے سے کمتر لوگوں سے ملنا جلنا تو کیا بات تک گوارہ نہ کرتے تھے۔ میں ان کے ہاں ملازمہ تھی۔ بڑی چہل پہل رہتی تھی ان کے ہاں۔

ان کے چار بچے تھے۔ دو بیٹے دو بیٹیاں ___ بڑی بیٹی کی شادی اتنی شان و شوکت اور دھوم دھام سے ہوئی۔ کہ لوگوں میں برسوں چرچے رہے۔ دونوں بیٹوں کی شادیاں بھی انہوں نے تزک و احتشام سے کیں۔ لیکن چھوٹی بیٹی کا یہ فریضہ ادا کرنے سے پہلے وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔

وہ ان دنوں بارھویں میں پڑھتی تھی۔ ان ڈاکٹر صاحب کو دیکھ لیں۔ وہ تو شاید ان سے بھی زیادہ خوبصورت معصوم اور بھولی بھالی تھی ___

پہلے تو سب ایک بہت بڑی کوٹھی میں رہتے تھے۔ لیکن باپ کے مرنے کے بعد چونکہ بھائیوں کے کاروبار الگ الگ تھے۔ اس لئے انہوں نے شاندار کوٹھیاں بنوالیں ___ ماں کبھی ایک بیٹے کے پاس چلی جاتیں کبھی دوسرے کے۔ چھوٹی بیٹی چھوٹے بھائی بھاوج کے ساتھ ہی رہتی تھی ___ اس سے پیار بھی بہت کرتی تھی بھابی۔ کیونکہ اس نے اسے اپنے بھائی کے لئے پسند کرلیا تھا۔ بھائی امریکہ میں ڈاکٹر بن رہا تھا۔ جب تک یہ بی اے کرتی۔ تب تک اس نے ڈاکٹر بن جانا تھا۔

لیکن

شومئی تقدیر اس لڑکی کو کسی متوسط طبقے کے نوجوان سے محبت ہو گئی۔ یہ لڑکا خوبصورت تھا۔ مزاج کا اچھا تھا۔ بی اے کرنے کے بعد کسی فرم میں نوکری کر رہا تھا۔ چھوٹا سا گھر تھا۔ باپ مر چکا تھا۔ ایک بہن تھی۔ جو معمولی سے خاندان میں بیاہی ہوئی تھی۔ ماں بیٹا ہی اب اپنے گھر میں تھے۔ شرافت تھی۔ لیکن دولت نہ تھی۔

محبت کا پودا بڑھتا رہا پھلتا پھولتا رہا۔ دونوں نے عہد کر لیا۔ کہ چاہے جتنی رکاوٹوں سے سامنا کرنا پڑے وہ ایک دوسرے کا ساتھ نہ چھوڑیں گے ___ تب لڑکی کی عمر بمشکل اٹھارہ سال ہو گی۔ گھر بھر کی لاڈلی تھی۔ مزاج میں ابھی اتنی پختگی نہ تھی۔ پتہ نہیں اس چھبیس سالہ کو اس سے واقعی محبت تھی۔ یا اس کی خاندانی دولت پر نظر تھی ___ اسے اتنا رجھایا کہ وہ اس کے سوا کسی اور کو خاطر میں لاتی ہی نہ تھی۔

اور

پھر

اتفاقاً ہی اس کی چھوٹی بھابی کو اس کے رومانس کا پتہ چل گیا ___ وہ میکے سے اپنی گاڑی میں آ رہی تھی۔ کہ اس نے سکوٹر پر کسی لڑکے کے ساتھ اسے بیٹھے دیکھ لیا ___ لیکن اس نے بڑی سمجھداری سے کام لیا۔ لڑکی کو اپنے اعتماد میں لیا اور اس سے ساری بات اگلوائی۔ تاہم اس نے اسے سمجھایا۔ کہ وہ اب بھی قدم پیچھے ہٹا لے۔ کیونکہ وہ اس کے بھائی کی منگیتر ہے۔ جو امریکہ میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ بہت بڑی جائیداد کا وارث ہے۔ اس کے لئے مڈل کلاس کا لڑکا قطعاً موزوں نہیں۔

لیکن

لڑکی کے سر پر محبت کا جنون سوار تھا ___ وہ اس کی دیوانی تھی۔ لڑکا بھی اس پر جان دیتا تھا۔ چنانچہ جب بات بھابی کے علم میں آ گئی۔ تو اس نے لڑکے سے کہا۔ کہ باقاعدہ رشتے کے لئے وہ اپنی ماں اور بہن کو ان کے گھر بھیجے۔ تاکہ کوئی طوفان اٹھنے سے پہلے ہی معاملہ سمٹ جائے۔ وہ لڑکی پر اعتماد تھی۔ کہ اپنے گھر والوں کو یہ رشتہ طے کرنے پر راضی کر لے گی۔

چنانچہ

وہ ماں بیٹی ان کے ہاں آئیں۔ آنے کا مدعا بیان کیا۔ لڑکی کی دونوں بھابیاں اور بھائی وہاں موجود تھے۔ ماں بھی تھی۔ وہ لوگ ٹیکسی میں آئے تھے۔ اور ان کی مالی حیثیت ان کے چہروں اور بول چال سے عیاں تھی۔ اہل خانہ تو اس رشتے ہی کو اپنی بے عزتی سمجھ رہے تھے۔ ان لوگوں کی جرات پر تیخ پا تھے۔ اوپر سے لڑکے کی بہن نے انکساری سے کہا۔ کہ جب دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ شادی کرنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے ___

بس

اس بات نے تو جلتی پر تیل کا کام کیا۔ لڑکے کی بہن کی اتنی جرات کہ لڑکی کے بھائیوں کے سامنے یہ بات کہے۔ وہ تو اتنے بھڑکے۔ کہ ماں بیٹی کو فوراً گھر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ بے نقط سنائیں۔ ماں اور بھابیوں نے بھی ان کی بے عزتی کرنے میں کسر نہ چھوڑیں۔ اس بات کو انہوں نے ایک شریف معزز اور باوقار خاندان کی لڑکی پر تہمت لگانے کے مترادف سمجھا ___

ماں بیٹی اتنی بے عزتی پر روتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بھائیوں نے نوکروں کو حکم دیا۔ کہ انہیں دھکے دے کر گھر سے نکال دیں۔

پھر

لڑکی کی بھی شامت آ گئی۔ اسے سمجھانے کی بجائے اس کو مارا پیٹا گیا۔ کالج جانے نہیں دیا۔ گھر میں بند کر دیا۔ وہ روئی پیٹی۔ چیخی چلائی۔ لیکن کسی نے اس کی بات نہ سنی

مہینہ بھر اس پر سختیاں کی گئیں۔ پھر اسے کالج جانے کی اجازت دے دی گئی۔ کہ اس کے امتحان قریب تھے۔ اسے چھوڑنے ملازم جاتا اور واپس بھی وہی لے کر آتا۔ لیکن محبت سختیاں سہ سہ کر اور تند مند ہو گئی تھی۔ لڑکی نے لڑکے سے پھر ملنا شروع کر دیا۔ لڑکا اپنی ماں بہن کی بے عزتی پر آتش زیر پا تھا۔ لڑکی نے بمشکل اسے منایا۔ پھر دونوں نے

چھپ کر شادی کر لینے کا منصوبہ بنایا۔

چند دوستوں کی موجودگی میں نکاح ہوا اور لڑکی بابل کا گھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر پیا گھر آگئی ___ جہاں اسے اپنی غلطی کا احساس پہلے ہفتے ہی ہوگیا۔ ساس نند اس سے متنفر تھیں۔ اپنی بے عزتی ابھی کہاں بھولی تھیں۔ یوں گھر والوں کی رضامندی کے بغیر شادی کرکے آنے والی لڑکی۔ چاہے وہ انتہائی معزز اور امیر خاندان کی تھی۔ ان کی نظر میں آوارہ اور ذلیل تھی۔ شوہر جتنا بھی چاہتا ماں بیٹی اتنی ہی اس سے نفرت کرتیں۔

اس شادی کی خبر اس کی ماں بھائیوں بھابیوں پر برق بن کر گری۔ ان کی پگڑیوں کے اونچے اور بے داغ شملے داغدار ہو کر سرنگوں ہوگئے۔ گردنیں جھک گئیں اور کسی سے آنکھیں ملانے کے قابل نہ رہے ___ لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر نہ رہی۔ وہ سراپا غیظ و غضب ہوگئے۔ اس لڑکی اس کے شوہر اور ماں بہن کو انتقام کا نشانہ بنانے کا درپے ہوگئے۔

لڑکی کی جان تو شکنجے میں آگئی ___ خونی رشتے کٹ گئے۔ جن سے رشتہ جوڑا تھا۔ وہ خلاف ہوگئے اور تو اور شوہر بھی ماں بہن کی سن سنائی میں آکر اس سے بدظن ہونے لگا۔ بیچاری ظلم و ستم کا نشانہ بننے لگی۔ وہ لڑکی جس کے لئے دس دس نوکر موجود ہوتے تھے۔ سسرال والوں کے گھر باندیوں کی طرح کام کرنے لگی۔ پھر طعنوں کے نشتر اس کے دل میں چھید کرتے رہتے۔

یہ پچیس چھبیس سال پہلے کی بات ہے۔ ان دنوں اکثر لوگ قدامت پسند ہوتے تھے اور یہ خاندان تو اپنی آن بان اور عزت کے لئے مشہور تھا۔ ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دینے والے لوگ تھے۔ قصور لڑکی کا بھی تھا ___ لیکن گھر والے بھی اس واقعے کے ذمہ دار تھے۔ جب انہوں نے دیکھا تھا۔ کہ لڑکی نہیں مان کے دے رہی اور لڑکا بھی بضد ہے۔ تو عقلمندی یہی تھی۔ کہ دونوں کی شادی کر دیتے۔ بڑی بہن کو جہیز میں لاکھوں دیئے تھے۔ سجی سجائی کوٹھی دی تھی۔ اس کو بھی باپ کی وراثت کا حصہ دے دیتے۔ تو دونوں ان لوگوں کے معیار پر ہی رہ سکتے تھے۔ لیکن معاملہ تو عزت کا بن گیا تھا ___

جیسے

لڑکی نے کچھ زیادہ ہی بھگتا ___

اس کی عزت رہی تھی نہ وقعت۔ خاوند بھی لاپرواہ ہوگیا تھا۔ ماں بیٹی اب بھی خونخوار تھیں ___ لڑکی کسی سے کیا کہتی اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر مرتی رہی۔ پھر وہ امید سے ہوگئی۔ تب اس کا خیال تھا۔ کہ اس کا شوہر اس سے پہلی سی محبت کرنے لگے گا۔ ساس نند بھی خوش ہوں گی۔

لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ کسی نے اس کی پرواہ ہی نہ کی۔

پھر

ستم یہ ہوا۔ کہ اس کا ساتواں مہینہ ہی جارہا تھا۔ کہ اس کا شوہر کسی کی گولی کا نشانہ بن گیا۔ کہا تو یہ گیا۔ کہ قاتل کسی اور کو مارنے آئے تھے۔ لیکن اتفاقیہ گولی اسے لگ گئی۔ لیکن دبی دبی زبان سے چرچے یہ بھی ہوتے تھے۔ کہ لڑکی کے بھائیوں نے کسی اجرتی قاتل سے اسے مروا دیا ہے۔ لڑکی پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اب تو ساس نند اس کے اور بھی پیچھے پڑگئیں۔ کسی نے اس کا دکھ نہ جانا۔ میکے والے صرف اس کے شوہر کے مرنے کے دن آئے۔ پھر پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔ وہ دکھ سہتی رہی ___ بیمار ہوگئی ___ جان کے لالے پڑ گئے ___ ہمت جواب دے گئی تو اس نے ماں کو پیغام بھیجا۔ کہ وہ اس کی خبرگیری کرے ___

جواب کچھ امید افزا نہیں تھا ___

نواں مہینہ شروع ہوا۔ تو اس کی تکلیف بہت بڑھ گئی۔ نقاہت اتنی ہوگئی۔ کہ اٹھ کر چلا نہ جاتا وہ ڈاکٹر کے پاس گئی۔ اس نے اسے دیکھا چیک اپ کیا۔ تو تشویش بھرے لہجے میں کہا کہ کیوں مرنے پر تلی ہو ___ بچہ بھی مرجائے گا اور تم بھی اس حالت میں بچ نہ پاؤ گی ___

گائنا کالوجسٹ اسے اور اس کے خاندان کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اس کے شادی کے واقعے سے بھی آگاہ تھی ___ اس نے بہت کہا۔ کہ اب بھی وہ اپنی ماں کے پاس چلی

جائے۔ اچھے ماحول میں رہے اچھی خوراک لے۔ طاقت کے انجکشن لگوائے ___ جب
اس نے جواباً مایوسی میں کہا۔ کہ اب اس کی ذمہ داری اور دیکھ بھال کا وہ لوگ سوچتے
بھی نہیں۔ تب ڈاکٹر نے خود ہی ان لوگوں سے فون پر بات کی ___ اس کی ماں کو ساری
صورت حال سے آگاہ کیا۔ موت و زندگی کا مسئلہ تھا ___ زچہ بچہ دونوں کی زندگی
خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ اس نے اپنے طور پر ان لوگوں کو سختی سے ڈانٹا بھی اور کہا۔ کہ
اس لڑکی نے جرات بے شک خاندانی روایات کے خلاف کی۔ لیکن اس نے نہ تو غیر
قانونی کام کیا۔ نہ مذہب کے خلاف۔ اس نے شادی ہی کی اور اپنی مرضی سے کرلی۔ تو
اسے اتنا مسئلہ کیوں بنایا جارہا ہے۔

اس نے مذہباً اور قانوناً اس لڑکی کے حقوق کی کھل کر وضاحت کرتے ہوئے اس
کی تکلیف کا انہیں بتایا۔ یہ بھی کہا۔ کہ وہ اور اس کا بچہ اسی حالت میں رہے تو مر بھی
سکتے ہیں۔ آپ لوگوں نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنائے رکھا۔ تو دونوں مر بھی سکتے ہیں ___
یہ ایک طرح کا قتل ہی ہوگا ___ وہ انہیں کافی دیر سمجھاتی رہی۔

ماں کا دل آخر پسیج ہی گیا۔ اس نے بیٹوں کو بھی رضامند کیا۔ بات بھی اب کچھ دب
چکی تھی۔ وہ اسے گھر لے آئے۔ گو وہ اپنا کھویا ہوا مقام تو نہ پاسکی۔ لیکن پھر بھی اس کی
نگہداشت ہونے لگی۔ اب بھائیوں بھابیوں اور ماں کے سامنے اس کے ہونے والے بچے
کا مسئلہ تھا۔ اس کے اس گھر آجانے سے ساس نند بہت بگڑی تھیں۔ انہیں امید تھی۔
کہ اس کے بیٹا ہوگا اور اپنے بیٹے کی جگہ وہ ان کی گود میں آجائے گا۔ مگر یہ لوگ ان
لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتے تھے اس لئے بڑے دنوں کی سوچ و بچار کے بعد
انہوں نے فیصلہ کیا۔ کہ بچہ پیدا ہوتے ہی مشہور کردیا جائے گا۔ کہ بچہ مردہ پیدا ہوا ہے۔
جیسے لڑکی کی حالت تھی۔ توقع بھی یہی تھی۔ چنانچہ انہوں نے مجھے اعتماد میں لیا اور کہا کہ
اگر بچہ مردہ پیدا نہ ہوا زندہ ہوا۔ تو میں کسی کو بتائے بغیر ہسپتال سے لے جاکر کسی کو دے
دوں گی۔ انہوں نے تو یہاں تک کہا۔ کہ کوئی گود لینے والا نہ ہوا تو اسے گاؤں لے جاکر
کسی کچرے میں پھینک دینا۔ یوں نہ لڑکی رو دھو کر صبر کرلے گی اور اس کے سسرال

والوں سے بھی رابطہ نہ رہے گا۔ چنانچہ مجھے یاد ہے وہ سردیوں کی اندھیری رات تھی۔
جب آپریشن سے لڑکی پیدا ہوئی ۔ جو خلاف توقع بہت کمزور نہ تھی۔ وہ لڑکی میرے
حوالے کردی گئی ___ مجھے پانچ ہزار روپیہ دیا گیا اور میں راتوں رات اسے لے کر اپنے
گھر آگئی ___ حمیدا نے چند دن پہلے ہی اپنی اس بی بی کی بے اولادی کا ذکر کیا تھا ___
میں بچی ان کے ہاں لے آئی اور ان کی جھولی میں ڈال دی ___
اور
وہ چند لمحوں کے توقف کے بعد بولی "میں نے ان کو کاغذ لکھ کردے دیا۔ کہ لڑکی کی
واپسی کا مطالبہ نہیں ہوگا ___ یہ جائز بچی ہے اور اس کا تعلق معزز لوگوں سے ہے۔"

سب دم سادھے یہ کہانی سن رہے تھے۔ ثمین کا تو جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہ تھا۔
آنکھیں خشک اور ویران تھیں۔ ہاتھوں میں پسینے آرہے تھے۔ دل تھم تھم کر چل رہا تھا۔
اسے پتہ نہ چل رہا تھا۔ کہ اپنی ابتدا کے متعلق جان کر وہ مطمئن ہوئی ہے۔ یا سرے سے
سارا اطمینان ہی غائب ہوگیا ہے۔

وہ عورت چند لمحے چپ رہنے کے بعد ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔ "میں نے آپ کو
سب کچھ بتادیا ہے۔ اب میں آپ کے رحم و کرم پر ہوں۔ وہ لوگ گو اب پہلے کی طرح انا
کے قیدی تو نہیں رہے۔ پھر بھی وہ اس راز کی حفاظت کی اب تک مجھے قیمت دے رہے
ہیں۔ جانے اس راز کو افشا کردینے پر میرا کیا حشر کریں ___"

"کچھ نہیں کرسکتے" سجاد نے قدرے برہمی سے کہا ___ یہ کہانی سن کر اسے بھی
ثمین کی بیچاری سی ماں سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی ___ جو ان انا پرستوں کی بھینٹ
چڑھ گئی تھی۔

ثمین ورطہ حیرت سے نکلی تو اس کی زبان پر پہلا سوال یہ آیا "پھر میری ماں کا کیا بنا؟"

"وہ بیچاری اپنی بچی جو اس کی دانست میں مردہ پیدا ہوئی تھی۔ روتی بلکتی رہی ___
اپنے مرحوم شوہر کی نشانی اس کی گود میں آجاتی۔ تو شاید اسی کے سہارے وہ زندگی گزار
لیتی ___"

"پھر ___ پھر اس کا کیا ہوا ___ کہاں ہے وہ" ثمین نے بے تابی سے کہا۔

"دو تین سال وہ ان لوگوں کے پاس رہی ___ اس عرصے میں وہ سنبھل چکی تھی۔ اس نے پھر سے پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن گھر والے اس کی شادی کے لئے کوشاں تھے۔ پھر انہیں ایک رشتہ مل ہی گیا ___ بے اولاد رنڈوا تھا۔ لیکن ان لوگوں کا ہم پلہ ہی تھا۔ اس کے ساتھ اس کی شادی کر دی گئی اور وہ اس کے ساتھ باہر کے ملک چلی گئی۔ برسوں سے وہ وہاں ہی ہے ___"

"ہوں" ثمین نے اک ہنکارا بھرا ___

سجاد نے اس عورت سے ان لوگوں کے گھر کا پتہ پوچھا۔

تو

وہ

عورت ہچکچائی جب سجاد نے تحکمانہ لہجے میں پھر پوچھا

تو اس نے نام و پتہ بتا دیا ___

سجاد' خان صاحب کے نام سے واقف تھا۔ شہر کے مشہور آدمی ہو گزرے تھے۔ ان کے بیٹوں کا بھی اسے پتہ تھا۔ وہ حیرانگی سے بولا "تو ___ یہ وہ ہیں ___"

عورت نے سر ہلایا اور بولی "آپ انہیں جانتے ہیں ___؟"

"انہیں شہر کے اکثر لوگ جانتے ہیں ___" وہ بولا ___ "مجھے ان کے گھر کا پتہ ہے۔ میں خود ثمین کو ان کے پاس لے جاؤں گا ___"

"نہیں" ثمین نے فیصلہ کن انداز میں کہا ___ "ان کے پاس میں اکیلی جاؤں گی۔"

"جیسے تمہاری مرضی بیٹا" سارا جو گم صم سی بیٹھی تھی بولی "سارے کاغذات ساتھ لے جانا اور اس کو بھی۔"

اس نے عورت کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں ___" اس نے پھر اسی لہجے میں کہا "میں اکیلی جاؤں گی ___ ان جابر و

ظالم لوگوں کا میں خود حساب لوں گی ___ ویسے" اس نے عورت کی طرف دیکھا "ایک بات سچ سچ بتا دو۔"

"کیا جی" وہ بولی۔

"جو کچھ تم نے کہا ہے۔ وہ سب سچ ہے نا۔ اپنی طرف سے کچھ لگائی بجھائی تو نہیں کی۔"

"توبہ توبہ۔ بی بی ___ خدا کو جان دینی ہے۔ میں نے حرف بحرف سچائی بیان کی ہے۔ آپ ان لوگوں سے ملیں گی تو خود پوچھ لینا ___ لیکن خدا کے لئے میرا بھی خیال رکھنا۔ کہیں وہ لوگ یہ راز بتا دینے پر میرے سر نہ ہو جائیں ___"

"اس طرف سے تم مطمئن رہو۔"

"جیو بی بی ___ جیتی رہو ___"

کچھ دیر اسی کہانی پر تبصرے ہوتے رہے۔ وہ عورت انہیں کئی باتیں بھی بتاتی رہی ___ جو دلچسپ بھی تھیں اور بعض تکلیف دہ بھی ___

ثمین سب کچھ سمجھ رہی تھی۔ اپنی ان دیکھی ماں سے اسے ہمدردی بھی محسوس ہو رہی تھی اور دکھ بھی ___ اس کی جرات بے باکانہ پر غصہ بھی آ رہا تھا اور اس کے گھر والوں کے ناروا سلوک کا سن کر بے چین بھی ہو رہی تھی۔

بہرحال۔

ایک بات کا اسے اطمینان ضرور ہو گیا تھا۔ کہ وہ کسی گندی نالی کا کیڑا نہیں تھا کسی کے گناہ کا ثمر نہیں تھا ___ کسی کی ناجائز اولاد نہیں تھی۔

اس کا

ماضی

بھرپور تھا۔ پس منظر بے داغ اور سنہرا رو پیلا تھا۔ وہ بہت بڑے آدمی کی نواسی تھی ___ اونچی حیثیت کے لوگ اس کے ننھیالی رشتہ دار تھے۔

اور

اس کا باپ
گو امیر و کبیر نہ تھا۔ متوسط طبقے سے تعلق تھا اس کا ___ پھر بھی معاشرے کا ایک باعزت فرد تھا ___

سکون و اطمینان کی لہریں اس کے اندر دوڑ گئیں۔ اب وہ سب کے سامنے سر اٹھا سکتی تھی۔ اپنی ولدیت کا تفاخر سے ذکر کر سکتی تھی ___

باتیں ختم ہو گئیں تو اس عورت کو اس کمرے سے باہر بھیج دیا گیا۔ اب سجاد سارا اور ثمین کل کا پروگرام بنانے لگے ___

"آپ مجھے ان کے گھر تک چھوڑ آیئے گا" ثمین نے سجاد سے کہا "اور ہاں یہ عورت یہیں رہے ___"

"اب رات تو یہیں رہے گی۔ اس وقت اسے کون چھوڑنے جائے گا" سارا نے کہا

"رات نہیں ___ یہ اس وقت تک یہیں رہے گی۔ جس وقت تک میں ان لوگوں سے مل نہ لوں ضرورت پڑی تو اسے وہیں منگوا لوں گی ___"

"اچھا" سارا نے کہا ___ پھر ثمین کے چہرے کی سنگینی دیکھ کر بولی "بیٹی۔ جو ہو چکا سو ہو چکا ___ اب اپنوں سے ملو گی ___ تو بہتر ہوگا۔ کہ اچھی طرح ملو ___"

"ہنھ" ثمین ہنکاری "مل لونگی اور اچھی طرح ہی ملوں گی ___"

"ثمین بیٹی" سارا نے اس کے لہجے کی کرختگی اور سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہا تو ثمین نے ہاتھ اونچا کر کے اسے روک دیا اور بولی "یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ پلیز آپ دخل نہ دیں۔"

سارا چپ ہو گئی ___ سجاد نے بھی اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا ___

حمیداں نے کھانا میز پر لگا دیا تھا ___ جب اس کے بلانے پر یہ تینوں کھانے کے لئے اٹھے تو سجاد اور سارا نے ایک بار پھر ثمین سے معافی مانگی اظہار ندامت کیا اور خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے بولے "ہمارے دلوں سے بوجھ تو اتر گیا۔ شکر ہے تم اپنے اصلی وارثوں تک پہنچ گئیں ___"

وہ اطمینان کی سانس لیتے ہوئے بولی "پہنچوں گی تو کل ___ آپ دس گیارہ بجے تک مجھے وہاں چھوڑ آیئے گا ___"

"ٹھیک ہے" سجاد نے کہا۔

پھر
سب کھانے کی میز پر آ بیٹھے۔ ثمین نے کافی عرصے بعد آج سکون سے کھانا کھایا۔

○ ○ ○

ماہ نور اور منیب کی شادی کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ منیب کی امی ثمینہ اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی اتنی دھوم دھام سے کرنا چاہتی تھی۔ کہ لوگ برسوں اس شادی کو بھلا نہ پائیں۔ ایک تو یہ بات تھی۔ کہ ایک ہی ایک بیٹا تھا۔ روپے پیسے کی بھی کمی نہ تھی۔ خوشی کے لئے جتنا پیسہ بھی خرچ کیا جاتا کم تھا۔ دوسرا وہ وجیہہ اور اس کے والدین پر بھی لاشعوری طور پر اپنے چاؤ اور دولت کا رعب جمانا چاہتی تھی۔

ماہ نور کے لئے جو جو خریداری ہو رہی تھی اس کی پسند کے مطابق ہو رہی تھی۔ شاپنگ کے لئے ماں بیٹی ہمیشہ اسے ساتھ لے کر جاتیں۔ ماہ نور خوش بھی ہوتی اور متفکر بھی۔ یہاں اس کی خاطر جس طرح پیسہ خرچ ہو رہا تھا۔ اس کا عشر عشر ماں باپ نہ کر سکتے تھے۔ ایک ریٹائرڈ کرنل جو گزر بسر کے لئے ایک عام سی نوکری کر رہا تھا ___ اس طرح بے دریغ کرنے کا سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ خیر اسے یہ تسلی ضرور تھی۔ کہ اس کے ماں باپ نے اسے ڈاکٹر بنا دیا ہے۔ یہ اعلیٰ تعلیم بھی دنیاوی روپے پیسے سے کم نہ تھی ___ اس کا آگے بھی پڑھنے اور کسی سبجیکٹ میں سپیشلائز کرنے کا ارادہ تھا۔ وہ علم کی اس دولت کو بڑھا سکتی تھی ___

ان دنوں وہ شاپنگ میں مگن تھی۔ یا منیب میں۔ دونوں ہر روز ہی ملتے تھے۔ ان کی شادی کی تاریخ بھی طے ہو گئی تھی۔ مہینہ ڈیڑھ ہی ہاؤس جاب کا رہ گیا تھا۔ اس کے ختم ہوتے ہی شادی ہو جانا تھی سو آج کل تو دونوں ایک دوسرے کی قربتوں سے مسحوری کا ہی لطف لے رہے تھے ___

ہاں

ان ملاقاتوں میں وہ اپنے عزیز ترین دوستوں مصطفیٰ اور سیمن کو نہیں بھولتے تھے۔

اکثر ہی ان کی باتیں ہوتی رہتیں۔ ان کی کامیابی کی دعائیں کرتے۔ مصطفیٰ تو بہت بدل ہو چکے تھے۔ اب تو وہ چند دن کی چھٹی لے کر کراچی چلے گئے تھے۔ منیب کی ان سے تقریباً روز ہی بات ہوتی ___

مصطفیٰ اسے حال دل بتاتے رہتے۔ کراچی آکر بھی انہیں سکون نہیں ملا تھا۔ سیمن سے ان کا کوئی رابطہ نہ تھا۔ وہ ماہ نور سے ہی اس کے متعلق جانکاری کرتے ___

ماہ نور بھی ان دنوں اس سے کٹی ہوئی تھی ___ کراچی جاکر اس نے ماہ نور کو کوئی فون نہیں کیا تھا۔

نہ ہی

ماہ نور کے علم میں تھا۔ کہ کراچی وہ کہاں ٹھہری ہے اور اس سے رابطہ کس نمبر پر ہو سکتا ہے ___

وہ تو کل اتفاق ہی سے ماہ نور کو عائشہ کا فون آگیا۔ جس نے سیمن کے متعلق اسے بتایا۔ یہ بھی کہا کہ اب اسے اپنے اصلی وارثوں کا پتہ چل جائے گا۔ معاملہ اب کہاں پہنچا تھا۔ اس کا اسے علم نہ تھا۔ دونوں یہی دعا کر رہی تھیں۔ کہ خدا کرے سیمن کسی اچھے خاندان سے تعلق رکھتی ہو اور اس کے تمام مسائل بخیر و خوبی حل ہو جائیں۔

سیمن ان مسائل کو حل کرنے ہی میں لگی ہوئی تھی ___ یہ حل تو ہو ہی گئے تھے۔ اسے اپنے خاندان آباؤ اجداد کا پتہ مل گیا تھا۔ اب وہ ان لوگوں سے ملنے والی تھی۔ جنہوں نے اس کی بے گناہ ماں پر اتنے ظلم ڈھائے تھے۔ اس کی گود اجاڑ دی تھی۔ زندہ بچی کے ہوتے ہوئے اسے احساس دلایا تھا۔ کہ اس کے ہاں مردہ بچی پیدا ہوئی ہے۔ وہ مظلوم عورت اپنی بچی کو دیکھ نہ سکتی تھی۔ اسے چھو نہ سکتی تھی۔ اسے گود میں بھر کر پیار نہ کر سکی تھی۔ نو ماہ تک جس نے مر مر کر اسے پیٹ میں رکھا تھا۔ مرحوم خاوند کی یادگار سمجھ کر جسے گلے سے لگا کر باقی زندگی اسی کے سہارے گزارنے کا عزم کیا تھا۔ اسے اس سے یوں چھین لیا گیا تھا۔ کہ وہ فریاد بھی نہ کر پائی تھی۔ رو دھو کر خدا کی رضا پر راضی ہو گئی تھی ___

اس کے اندر جوالا مکھی پھٹ رہے تھے۔ وہ نفرتوں کا بوجھ سہار نہ پا رہی تھی۔ اس عورت نے اسے بتایا تھا۔ کہ ان دنوں بڑا بھائی اور بھاوج امریکہ اپنے بیٹے کے پاس گئے ہوئے ہیں۔ خان صاحب کا چھوٹا بیٹا اور اس کی بیوی ہی یہاں ہیں۔ سو سبین انہی کے گھر آئی تھی۔

چھوٹا بھائی اور بھاوج

جو

اس کے ماموں اور ممانی تھے۔

اس وقت سبین ایک بہت بڑے اور بڑے ہی عالی شان گھر کے نہایت ہی خوبصورتی سے آراستہ کشادہ سے ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی۔ اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تھی۔ ڈرائنگ روم اہل خانہ کی امارت و ثروت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ دبیز قالین ریشمی سرسراتے پردے۔ نرم و گداز صوفے۔ وکٹورین طرز کی کرسیاں۔ چمکتی سطح والی میزیں۔ چینی کے برطانوی واز گملوں میں لگے اصلی اور آرٹیفشل پودے۔ غرضیکہ ہر شے کلر فل اور خوبصورت تھی۔

ملازم سبین کو یہاں بٹھا کر بیگم صاحبہ کو بلانے چلا گیا تھا۔

اور

سبین ڈرائنگ روم کی نفاست اور سلیقے کی سجاوٹ کو دیکھ کر سوچ رہی تھی۔

کہ

اتنے تنگ نظر۔ جابر اور اپنی اناؤں کو تسکین دینے کے لئے دوسروں کے ارمانوں کا قتل کر دینے والے لوگوں کی پسند اتنی صاف شفاف اور عمدہ بھی ہو سکتی ہے۔

پھر

اس نے خود ہی کہا۔

اصلی چہروں کو نقابوں تلے چھپا لینے والے ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں ___ ظاہر کچھ باطن کچھ۔

وہ اپنی سوچوں میں گم تھی۔

کہ

قدموں کی آواز آئی۔

اس نے بیٹھے بیٹھے گردن موڑ کر دیکھا ___

وہ

بے اختیارانہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس کی چیخ نکلتے نکلتے بچی۔

اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں ___ اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔

کچھ

ایسی ہی کیفیت اندر آنے والی بیگم صاحبہ کی بھی ہوئی۔ وہ متحیر تو ہوئی۔ لیکن اس کے اندر کی نخوت اور غرور چہرے سے ظاہر ہو گیا ___

"تم؟" وہ اسے سرتاپا دیکھتے ہوئے بولی "ڈاکٹر سبین۔"

سبین کچھ نہ بولی۔ بول ہی نہ سکی۔ اس کے اندر تو طوفان ٹکرا رہے تھے۔ اس نے تو جیسے جاگتے میں کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا تھا۔ اب تو اس کا جسم بھی لرزنے لگا تھا۔

جانے غم و غصے سے

یا

ڈر و خوف سے

بیگم صاحبہ آگے بڑھی۔ اس کے قریب آتے ہوئے بولی "تم ___ یہاں؟ کس لئے آئی ہو۔"

اس کے لہجے میں طنز تھا۔ وہ اس کے قریب والے صوفے پر بیٹھ کر بولی "تم اگر مصطفیٰ کے تعاقب میں یہاں ___"

وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی ___ کہ سبین کے اندر کا لاوہ ابل پڑا ___ وہ تقریباً چلائی "بس آگے کچھ نہیں کہئے گا ___ میں مصطفیٰ کے تعاقب میں یہاں نہیں آئی اور نہ ہی

مجھے علم تھا۔ کہ یہ مصطفیٰ کا گھر ہے اور اس کے مالکان آپ لوگ ہیں ــــ"

اس کے جارحانہ انداز سے شائستہ جو مصطفیٰ کی امی ہی تھی۔ کچھ حیران اور ہرا
سی ہوئی پھر اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے بولی "بیٹھو ــــ"

وہ بیٹھ گئی ــــ لیکن اس کی ٹانگیں اور ہاتھ اب بھی لرز رہے تھے۔ دل ڈ
ڈوب کر ابھر رہا تھا۔

قسمت کی یہ سفاکی کیا ابھی باقی تھی؟ اس نے سوچا۔

لیکن

جلد ہی اس کے اندر کے نفرتوں کے طوفان ٹکرانے لگے۔ اس کی آنکھوں
چنگاریاں نکلنے لگیں۔ چہرہ سرخ ہوگیا۔

شائستہ اس کی وضاحت پر قدرے حیران تو ہوئی۔ پھر قدرے نرمی سے کہا "یہ
کس طرح آنا ہوا۔"

ثمین جوش میں آکر بولی۔ "آئی تو میں گھناؤنے چہروں پر پڑے شرافت و امارت ک
نقاب ہٹانے تھی لیکن مجھے پتہ نہیں تھا وہ چہرے آپ کے ہیں ــــ"

"تمیز سے بات کرو۔ کیا کہہ رہی ہو۔ اس کا مطلب سمجھتی بھی ہو" شائستہ ایک د
طیش میں آگئی۔

"سمجھتی ہوں تو آئی ہوں" ثمین بولی "شاید آپ کو وہ مظلوم عورت یاد ہو۔ جس
کا نام عفت تھا ــــ"

"عفت! میری نند ــــ" اور پھر ایک دم ہی شائستہ نے نظریں بھر کر ثمین کو دیکھ
ــــ ثمین جسے پہلی دفعہ دیکھا تھا تو شکل مانوس لگی تھی۔ لیکن ذہن میں یہ بات تو آئی ن
تھی۔ کہ عفت سے اس لڑکی کا کوئی تعلق ہے ــــ لیکن! ــــ؟"

شائستہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اور وہ حیرت زدہ ثمین کو تکنے گئی۔

"جی ہاں ــــ" ثمین بولی "میں اسی بد نصیب عفت کی وہ بیٹی ہوں۔ جسے آپ نے
رات کے اندھیرے میں سرداراں کے سپرد کرکے کہا تھا۔ کہ مجھے کسی کی جھولی میں ڈال

آئے اور اگر کوئی جھولی نہ ملے تو بے شک کچرے پر پھینک آئے ــــ"

"تم۔ تم عفت کی بیٹی ہو ــــ" شائستہ ہکلا کر بولی ــــ "لیکن یہ بات کیسے
ــــ مانی جاسکتی ہے۔"

"میرے پاس یہ سارے ثبوت ہیں ــــ" اس نے فائلیں اسے دکھائیں ــــ
"سرداراں جو آپ کی شریک راز تھی اور جو مجھے لے کر کسی کی جھولی میں ڈال آئی تھی۔
مجھے میری ماں کی ساری روئیداد سنا چکی ہے ــــ"

شائستہ اس انکشاف سے بوکھلا گئی تھی۔ ثبوت تو وہ کیا دیکھتی ثمین تو اپنی ماں کی ہو
بہو تصویر تھی۔ شک و شبے کی گنجائش نہ تھی۔ اس سلسلے میں انکار کیا ہی نہ جاسکتا تھا۔

اور

پھر

ثمین کی فائل بھی تھی۔ جس میں یقیناً پورے ثبوت ہونگے اور پھر سرداراں؟

ثمین بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ اس کے اندر نفرت بل کھا کھا
کر اٹھ رہی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا۔ سامنے بیٹھی اس عورت کا گلا گھونٹ دے۔

چند لمحے بالکل خاموشی رہی۔ عجیب سا سناٹا تھا۔ لگتا تھا کائنات کا دل تھم گیا ہے۔

شائستہ کے حواس بجا ہوئے۔ تو اس نے پھر غور سے ثمین کو دیکھا اور آہستگی سے
بولی "تو تم عفت کی بیٹی ہو ــــ"

"جی ہاں" ثمین غرائی۔ "وہ بیٹی جسے ماں کے لمس تک سے آپ نے محروم کر دیا۔
جسے ماں کی گود نصیب نہ ہونے دی۔ جسے ماں کے پیار سے آشنا نہ ہونے دیا۔ جسے آپ
نے عضو باطل کی طرح کاٹ کر دنیا کے وسیع و عریض سمندر میں اس لئے پھینک دیا۔ کہ
اس کی ماں نے اپنی پسند کے مرد سے شادی کر لی تھی اور جو بیوہ ہو کر یا بیوہ کر دیئے جانے
کے بعد پھر آپ کے در پر آن پڑی تھی۔ جسے آپ نے اپنے بھائی کے لئے پسند کر رکھا
تھا۔ لیکن جس نے اسے ناپسند کرکے پیار کی شادی رچالی تھی۔ یہ بات معاشرے کی نگاہ
میں بے شک اچھی نہ سمجھی جاتی تھی۔ لیکن نہ تو قانوناً نہ ہی مذہباً ناجائز تھی۔ آپ

لوگوں نے اپنی اونچی ناک کی خاطر اس مظلوم عورت پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔ اسے جیتے
مار ڈالا ___ اس کی اولاد اس سے چھین لی ___"

"یہ ___ یہ ___ ساری باتیں" شائستہ بولی۔ "تمہیں ___ کس نے بتائیں۔"

"سچائی۔ برسوں چھپائی جائے۔ لیکن کبھی نہ کبھی ظاہر ہو ہی جاتی ہے ___" سبین
بولی۔ پھر اس نے اسی جوش اور غصے میں اسے سارا اور سجاد کے متعلق بتایا ___ ان
سلیمان حیدر کے ہاتھوں میں آنے کی بات کی۔

وہ بولی "شاید میری ماں گنہگار نہیں تھی۔ اسی لئے خدا نے مجھے ان عظیم لوگوں تک
پہنچا دیا۔ جنہوں نے کوئی ناطہ نہ ہوتے ہوئے بھی کوئی خونی تعلق نہ ہوتے ہوئے بھی مج
پالا پوسا اور اس آبرو مندانہ مقام پر پہنچا دیا ___ خونی تعلق والوں نے تو مجھے کچرے
ڈال دینے کا بھی حکم سنا دیا تھا ___ اگر میں واقعی کچرے میں ڈال دی گئی ہوتی
شاید آج ___ ڈاکٹر بننے کی بجائے کسی کوٹھے ___ کی ___ زینت ہوتی ___"

سبین بیحد جذباتی ہو رہی تھی۔ اس لئے آخری جملہ کہتے ہوئے اس پر رقت طار
ہو گئی اور وہ کوشش کے باوجود اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکی۔ ہاتھوں پر چہرہ گرا کر اونچی آو
میں رونے لگی۔

شائستہ اب مرعوب و متاثر تھی۔ سبین نے جو کچھ کہا تھا۔ حرف بہ حرف سچ تھ
اسے پتہ نہیں چل رہا تھا۔ کہ اب ان باتوں کا رد عمل کیا ہو گا۔ چند لمحے روتی رہی۔
سسکیاں بھرنے لگی۔

شائستہ خاموشی سے اسے تکے گئی۔ فطری رد عمل یہی تھا۔ کہ وہ اٹھ کر سبین کو
سے لگا لے۔

لیکن

وہ ہچکچا رہی تھی۔ مجرمانہ احساس غالب آ رہا تھا۔ جس بات کا نتیجہ اس نے کبھی سو
بھی نہ تھا آج اس کے سامنے تھا۔ وہ اپنے آپ کو بیحد کمزور پا رہی تھی ___ اس نے
بھی کہ سبین کے بیان کو ماننے سے انکار کر دے۔ مکر جائے۔ اس کی باتوں کی نفی

دے۔

لیکن

ایسا بھی نہ کر سکتی تھی۔ ضمیر تو زندہ تھا نا۔

اسی لئے وہ اٹھ کر سبین کے پاس آ بیٹھی اور بڑے پیار سے اس کے ہاتھ چہرے سے
ہٹاتے ہوئے بولی "سبین یہ جرم یا گناہ جو کچھ تھا۔ ہم سے سرزد ہوا۔ لیکن مجھ اکیلی سے
نہیں۔ تمہارے دونوں ماموں دوسری ممانی حتیٰ کہ تمہاری آن بان والی نانی صاحبہ بھی اس
میں شامل تھیں۔ بہرحال تم زندہ ہو۔ ایک معزز خاندان میں تمہاری تربیت ہوئی ہے۔ تم
ذہین اور ذی فہم لڑکی ہو۔ تم نے اپنی ابتدا کا پتہ لگا ہی لیا ہے۔ تو اب اس حقیقت سے
انکار نہیں ہو سکتا۔ تم ہماری اپنی ہو۔ ہمارا خون ہو ___ تمہارے ماموں آنے والے
ہیں۔ مصطفیٰ بھی آجکل یہاں آیا ہوا ہے۔ میں تمہیں ان سے ملواؤں گی ___"

سبین نے جھٹکے سے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑائے اور بولی "مجھے اب کسی
سے نہیں ملنا ___ یہ لوگ کوئی غیر ہوتے تو شاید میں ان سے بہت کچھ پوچھتی۔ اپنی ماں
کا پتہ دریافت کرتی ___"

شائستہ جلدی سے بولی "تمہیں سب کچھ دے دیا جائے گا۔ عفت کا پتہ اور فون نمبر
___ بلکہ میں اس کی بہت پرانی تصویر بھی لاتی ہوں۔ دیکھنا تم اس سے کتنی ملتی جلتی
ہو۔"

سبین نے اسے روکنا چاہا ___ لیکن وہ اٹھ کر چلی گئی۔

سبین کے لئے اچھا ہی ہوا۔ اسے تنہائی میں اپنے آئندہ لائحہ عمل کے متعلق سوچنے
کا موقع مل گیا۔ اس نے آنسو پونچھ ڈالے۔ لیکن ڈھنگ کی کوئی سوچ اس کے ذہن میں
نہ آئی۔ وہ اس جگہ اپنے آپ کو سخت مضطرب و بے چین پا رہی تھی۔ ان لوگوں سے
نفرت میں شدت آ رہی تھی۔ اب اسے ان کے دکھاوے کے پیار کی قطعاً ضرورت نہ
تھی۔ ہاں اسے اپنی ماں پر بے طرح ترس آ رہا تھا۔ اس کے لئے دل تڑپ رہا تھا اور اس
پر کئے گئے ظلموں کا بدلہ لینے کا وہ سوچ رہی تھی۔ یہ سوچیں بعض اوقات بے ربط بھی ہو

جاتیں۔ مصطفیٰ کا چہرہ نگاہوں میں گھوم جاتا۔

اور

جب یہ سوچ ذہن میں تلاطم مچاتی کہ مصطفیٰ ان جابر اور ستم گار لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں زندگیوں کو قتل کر دینے والوں کے فرزند ہیں۔ تو اسے لگتا۔ ان لوگوں کے ساتھ وہ مصطفیٰ کو بھی معاف نہ کر پائے گی۔ برداشت نہ کر سکے گی ___

محبتیں قربان بھی تو ہو جاتی ہیں ___

شائستہ نے آنے میں کچھ وقت لگا دیا۔ اس اثناء میں ملازمہ مشروب اور پھل وغیرہ میز پر رکھ گئی۔ جسے سبین نے ہاتھ تک نہیں لگایا ___

شائستہ آئی تو اس کے ہاتھ میں پرانے فریم والی ایک تصویر تھی۔ یہ عفت کی تصویر تھی۔ جسے سبین نے دیکھا تو شک گزرا جیسے وہ اس کی تصویر ہو ___ اس نے عقیدت سے اس تصویر کو چوما اور اپنی فائلوں پر رکھ لیا ___

اس نے ایک لفظ بھی زبان سے نہ کہا ___ شائستہ لگاؤ کے انداز میں بولی "تمہاری ماں بالکل تمہارے جیسی ہے نا ___"

"نہیں" سبین نے دانت پیستے ہوئے کہا ___ "میری ماں شاید بزدل تھی۔ یا حالات نے اسے ایسا بنا دیا تھا۔ کہ وہ ظالموں کے سامنے جھک گئی ___ مجھے میری ماں کا مماثل نہ سمجھئے گا ___"

شائستہ کچھ کہنے والی تھی۔ کہ نوید اندر آگئے۔ شائستہ جب تصویر لینے گئی تھی۔ تو وہ گھر آگئے تھے۔ اس نے مختصراً ساری روئیداد انہیں سنا دی تھی ___

سبین نے ان کی طرف دیکھا اور سمجھ گئی۔ کہ یہ اس کے ماموں ہیں اس کی ماں کے سگے بھائی۔ جو اس کی بربادیوں کا سبب بنے تھے ___

اس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ سلام تک نہیں کیا۔ وہ خود ہی آگے بڑھے۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر مضطربانہ آواز میں بولے "میں ساری بات سن چکا ہوں۔ بہتری اسی میں ہے کہ ہم اپنے کئے پر پشیمان ہو کر تم سے معافی مانگ لیں ___ میں آج تک کسی کے

سامنے نہیں جھکا لیکن تم سے معافی مانگ رہا ہوں ___ وہ وقت اور وہ حالات ہی ایسے تھے۔ آن بان نسبی غرور اور شہر کے امیر ترین اور معزز ہونے کی وجہ سے ہمارا یہ عمل کوئی بری بات نہ تھی ___ اب دماغ روشن ہو چکے ہیں۔ تہذیبی اقدار بدل چکی ہیں۔ اپنے سے کمتر حیثیت کے آدمی سے شادی بری بات نہیں سمجھی جاتی۔ پیار کے رشتے ماں باپ خود کروا دیتے ہیں۔ کہ یہی عقلمندی ہے ___"

"تب آپ بے وقوف تھے شاید" سبین نے سر سے ان کا ہاتھ غصے سے ہٹایا ___ خشمگین نظروں سے انہیں دیکھا۔

اور پھر شائستہ سے بولی "مجھے میری ماں کا پتہ اور فون نمبر چاہئے ___"

"بیٹی" نوید اس کی گستاخی کو نظر انداز کرتے ہوئی ملامت سے بولے "اس واقعے کو پچیس سال کے قریب گزر چکے ہیں۔ تمہاری ماں اس واقعے کی تلخی بھول کر اب سکون کی زندگی گزار رہی ہے اسے تم ڈسٹرب کرنا چاہوں گی۔"

"میری ماں شاید سارا وقت کسی معجزے کی رونمائی کی منتظر رہی ہو گی۔ کہ اس کا مردہ بچہ کہیں سے آجائے ___ یہ معجزہ رونما ہو چکا ہے۔ مجھے پتہ چاہئے ___ فون نمبر بھی ___"

اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

تو

شائستہ اٹھ کر چلی گئی ___ چند منٹ بعد وہ پتہ اور نمبر لے آئی۔ اس کی غیر حاضری میں نوید جملے بھی وضع کرتے رہے۔ جو کہہ کر اس روٹھی ہوئی غضب ناک لڑکی کو منا سکیں۔

ہاں شائستہ نے پتہ اسے دیتے ہوئے مشروب پینے کو کہا۔

لیکن

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

نوید اور شائستہ بھی جلدی سے اٹھتے ہوئے بولے "بیٹھو۔ بیٹھو کہاں جا رہی ہو۔"

"پولیس میں رپورٹ درج نہیں کراؤں گی۔ کہ آپ لوگ شہر کے معزز اور امیر ترین آدمی ہیں ___ بے عزتی نہ ہو جائے ___ میں جارہی ہوں ___ میرا آپ لوگوں سے کوئی رشتہ کوئی ناطہ نہیں۔ تھا بھی تو جب مجھے آپ لوگوں نے اٹھا باہر پھینکا تھا۔ تو وہ ٹوٹ گیا۔ میں مروں گی نہیں ___ اپنی زندگی جیوں گی ___ لیکن آپ جیسے ظالم لوگوں کی شکلیں دیکھنا بھی گوارہ نہ کروں گی ___"

اس نے فائل عفت کی تصویر اور اپنا بیگ اٹھایا ___ شائستہ اور نوید سن سے ہوگئے۔

اور

وہ

تند جھکولے کی طرح تیز چلتی کمرے سے نکل کر پورچ میں آئی اور پھر گیٹ کی طرف چل دی۔

نوید اور شائستہ سنبھلے۔

تو

دوڑ کر پیچھے لپکے۔

لیکن وہ گیٹ سے باہر نکل رہی تھی ___

اور

عین

اسی وقت مصطفیٰ کی گاڑی گیٹ پر آئی۔ ابھی ہارن بھی نہ دے پائے تھے۔ کہ انہو نے سبین کو تیزی سے دائیں طرف جاتے دیکھا۔

چند ثانیوں کو تو وہ ششدر رہ گئے۔

سبین اور یہاں؟ ان کے دماغ میں سب کچھ گڈمڈ ہوگیا۔

پھر

وہ کھلی گاڑی چھوڑ کر اس کے پیچھے لپکے۔ لیکن وہ سڑک کنارے کھڑی ٹیکسی

بیٹھ چکی تھی اور ان کے وہاں پہنچنے تلک گاڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

پہلے تو انہوں نے سوچا۔ کہ جلدی سے اپنی گاڑی تک آئیں اور اس ٹیکسی کا تعاقب کرکے سبین کو جالیں۔

لیکن یہ مشکل تھا۔

سبین ان کے گھر کے گیٹ سے باہر نکلی تھی۔ اس لئے اندر جاکر صورت حال کا پتہ کیا جاسکتا تھا ___

گاڑی میں بیٹھ کر انہوں نے ہارن دیا۔ نوکر نے جلدی سے گیٹ کھولدیا۔ وہ اندر آئے اور گاڑی پورچ میں کھڑی کرکے جلدی سے باہر نکلے ___ امی ابو انہیں برآمدے ہی میں ہراساں سے کھڑے مل گئے۔

انہوں نے سلام کرتے ہی پوچھا "کیا سبین یہاں آئی تھی؟"

"ہاں" ان کی امی نے کہا۔

خوشی کی ایک بے خود کر دینے والی لہران کے اندر دوڑ گئی۔ انہوں نے اسی لے میں پوچھا۔

"کس لئے آئی تھی۔ کیسے آئی تھی ___"

"اندر چلو تمہیں بتاتے ہیں" ان کے ابو داخلی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔ امی بھی ان کے پیچھے چلیں۔

دونوں کا سرد سا رویہ تھا ___

مصطفیٰ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ وہ کچھ پریشان سے ہوگئے۔

○ ○ ○

قسمت انسان کو کیسے کیسے چکر دیتی ہے بعض اوقات صدیوں کی مسافتیں طے کرنے کے بعد بھی انسان وہیں آن کھڑا ہوتا ہے۔ جہاں سے چلا تھا۔ ٹیڑھے میڑھے تنگ و تاریک راستوں پر دوڑتا چلا جاتا ہے۔ صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ سفر کی کٹھنائیوں سے گزرتا ہے۔ صبر اور حوصلے کے ساتھ کہ وہ جتنا سفر طے کر رہا ہے منزل کے قریب ہوتا جارہا ہے۔ لیکن بعض لوگوں کی بدنصیبی دیکھئے کہ جب دو چار ہاتھ لب بام رہ جاتا ہے تو کمند ٹوٹ جاتی ہے۔ دو قدم رہ جانے والی منزل اتنی دور ہو جاتی ہے کہ اس کا نام و نشان تک نظر نہیں آتا ___ اس کو چھولینا ___ پالینا تو درکنار اس کا تصور بھی احاطہ ذہن میں مقید نہیں ہو سکتا۔

بینن بھی انہی لوگوں میں سے ایک تھی۔

مصطفیٰ کے گھر سے آنے کے بعد وہ اسی شام لاہور واپس آگئی تھی۔ اس کا سر بے شک اپنی نسلی افتخار کی وجہ سے بلند تھا۔ لیکن دل ڈوبتے ڈوبتے ڈوب ہی چکا تھا ___ مصطفیٰ جو اس کی پہلی اور آخری محبت تھی۔ جو اس کے دل کی دھڑکن بن چکے تھے۔ جن کے بنا اسے لگتا تھا۔ کہ سانس بھی نہیں لے پائے گی۔

وہ

وہ محبوب ترین ہستی

اس سے دور ہو چکی تھی۔ حالات کی جو دیوار درمیان میں اس نے خود کھڑی کرلی تھی۔ اسے توڑا جاسکتا تھا نہ پھلانگا جاسکتا تھا۔ وہ ان لوگوں کا بیٹا تھا۔ جنہیں بینن کبھی معاف نہ کرسکتی تھی۔ ان کے گھناؤنے چہروں کو دوبارہ دیکھنے کی اس میں سکت ہی نہ تھی۔"

بینن جب واپس آئی تو تائی تایا پھپھو پھوپھا اور سب کزنز اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

اور

جب

اس نے بتایا تھا۔ کہ وہ اپنے اصلی وارثوں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی ہے اور وہ لوگ بہت بڑے لوگ ہیں۔ نیز وہ اپنے ماں باپ کی جائز اولاد ہے تو سب نے بینن کو مبارک بادیں دیں ___

اور

جب

اس نے یہ بتایا۔ کہ جو عورت اس کا رشتہ ٹھکرا کر چلی گئی تھی۔ وہ اس کی حقیقی ممانی تھی۔ تو سب حیرت زدہ سے رہ گئے۔ سارے حالات و واقعات تفصیل سے سننے کے لئے سب متمنی نظر آئے ___

بینن نے بلا کم و کاست ساری روئیداد کہہ سنائی ___ لڑکیاں تو خوشی سے اس سے لپٹ گئیں۔

"تو ڈاکٹر مصطفیٰ تمہارے ماموں زاد ہیں؟"

"ہائے" کتنی اچھی بات ہے۔

"سو سٹرینج۔"

"بہت خوب۔ کتنے اچھے ہیں مصطفیٰ اب تو وہ تمہارے اپنے ہوئے۔"

فرط مسرت سے سب کے منہ سے ایسی ہی باتیں نکل رہی تھیں۔ بینن خاموشی سے سنتی رہی۔ جب وہ لوگ چپ ہوئے۔ تو بینن نے سپاٹ اور سنجیدہ لہجے میں کہا "میں ان سب سے تعلق توڑ آئی ہوں۔

ان لوگوں سے میں کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔ جنہوں نے میری ماں پر اتنے ظلم ڈھائے ___"

وہ جوش میں آکر وہی باتیں دہرانے لگیں۔ جو مصطفیٰ کے ہاں کہہ کر آئی تھی۔

سب دم بخود ہوگئے ___

وہ پھر دلفگار لہجے میں بولی "میں ___ اب آپ ___ لوگوں پر بھی بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ یہ گھر اور وہ جائیداد جو از راہ کرم دادا مرحوم نے میرے نام کر دی تھی۔ آپ لوگوں کی امانت ہے۔ میں واپس کرتی ہوں ___ میں ہوسٹل میں شفٹ ہو جاؤں گی۔"

"سبین ___" تائی سمیت سب نے محبت سے ڈانٹا "ایسی باتیں سوچنا بھی نہیں۔"

"یہ تمہارا اپنا گھر ہے" طیب نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"پالنے والوں کا رشتہ پیدا کرنے والوں سے کم نہیں ہوتا بیٹی" پھپھو اس کے پاس بیٹھ کر اسے ساتھ لگاتے ہوئے بولیں "تم ہمارے مرحوم بھائی اور بھابی کی نشانی ہو ___"

"تم ہماری اپنی ہو" تایا نے پیار سے کہا "خبردار جو کبھی گھر چھوڑنے کا سوچا بھی ___"

"چھوڑو گی بھی تب" تائی نے ہنس کر کہا "جب اپنے سسرال جاؤ گی۔ تب بھی تمہارا میکہ یہی ہوگا ___"

سب نے اتنی محبتیں اتنا پیار اور اتنی شفقتیں دیں۔ کہ سبین کا دل بھر آیا۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو گرنے لگے ___ پھر وہ ہچکیوں اور سسکیوں سے رونے لگی۔

شام ماہ نور اور منیب بھی آگئے۔

عائشہ اور اس کی امی بھی آئیں ___

پھر

جس جس کولیگ اور دوست کو پتہ چلا وہ اسے ملنے آگیا۔ اس کی کامیاب جستجو اور تحقیق پر اسے مبارکبادیں دیں ___ اس کی امی کی تصویر سب نے دیکھی۔ واقعی ماں بیٹی میں بہت زیادہ مشابہت تھی ___

سبین ان لوگوں کا شکریہ ادا کرتی رہی۔ محبتیں محبت سے لوٹاتی رہی۔ سب کو تو

پوری رام کہانی اور اپنا آخری فیصلہ نہیں سنایا۔

ہاں

ماہ نور عائشہ اور منیب سے اس نے سب کچھ کہہ دیا۔

اور

یہ تینوں

جو اس بات سے بے حد خوش تھے۔ کہ سبین اور مصطفیٰ کزن ہیں اور اب ان کے ملن میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ رنجیدہ ہوگئے۔

سب نے مصطفیٰ کی طرفداری کرتے ہوئے اسے بہت سمجھایا ___ کہ وہ تو بے قصور ہیں۔ ان کو اتنی بڑی سزا کیوں دو گی ___

سبین کا فیصلہ اٹل تھا ___

اگلے دن سبین کو مصطفیٰ کا فون آیا۔ وہ کراچی سے واپس آگئے تھے اور سبین سے فوراً ملنے کے خواہشمند تھے ___

سبین نے ان کی آواز پہچانتے ہی فون بند کر دیا۔

پھر

وقفوں سے کتنی ہی بار فون کی گھنٹی بجتی رہی۔ لیکن سبین نے مصطفیٰ سے کوئی بات نہ کی۔

پتھر پر لکیر پڑنا آسان نہیں ہوتا۔

لیکن

اگر پڑ جائے

تو پھر اس کا مٹانا بھی آسان نہیں ہوتا ___

سبین کا فیصلہ حالات کے طابع خود بخود ہو چکا تھا۔ یہ پتھر پر لکیر تھی۔ جو پڑ گئی۔ اب مٹانا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا ___

مصطفیٰ نے شام تک کئی بار فون کیا۔ اس نے فون ریسیو نہ کیا تو وہ خود چلے آئے۔

سبین ان کی گاڑی پورچ میں رکتے ہی فضیلت سے بولی "اماں یہ جو ڈاکٹر صاحب آئے ہیں۔ انہیں جاکر کہہ دو میں گھر پر نہیں ہوں ___"

سبین جلدی سے تائی کے گھر چلی گئی ___

لیکن۔

مصطفیٰ کی لگن بھی انہیں کہاں چین لینے دیتی تھی۔ وہ دو تین دفعہ آئے۔ سبین نہ ملی۔

اس دن وہ اماں فضیلت کے کہنے کے باوجود کہ سبین گھر پر نہیں۔ اسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے اندر آگئے۔

سبین لاؤنج ہی میں صوفے پر بیٹھی تھی۔ انہیں اس طرح اندر آتے دیکھ کر اٹھ کر کھڑی ہوگئی ___

مصطفیٰ کے قدم وہیں رک گئے ___ سبین کا چہرہ کتنا اترا ہوا تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے واضح تھے۔ تکان نے اسے اتنا چور چور کر دیا تھا۔ بکھیر کے رکھ دیا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو تکے جا رہے تھے۔

کئی لمحے گزر گئے ___

اماں فضیلت اندر آتے ہی بولی "بیٹا میں نے تو بتیرا انہیں روکا۔ لیکن یہ خود ہی اندر چلے آئے ___"

مصطفیٰ چند قدم آگے بڑھے فضیلت سے بولے "تم جاؤ ___"

وہ چلی گئی۔

تو مصطفیٰ سبین کے اور قریب آگئے۔ اتنے قریب کہ وہ اسے باآسانی بازوؤں میں بھر سکتے تھے ___

"آپ کیوں آگئے ___" سبین نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تمہاری کشش کھینچ لائی" مصطفیٰ نے قدرے خوشدلی سے جواب دیا پھر خود ہی بولے "میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ تم مجھ سے غیریت اور اجنبیت کیوں برت رہی ہو

___ اب تو ہم خونی رشتوں کے امین ہیں۔ تم میری پھپھو کی بیٹی ہو۔ میں تمہارا ماموں زاد ہوں ہم دونوں ___"

وہ بازو پھیلائے آگے بڑھے تو سبین دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور طنز سے بولی "تو رشتوں کی کہانی آپ کو پتہ چل گئی۔"

"ہاں" وہ بولے "امی ابو نے مجھے سب کچھ بتا دیا ___"

وہ تمسخر سے ہنسی "سب کچھ؟"

"ہاں ہاں۔"

"میں نہیں مانتی۔ کوئی مجرم اپنے پلڑے میں جرموں اور گناہوں کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ آپ کے والدین کیسے اعتراف کر سکتے ہیں ___"

"کس بات کا۔"

"اپنے مظالم کا۔ جو انہوں نے میری ماں پر ڈھائے میرے باپ پر روا رکھے۔ مجھ پر کیے۔"

"سبین۔ اس وقت انہوں نے جو کچھ کیا وہ حالات کا تقاضا تھا ___"

"ایک بچے کو ماں کی گود سے چھین لینا۔ حالات کا تقاضا تھا۔ اسے مردہ قرار دے کر نوکرانی کے ہاتھوں میں تھما کر کہہ دینا۔ کہ کوئی خالی جھولی نہ ملے تو بے شک اسے کچرے پہ پھینک دیا جائے یہ بھی حالات کا تقاضا تھا ___ ان ستمگاروں نے میرے ماں باپ پر جو ظلم کئے سو کئے ___ ایک بیوہ عورت کی گود بھی اجاڑ دی ___ کیا یہ مظالم قابل معافی ہیں؟"

مصطفیٰ کو واقعی پوری دلگداز داستان سفاکیوں سمیت نہ سنائی گئی تھی۔ وہ حیران ہو کر سبین کو تکنے لگے۔

سبین جوش و غصے میں لرزتی کانپتی اپنی بے گناہ ماں اور باپ پر ڈھائے جانے والے مظالم ایک ایک کر کے انیق بتاتی رہی اور چیخ چیخ کر کہا جن لوگوں نے اسے ماں باپ کی محبتوں اور پیار سے محروم کیا۔ وہ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔

"سبین" کئی لمحے خاموش کھڑے سنتے رہنے کے بعد مصطفیٰ بولے "تم جو کچھ کہہ رہی ہو۔ سب سچ سہی ___ لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

سبین نے ایک گہری سانس لی۔

"بتاؤ نا __ ان کے جرموں کی سزا مجھے کیوں دے رہی ہو۔ میرا قصور بتاؤ ___"

"آپ کا قصور؟" وہ پھنکاری ___ "آپ ان لوگوں کی اولاد ہیں۔ جن کے گھناؤنے چہرے دیکھنے کی میں کبھی متحمل نہیں ہو سکتی ___"

"سبین ___" مصطفیٰ سہل انداز میں بولے "معافی نامی کوئی لفظ تمہاری لغات میں ہے؟"

"ناممکن" وہ غرائی

"مجھے بھی ناکردہ گناہوں کی سزا دوگی __ خدا کے لئے سبین ___ میرے حال پر رحم کرو۔ میں نے تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑا ___"

سبین صوفے کی پشت پکڑ کر کھڑی ہوگئی اور بولی "آپ نے میرا کچھ نہیں بگاڑا ___ "

"یہ حقیقت ہے۔ تم بھی مانوگی ___"

"ایک بات پوچھوں۔"

"ضرور۔"

مصطفیٰ اس کے قریب آگئے ___

"آپ کو مجھ سے محبت ہے؟" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

مصطفیٰ اداس مسکراہٹ سے بولے "کیا تمہیں شک ہے؟"

"یعنی آپ مجھے چاہتے ہیں ___"

"سبین میرے پاس اپنے جذبات بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ___ تم میری زندگی ہو روح ہو جان ہو۔"

وہ کٹھور اور سنجیدہ لہجے میں بولی "واقعی؟"

"سبین" انہوں نے اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا "کیا ہو رہا ہے تمہیں۔ کیا کہہ رہی ہو۔ کیا کہلوانا چاہتی ہو ___"

سبین نے ان کے ہاتھ کندھوں سے ہٹائے اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی "میں آپ کے والدین کو معاف نہیں کر سکتی۔ ان کی شکلیں نہیں دیکھنا چاہتی۔ مجھے ان سے نفرت ہے ___ نفرت ___"

"سبین" مصطفیٰ نے اسے ٹوکا۔

لیکن وہ بولتی چلی گئی "آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ مجھے خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ تو بتایئے کیا میری خاطر ___ ان والدین کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ سکتے ہیں؟"

"سبین" مصطفیٰ کی بے اختیارانہ چیخ نما آواز گونجی۔

تو

سبین جس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ تمسخر اور طنز سے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

مصطفیٰ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے تکتے رہے۔

وہ ہنسے گی۔

ہنستی چلی گئی ___

اس کی آنکھوں میں ویرانیوں کی دھول اور طنز کی چنگاریاں نم آلود ہوگئیں۔

مصطفیٰ گنگ سے کھڑے رہے ___

"نہیں چھوڑ سکتے ___ نہیں __ کبھی نہیں ___" مجنونانہ انداز میں بولی۔

"سبین ___" انہوں نے زور دار لہجے میں کہا۔ تو وہ خونخوار نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے۔ بولی "یہ میرا آخری اور اٹل فیصلہ ہے۔ میری محبت قربان کر دیجئے یا والدین کی اور اگر والدین کی محبت قربان نہیں کر سکتے۔ تو خدا حافظ پلیز چلے جایئے میرے گھر سے اور نکل جایئے میری زندگی سے ___"

قدم اٹھاتے اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ تڑاخ سے دروازہ بند کیا اور بستر پر

ئی ___

کچھ دیر باہر کھڑے رہے۔ پھر دروازے پر دستک بھی دی۔ انہیں سبین کی

آواز بے چین بھی کرتی رہی ___

نے دروازہ نہیں کھولا ___

قدموں سے مصطفیٰ اس کے گھر سے نکل گئے ___

ہی بعد سبین لاہور ایئرپورٹ پر اپنے دوستوں میں گھری کھڑی تھی۔ عمیر ذکی

مریم رضوان اور دوسرے عزیزوں کے علاوہ نیا شادی شدہ جوڑا منیب اور ماہ

رخصت کرنے آئے تھے۔ وہ کسی سے ہاتھ ملا رہی تھی۔ کسی سے گلے مل

نم تھیں۔ لیکن وہ مسکرا رہی تھی ___

ان ہو رہی تھی۔

کو ہاتھ ہلا رہی تھی۔ جواباً" سب ہاتھ ہلاتے ہوئے اسے خدا حافظ کہہ رہے

جاتے ہوئے اس نے آخری بار پلٹ کر دیکھا۔ تو لاؤنج کے دور کے در میں

نظر آئے ___

رجیدہ۔ افسردہ اور پریشان۔

اس نے جلدی سے منہ پھیر لیا اور تیز قدموں سے اندرونی لاؤنج میں داخل ہو گئی۔

دو گھنٹے بعد

اس کا طیارہ امریکہ کی جانب محو پرواز تھا۔

○ ○ ○